حقیقت اسلام
111
112
113
114
उर्दू संग्रह
पुस्तक का नाम सय्यद अबुल आला मौदूदी
हकीकत इस्लाम
लेखक मौदूदी अबुल आला
प्रकाशन वर्ष 1940
आगत संख्या 111

ایک ضروری التماس

جو اصحاب اِس کتاب کا مطالعہ فرمائیں - انکی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ ہمیں ازراہِ کرم اپنا نام اور ڈاک کا مکمل پتہ لکھ بھیجیں تا کہ ہمارے ہاں سے اُردو علم و ادب کی جو نہایت مُفید کتابیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی ہیں - اُن کی اطلاع اور دیگر مطبُوعات کی فہرست ہم اُن کی خدمت میں روانہ کرتے رہا کریں - اُمید ہے کہ ہمارے معزّز بھائی اور بہنیں ہماری اس درخواست کو شرفِ قبول بخش کر نہ صرف اپنا پتہ بلکہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام و پتے بھی ہمیں بھیجکر ممنون فرمائینگی -

(شیخ) عنایت اللہ منیجنگ ایجنٹ - تاج کمپنی لمیٹڈ
قرآن منزل - ریلوے روڈ لاہور

حقیقتِ اسلام

از

سید ابوالاعلیٰ مودودی

صوفی پرنٹنگ پریس ریلوے روڈ

ناشران -
تاج کمپنی لمیٹڈ - قرآن منزل ریلوے روڈ لاہور

طبع سوم
قیمت ۱۰/
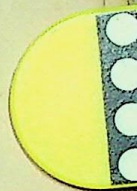
فہرست

صفحہ

سوچنے کی باتیں

دُنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں۔ جن کے پاس اللہ کا کلام بالکل محفوظ، تمام تحریفات سے پاک، ٹھیک ٹھیک انہیں الفاظ میں موجود ہے جن الفاظ میں وہ اللہ کے رسولِ برحق پر اُترا تھا ــــ اور دنیا میں اس وقت مسلمان ہی وہ بدقسمت لوگ ہیں۔ جو اپنے پاس اللہ کا کلام رکھتے ہیں اور پھر بھی اس کی برکتوں اور بے حد وحساب نعمتوں سے محروم ہیں۔ قرآن ان کے پاس اسلئے بھیجا گیا تھا کہ اس کو پڑھیں۔ سمجھیں اس کے مطابق عمل کریں اور اس کو لے کر خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی حکومت قائم کر دیں۔ وہ ان کو عزّت اور طاقت بخشنے آیا تھا۔ وہ انہیں زمین پر خدا کا اصلی خلیفہ بنانے آیا تھا۔ اور تاریخ

گواہ ہے کہ جب انہوں نے اس کی ہدایت کے مطابق عمل کیا
تو اس نے اُن کو دنیا کا امام و پیشوا بنا کر بھی دکھا دیا۔ مگر
ان کے ہاں اسکا مصرف سوائے اس کے کچھ نہیں رہا کہ گھر میں اس
کو رکھ کر جن بھوت بھگائیں۔ اس کی آیتوں کو لکھ کر گلے میں
باندھیں اور گھول کر پئیں، اور محض ثواب کے لئے بے سمجھے
بوجھے پڑھ لیا کریں۔ اب یہ اس سے اپنے زندگی کے معاملات
میں ہدایت نہیں مانگتے۔ یہ اس سے نہیں پوچھتے کہ ہمارے
عقائد کیا ہونے چاہئیں؟ ہمارے اعمال کیسے ہونے چاہئیں
ہمارے عقائد کیسے ہونے چاہئیں ہم زندگی کیونکر بسر کریں؟ دوستی
اور دشمنی میں کس قانون کی پابندی کریں؟ خدا کے بندوں اور
خود اپنے نفس کے حقوق ہم پر کیا ہیں اور انہیں ہم کس طرح
ادا کریں؟ ہمارے لئے حق کیا ہے اور باطل کیا؟ اطاعت
ہمیں کس کی کرنی چاہئے۔ اور نافرمانی کس کی؟ تعلق کس سے
رکھنا چاہیئے اور کس سے نہ رکھنا چاہیئے؟ ہمارا دوست کون
ہے اور دشمن کون؟ ہمارے لئے عزّت اور فلاح اور نفع
کس چیز میں ہے اور ذلت اور نامرادی اور نقصان کس چیز
میں۔ یہ ساری باتیں اب مسلمانوں نے قرآن سے پوچھنی

چھوڑ دی ہیں۔ اب یہ کافروں اور مشرکوں سے، گمراہ اور خود غرض لوگوں سے، اور خود اپنے نفس کے شیطان سے ان باتوں کو پوچھتے ہیں اور انہی کے کہنے پر چلتے ہیں۔ اس لئے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے حکم پر چلنے کا جو انجام ہونا چاہیے۔ وہی ان کا ہوا۔ اور اسی کو یہ آج ہندوستان میں، چین اور جاوا میں، فلسطین اور شام میں، الجزائر اور مراکش میں ہر جگہ بُری طرح بھگت رہے ہیں۔ قرآن تو خیر کا سرچشمہ ہے۔ جتنی اور جیسی خیر تم اس سے مانگو گے۔ یہ تمہیں دیگا۔ تم اس سے محض جن بھوت بھگانا اور کھانسی بخار کا علاج اور مقدمہ کی کامیابی اور نوکری کا حصول اور ایسی ہی چھوٹی چھوٹی ذلیل بے حقیقت چیزیں مانگتے ہو تو یہی تمہیں ملیں گی۔ اگر دنیا کی بادشاہی اور روئے زمین کی حکومت مانگو گے تو وہ بھی ملے گی، اور اگر عرشِ الٰہی کے قریب پہنچنا چاہو گے تو یہ تمہیں وہاں بھی پہنچا دے گا۔ یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہے کہ سمندر سے پانی کی دو بوندیں مانگتے ہو۔ ورنہ سمندر تو دریا بخشنے کے لئے بھی تیار ہے۔

جو ستم ظریفیاں ہمارے مسلمان بھائی اللہ کی اس کتاب

پاک کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہ اس قدر مضحکہ انگیز ہیں کہ اگر یہ خود کسی دوسرے معاملہ میں کسی شخص کو ایسی حرکتیں کرتے دیکھیں تو اس کی ہنسی اُڑائیں بلکہ اس کو پاگل قرار دیں۔ بتائیے۔ اگر کوئی شخص حکیم سے نسخہ لکھوا کر لائے اور اسے کپڑے میں لپیٹ کر گلے میں باندھ لے یا اسے پانی میں گھول کر پی جائے تو آپ اُسے کیا کہیں گے؟ کیا آپ کو اس پر ہنسی نہ آئے گی اور آپ اُسے بیوقوف نہ سمجھیں گے؟ مگر سب سے بڑے حکیم نے آپ کے امراض کے لئے شفا اور رحمت کا جو بے نظیر نسخہ لکھ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی آنکھوں کے سامنے دن رات یہی سلوک ہو رہا ہے اور کسی کو اس پر ہنسی نہیں آتی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ نسخہ گلے میں لٹکانے اور گھول کر پینے کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی ہدایت کے مطابق دوا استعمال کی جائے

بتائیے اگر کوئی شخص بیمار ہو اور وہ علم طب کی کوئی کتاب لے کر پڑھنے بیٹھ جائے۔ اور یہ خیال کرے کہ محض اس کتاب کو پڑھ لینے سے بیماری دور ہو جائے گی۔ تو آپ اُسے کیا کہیں گے؟ کیا آپ یہ نہ کہیں گے کہ بھیجو اسے پاگل خانہ میں،

اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ مگر شافیِ مطلق نے جو کتاب آپ کے امراض کا علاج کرنے کے لئے بھیجی ہے۔ اس کے ساتھ آپ کا بھی برتاؤ ہے۔ آپ اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ بس اس کے پڑھ لینے سے ہی تمام امراض دُور ہو جائیں گے۔ اس کی ہدایات پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ان چیزوں سے پرہیز کی ضرورت ہے۔ جن کو یہ مُضر بتاتی ہے۔ پھر آپ خود اپنے اُوپر وہی حکم کیوں نہیں لگاتے۔ جو اس شخص پر لگاتے ہیں۔ جو بیماری دُور کرنے کے لئے صرف علمِ طب کی کتاب پڑھ لینے کو کافی سمجھتا ہے۔

آپ کے پاس اگر کوئی خط ایسی زبان میں آتا ہے۔ جسے آپ نہ جانتے ہوں تو آپ دوڑے ہوئے جاتے ہیں کہ اس زبان کے جاننے والے سے اس کا مطلب پوچھیں۔ جب تک آپ اس کا مطلب نہیں جان لیتے۔ آپ کو چین نہیں آتا۔ یہ معمولی کاروبار کے خطوط کے ساتھ آپ کا برتاؤ ہے۔ جن میں زیادہ سے زیادہ چار پیسوں کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ مگر خداوندِ عالم کا جو خط آپ کے پاس آیا ہوا ہے اور جس میں آپ کے لئے دین و دنیا کے تمام فائدے ہیں۔ اسے آپ اپنے پاس یُونہی رکھ

چھوڑتے ہیں۔ اس کا مطلب سمجھنے کے لئے کوئی بے چینی آپ میں پیدا نہیں ہوتی۔ کیا یہ حیرت اور تعجب کا مقام نہیں؟ یہ باتیں میں ہنسی دل لگی کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ آپ ان باتوں پر غور کریں تو آپ کا دل گواہی دے گا کہ دُنیا میں سب سے بڑھ کر ظلم اللہ کی اس کتاب پاک کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اور یہ ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پہ جان قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بیشک وہ ایمان رکھتے ہیں اور اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہی اس پر سب سے زیادہ ظلم کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب پر ظلم کرنے کا جو انجام ہے وہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھ لیجئے۔ اللہ کا کلام انسان کے پاس اس لئے نہیں آتا کہ وہ بدبختی اور نکبت و مصیبت میں مبتلا ہو طٰهٰ مَآ اَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰىٓ۔ یہ سعادت اور نیک بختی کا سرچشمہ ہے۔ شقاوت اور بدبختی کا ذریعہ نہیں ہے۔ یہ قطعی ناممکن ہے کہ کوئی قوم خدا کے کلام کی حامل ہو اور پھر دنیا میں ذلیل و خوار ہو دوسروں کی محکوم ہو، پاؤں میں روندی اور جوتیوں سے ٹھکرائی جائے۔

اس کے گلے میں غلامی کا پھندا ہو اور غیروں کے ہاتھوں میں اس کی باگیں ہوں اور وہ اس کو اس طرح ہانکیں جیسے جانور ہانکے جاتے ہیں - یہ انجام اس کا صرف اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ کے کلام پر ظلم کرتی ہے - بنی اسرائیل کا انجام آپ کے سامنے ہے - اُن کے پاس توریت اور انجیل بھیجی گئی تھیں اور کہا گیا تھا کہ :-

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ -

اور اگر وہ تورات اور انجیل اور ان کتابوں کی پیروی پر قائم رہتے جو اُن کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں تو اُن پر آسمان سے رزق برستا اور زمین سے رزق اُبلتا ٭

مگر انہوں نے اللہ کی کتابوں پر ظلم کیا اور اس کا نتیجہ یہ دیکھا کہ -

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

اُن پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور خدا کے غضب میں گھر گئے - یہ اِس لئے کہ وہ اللہ کی آیات

يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ	سے کفر کرنے لگے تھے اور پیغمبروں
يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ	کو ناحق قتل کرتے تھے اور اس لئے
الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا	کہ وہ اللہ کے نافرمان ہو گئے تھے۔
وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔	اور حد سے گزر گئے تھے ؛

پس جو قوم خدا کی کتاب رکھتی ہو اور پھر بھی ذلیل و خوار اور محکوم و مغلوب ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ ضرور کتابِ الٰہی پر ظلم کر رہی ہے اور اس پر یہ سارا وبال اسی ظلم کا ہے۔ خدا کے اس غضب سے نجات پانے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس کی کتاب کے ساتھ ظلم کرنا چھوڑ دیا جائے اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگر آپ اس گناہِ عظیم سے باز نہ آئیں گے تو آپ کی حالت ہرگز نہ بدلے گی۔ خواہ آپ گاؤں گاؤں کالج کھول دیں اور آپ کا بچہ بچہ گریجویٹ ہو جائے اور آپ یہودیوں کی طرح سود خواری کر کے کروڑ پتی ہی کیوں نہ بن جائیں ؛

ہر مسلمان کو سب سے پہلے جو چیز جاننی چاہیئے وہ یہ ہے کہ "مسلمان" کہتے کس کو ہیں اور "مسلم" کے معنی کیا ہیں۔ اگر انسان یہ نہ جانتا ہو کہ "انسانیت" کیا چیز ہے اور انسان و حیوان

میں فرق کیا ہے تو وہ حیوانوں کی سی حرکات کرے گا - اور اپنے آدمی ہونے کی قدر نہ کر سکے گا - اسی طرح اگر کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ مسلمان ہونے کے معنی کیا ہیں اور مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز کس طرح ہوتا ہے تو وہ غیر مسلموں کی سی حرکات کرے گا اور اپنے مسلمان ہونے کی قدر نہ کر سکے گا - لہذا مسلمان کو اور ہر مسلمان کے ہر بچہ کو اس بات سے واقف ہونا چاہئے کہ وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو اس کے معنی کیا ہیں - مسلمان ہونے کے ساتھ ہی آدمی کی حیثیت میں کیا فرق واقع ہو جاتا ہے - اس پر کیا ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے - اور اسلام کی حدود کیا ہیں - جن کے اندر رہنے سے آدمی مسلمان رہتا ہے - اور جن کے باہر قدم رکھتے ہی وہ مسلمانیت سے خارج ہو جاتا ہے - چاہے وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا جائے ؟

"اسلام" کے معنی ہیں خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کے' اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا "اسلام" ہے - خدا کے مقابلہ میں اپنی آزادی اور خود مختاری سے دست بردار ہو جانا - "اسلام" ہے - خدا کی بادشاہی و فرمانروائی کے آگے سر تسلیم خم

کر دینا "اسلام" ہے جو شخص اپنے سارے معاملات کو خدا کے
حوالہ کر دے۔ وہ مسلمان ہے اور جو اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ
میں رکھے یا خدا کے سوا کسی اور کے سپرد کرے وہ مسلمان نہیں ہے
خدا کے حوالے کرنے یا خدا کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا
نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے
اس کو قبول کیا جائے۔ اس میں چون و چرا نہ کی جائے اور زندگی
میں جو معاملہ بھی پیش آئے۔ اس میں صرف قرآن اور سنت
رسولؐ کی پیروی کی جائے۔ جو شخص اپنی عقل اور دنیا کے دستور
اور خدا کے سوا ہر ایک کی بات کو پیچھے رکھتا ہے اور ہر معاملہ
میں خدا کی کتاب اور اس کے رسول سے پوچھتا ہے کہ مجھے
کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے اور جو ہدایت وہاں سے
ملے۔ اس کو بے چون و چرا مان لیتا ہے اور اس کے خلاف ہر
چیز کو رد کر دیتا ہے۔ وہ اور صرف وہی "مسلمان" ہے۔ اس
لئے کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کر دیا اور اپنے کو
خدا کے سپرد کرنا ہی "مسلمان" ہونا ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص
قرآن اور سنتِ رسولؐ پر انحصار نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے دل کا کہا کرتا
ہے یا باپ دادا سے جو کچھ چلا آرہا ہے اس کی پیروی کرتا ہے

یا دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہو۔ اس کے مطابق چلتا ہے اور اپنے
معاملات میں قرآن اور سنّت سے دریافت کرنے کی ضرورت
ہی نہیں سمجھتا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے۔ یا اگر
اُسے معلوم ہو جائے کہ قرآن و سنّت کی ہدایت یہ ہے اور پھر وہ
اس کے جواب میں کہتا ہے کہ میری عقل اسے قبول نہیں کرتی اس
لئے میں اس بات کو نہیں مانتا یا باپ دادا سے تو اس کے خلاف
عمل ہو رہا ہے۔ لہذا میں اس کی پیروی نہ کروں گا یا دنیا کا
طریقہ اس کے خلاف ہے لہذا میں اسی پر چلوں گا تو ایسا شخص
ہرگز مسلمان نہیں ہے۔ وہ جھوٹ کہتا ہے اگر اپنے آپ کو
مسلمان کہتا ہے ؎

آپ جس وقت کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
پڑھتے ہیں اور مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ اُسی وقت آپ
گویا اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ کے لئے قانون صرف خدا
کا قانون ہے۔ آپ کا حاکم صرف خدا ہے۔ آپ کو اطاعت صرف
خدا کی کرنی ہے اور آپ کے نزدیک حق صرف وہ ہے جو خدا کی
کتاب اور اس کے رسولؐ کے ذریعہ سے معلوم ہو۔ اس کے معنی
یہ ہیں کہ آپ مسلمان ہوتے ہی خدا کے حق میں اپنی آزادی سے

دست بردار ہو گئے - اب آپ کو یہ کہنے کا حق ہی نہ رہا کہ میری رائے یہ ہے یا دنیا کا دستور یہ ہے یا خاندان کا رواج یہ ہے یا فلاں حضرت یا فلاں بزرگ یہ فرماتے ہیں - خدا کے کلام اور اس کے رسول کی سنت کے مقابلہ میں آپ کوئی چیز پیش نہیں کر سکتے - اب آپ کا کام یہ ہے کہ ہر چیز کو قرآن اور سنت کے سامنے پیش کریں - جو کچھ اس کے مطابق ہو اُسے قبول کریں اور جو کچھ اس کے خلاف ہو اُسے اُٹھا کر پھینک دیں - خواہ وہ کسی کی بات اور کسی کا طریقہ ہو - اپنے آپ کو مسلمان بھی کہنا اور پھر قرآن و سنّت کے مقابلہ میں اپنے خیال یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول یا عمل کو ترجیح دینا یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں جس طرح کوئی اندھا اپنے آپ کو آنکھوں والا نہیں کہہ سکتا - اور کوئی نکٹا اپنے آپ کو ناک والا نہیں کہہ سکتا - اسی طرح کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا جو اپنی زندگی کے سارے معاملات کو قرآن اور سنّت کا تابع بنانے سے انکار کرے اور خدا اور رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی عقل یا دنیا کے دستور یا کسی انسان کے قول و عمل کو پیش کرے ۔

جو شخص مسلمان نہ رہنا چاہتا ہو - اُسے کوئی مسلمان رہنے

پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اُسے اختیار ہے کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اپنا نام جو چاہے رکھ لے۔ مگر جب وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مسلمان اسی وقت تک رہ سکتا ہے۔ جب تک وہ اسلام کی حد میں رہے۔ خدا کے کلام اور اس کے رسول کی سنّت کو حق اور صداقت کا معیار تسلیم کرنا اور اس کے خلاف ہر چیز کو باطل سمجھنا اسلام کی سرحد ہے۔ اس سرحد میں جو شخص رہے وہی مسلمان ہے۔ اس سے باہر قدم رکھتے ہی آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے اور مسلمان کہتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کو بھی دھوکا دیتا ہے اور دنیا کو بھی ٭

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ؕ

کلمہ طیّبہ کے معنی

آپ کو معلوم ہے کہ انسان دائرہ اسلام میں ایک کلمہ پڑھ کر داخل ہوتا ہے اور وہ کلمہ بھی کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہے صرف چند لفظ ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط اِن الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا۔ اب مسلمان ہو گیا۔ پہلے ناپاک تھا۔ اب پاک ہو گیا۔ پہلے خدا کے غضب کا مستحق تھا۔ اب اس کا پیارا ہو گیا۔ پہلے دوزخ میں جانے والا تھا۔ اب جنت کا دروازہ اس کے لئے کھل گیا۔ اور بات صرف اتنے ہی پر نہیں رہتی۔ اسی کلمہ کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا زبردست فرق ہو جاتا ہے۔ جو اس کلمے کے پڑھنے والے ہیں وہ ایک امّت ہوتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتے ہیں وہ دوسری امّت

ہو جاتے ہیں۔ باپ اگر کلمہ پڑھنے والا ہے اور بیٹا اس
سے انکار کرتا ہے تو گویا باپ، باپ نہ رہا اور بیٹا، بیٹا نہ
رہا۔ باپ کی جائداد سے اس بیٹے کو ورثہ نہ ملے گا۔ ماں
اور بہنیں اس سے پردہ کریں گی۔ غیر شخص اگر کلمہ پڑھنے والا
ہے اور اس گھر کی بیٹی بیاہتا ہے تو وہ اور اس کی اولاد
تو اس گھر سے ورثہ نہ پائے گی۔ مگر یہ اپنی صلب کا بیٹا صرف
اس وجہ سے کہ کلمہ کو نہیں مانتا۔ غیروں کا غیر بن جائے گا۔
گویا یہ کلمہ ایسی چیز ہے کہ غیروں کو ایک دوسرے سے ملا
دیتی ہے اور اپنوں کو ایک دوسرے سے کاٹ دیتی ہے
حتیٰ کہ اس کلمہ کا زور اتنا ہے کہ خون اور رحم کے رشتے
بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ؎

اب ذرا اس بات پر غور کرو کہ اتنا بڑا فرق جو آدمی
اور آدمی میں ہو جاتا ہے۔ یہ آخر کیوں ہوتا ہے؟ کلمہ میں
ہے کیا؟ صرف چند حرف ہی تو ہیں۔ لام، الف، ھ، م،
د، س اور ایسے ہی دو چار حرف اور۔ اِن حرفوں کو ملا کر
اگر منہ سے نکال دیا تو کیا کوئی جادو ہو جاتا ہے کہ آدمی کی
کایا پلٹ جائے؟ آدمی اور آدمی میں بس اتنی سی بات سے

زمین و آسمان کا فرق ہو جائے۔ تم ذرا سمجھ سے کام لوگے تو تمہاری عقل خود کہہ دے گی کہ فقط منہ کھولنے اور زبان ہلا کر چند حرف بول دینے کی اتنی بڑی تاثیر نہیں ہو سکتی۔ بُت پرست مشرک لوگ تو یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ بس ایک منتر پڑھ دینے سے پہاڑ ہل جائے گا اور زمین شق ہو جائے گی۔ اور چشمے ابلنے لگیں گے۔ چاہے منتر کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر بس حرفوں میں ہے۔ وہ زبان سے نکلے اور طلسمات کے دروازے کھل گئے۔ مگر اسلام میں یہ بات نہیں ہے۔ یہاں اصل چیز معنی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر معنوں سے ہے۔ معنی اگر نہ ہوں اور وہ دل میں نہ اتریں اور ان کے زور سے تمہارے خیالات اور تمہارے اعمال نہ بدلیں تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا:

اِس بات کو میں ایک موٹی سی بات سے تمہیں سمجھاؤں فرض کرو۔ تمہیں سردی لگتی ہے۔ اگر تم زبان سے روئی، لحاف۔ روئی، لحاف پکارنا شروع کرو۔ تو سردی لگنا بند نہ ہو گی۔ چاہے تم رات بھر میں ایک لاکھ تسبیحیں روئی، لحاف کی پڑھ ڈالو۔ ہاں اگر لحاف میں روئی بھر کر اوڑھ

لوگے تو سردی لگنی بند ہو جائے گی - فرض کرو کہ تمہیں پیاس
لگ رہی ہے - اگر تم صبح سے شام تک پانی پانی پکارتے
رہو تو پیاس نہ بجھے گی - ہاں پانی کا ایک گھونٹ لے کر
پی لوگے - تو کلیجے کی ساری آگ فوراً ٹھنڈی ہو جائے گی -
فرض کرو کہ تم کو نزلہ بخار ہو جاتا ہے - اس حال میں اگر بنفشہ
گاؤزبان کی تسبیحیں تم پڑھنی شروع کر دو گے تو نزلے بخار میں
کچھ بھی کمی نہ ہو گی - ان دواؤں کا جوشاندہ بنا کر پی لوگے -
تو نزلہ بخار بھاگ جائے گا - بس یہی حال کلمۂ طیبہ کا بھی ہے
فقط چھ سات لفظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا -
کہ آدمی کافر سے مسلمان ہو جائے - ناپاک سے پاک ہو جائے -
مردود سے محبوب بن جائے - یہ فرق صرف اس طرح ہو گا کہ
پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھو اور مطلب تمہارے دل میں اتر
جائے - پھر مطلب کو جان بوجھ کر تم ان الفاظ کو زبان سے
نکالو تو تمہیں اچھی طرح یہ احساس ہو - کہ تم اپنے خدا کے
سامنے اور ساری دنیا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر
رہے ہو - اور اس اقرار سے تمہارے اوپر کتنی بڑی ذمہ
داری آگئی ہے - پھر یہ سمجھتے ہوئے جب تم نے اقرار کر لیا -

تو اس کے بعد تمہارے خیالات پر اور تمہاری ساری زندگی پر
اس کلمہ کا قبضہ ہونا چاہیئے۔ پھر تم کو اپنے دل اور دماغ میں
کسی ایسی بات کو جگہ نہ دینی چاہیئے جو اس کلمہ کے خلاف ہو
پھر تم کو ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ جو بات اس کلمہ
کے خلاف ہے وہ جھوٹی ہے اور یہ کلمہ سچا ہے۔ پھر زندگی کے
سارے معاملات میں یہ کلمہ تمہارا حاکم ہونا چاہیئے۔ اس کلمہ
کا اقرار کرنے کے بعد تم کافروں کی طرح آزاد نہیں رہے کہ جو
چاہو کرو۔ بلکہ اب تم اس کلمہ کے پابند ہو۔ جو وہ کہے اس
کو کرنا پڑے گا اور جس سے وہ منع کرے۔ اس کو چھوڑنا پڑیگا۔
اس طرح کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس طرح
کلمہ پڑھنے کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بڑا فرق ہوتا ہے جس
کا ذکر میں نے ابھی تم سے کیا۔

آؤ اب میں تمہیں بتاؤں کہ کلمہ کا مطلب کیا ہے۔ اور
اس کو پڑھ کر آدمی کس چیز کا اقرار کرتا ہے اور اس کا اقرار
کرتے ہی آدمی کس چیز کا پابند ہو جاتا ہے۔

کلمہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ کلمہ

میں اللہ کا جو لفظ آیا ہے - اس کے معنی "خدا" کے ہیں - خدا اس کو کہتے ہیں - جو مالک ہو، حاکم ہو، خالق ہو، پالنے اور پوسنے والا ہو، رزق دینے والا ہو اور اس کا مستحق ہو کہ اس کی عبادت کی جائے - اب جو تم نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اوّل تو تم نے یہ اقرار کیا کہ یہ دُنیا نہ تو بے خدا کے بنی ہے اور نہ ایسا ہی ہے کہ اس کے بہت سے خدا ہوں - بلکہ دراصل اس کا خدا ہے اور وہ خدا ایک ہی ہے اور اس ایک ذات کے سوا خدائی کسی کی نہیں ہے - دوسری بات جس کا تم نے کلمہ پڑھتے ہی اقرار کیا - وہ یہ ہے کہ وہی ایک خدا تمہارا اور سارے جہان کا مالک ہے - تم اور تمہاری ہر چیز اور دنیا کی ہر شے اس کی ہے - خالق وہ ہے - رازق وہ ہے، موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے مصیبت اور راحت اس کی طرف سے ہے - جو کچھ کسی کو ملتا ہے - اس کا دینے والا حقیقت میں وہ ہے - جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے - اس کا چھیننے والا حقیقت میں وہی ہے - ڈرنا چاہیئے تو اس سے - مانگنا چاہیئے تو اس سے - سر جھکانا چاہیئے تو اس کے سامنے -

عبادت اور بندگی کی جائے تو اس کی - اس کے سوا ہم کسی کے
بندے اور غلام نہیں اور اس کے سوا کوئی ہمارا آقا اور
حاکم نہیں - ہمارا اصلی فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں اور
اسی کے قانون کی پیروی کریں ؛

یہ عہد و پیمان ہے جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھتے ہی تم اپنے
خدا سے کرتے ہو اور ساری دنیا کو گواہ بنا کر کرتے ہو - اس کی
خلاف ورزی کرو گے تو تمہاری زبان ، تمہارے ہاتھ پاؤں ،
تمہارا رونگٹا رونگٹا ، زمین و آسمان کا ایک ایک ذرّہ
جس کے سامنے تم نے جھوٹا اقرار کیا - تمہارے خلاف خدا
کی عدالت میں گواہی دے گا ، اور تم ایسی بے بسی کے عالم
میں وہاں کھڑے ہو گے کہ ایک بھی گواہ صفائی کرنے کے لئے تم کو
نہ ملے گا - اور کوئی وکیل یا بیرسٹر تمہاری طرف سے پیروی کرنے
والا نہ ہو گا - بلکہ خود وکیل صاحب اور بیرسٹر جو دنیا کی
عدالتوں میں قانون کی الٹ پھیر کرتے پھرتے ہیں یہ بھی وہاں
تمہاری ہی طرح بے بسی کے عالم میں کھڑے ہوں گے - وہ
عدالت ایسی نہیں ہے - جہاں تم جھوٹی گواہیاں دے کر
اور جعلی دستاویزیں بنا کر اور غلط پیروی کر کے بچ جاؤ گے -

دُنیا کی پولیس سے تم اپنا جُرم چھپا سکتے ہو۔ خدا کی پولیس سے نہیں چُھپا سکتے۔ دنیا کی پولیس رشوت کھا سکتی ہے خدا کی پولیس رشوت کھانیوالی نہیں، دنیا کے گواہ جھُوٹ بول سکتے ہیں۔ خدا کے گواہ بالکل سچّے ہیں۔ دنیا کے حاکم بے انصافی کر سکتے ہیں۔ خدا ایسا حاکم نہیں جو بے انصافی کرے۔ پھر خدا جس جیل میں ڈالے گا۔ اس سے بچ کر بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں۔ پس خدا کے ساتھ جھوٹا اقرار نامہ کرنا بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ جب اقرار کرتے ہو تو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور اس کو پُورا کرو۔ ورنہ تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے کہ خواہ مخواہ زبانی ہی اقرار کر لو۔ کیونکہ ایسا اقرار محض بے کار ہے ؞

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے کے بعد تم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کہتے ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلم ہی وہ ایلچی ہیں۔ جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون تمہارے پاس بھیجا ہے۔ خدا کو اپنا آقا اور شہنشاہ مان لینے کے بعد یہ معلوم ہونا ابھی تو ضروری ہے کہ اس شہنشاہ کے احکام کیا ہیں۔ ہم کون سے کام کریں۔ جن سے وہ

خوش ہوتا ہے اور کون سے کام نہ کریں۔ جن سے وہ ناراض
ہوتا ہے۔ کس قانون پر چلنے سے وہ ہم کو بخشے گا اور اس
کی خلاف ورزی کرنے پر وہ ہم کو سزا دے گا۔ یہ سب باتیں
بتانے کے لئے خدا نے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنا ایلچی مقرر
کیا۔ آپ کے ذریعہ سے اپنی کتاب ہمارے پاس بھیجی۔ اور
آپ نے خدا کے حکم کے مطابق زندگی بسر کر کے ہم کو بتا دیا۔
کہ مسلمان کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے پس جب
تم نے محمّدؐ رسول اللہ کہا تو گویا اقرار کر لیا کہ جو قانون
اور جو طریقہ حضورؐ نے بتایا ہے۔ تم اس کی پیروی کرو گے اور
جو قانون اس کے خلاف ہے۔ اس پر لعنت بھیجو گے۔ یہ
اقرار کرنے کے بعد اگر تم حضور کے لائے ہوئے قانون کو چھوڑ دو گے
اور دنیا کے قانون کو مانو گے۔ تو تم سے بڑھ کر جھوٹا اور
بے ایمان کوئی نہ ہو گا۔ کیونکہ تم یہی اقرار کر کے اسلام میں
داخل ہوئے۔ مسلمانوں کے بھائی بنے۔ اسی اقرار کی بدولت
باپ سے ورثہ پایا۔ اسی کی بدولت ایک مسلمان عورت
سے تمہارا نکاح ہوا۔ اسی کی بدولت تمہاری اولاد جائز اولاد
بنی۔ اسی کی بدولت تمہیں یہ حق ملا کہ تمام مسلمان تمہارے

مددگار نہیں۔ تمہیں زکوٰۃ دیں۔ تمہاری جان، مال اور عزت اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیں اور ان سب کے باوجود تم نے اپنا اقرار توڑ دیا۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں کونسی بے ایمانی ہو سکتی ہے۔ اگر تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کے معنی جانتے ہو اور جان بوجھ کر اس کلمہ کا اقرار کرتے ہو تو تم کو ہر حال میں خدا کے قانون کی پیروی کرنی چاہیئے۔ خواہ اس کی پیروی پر مجبور کرنے والی کوئی پولیس اور عدالت اِس دنیا میں نظر نہ آتی ہو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا کی پولیس اور فوج اور عدالت اور جیل کہیں موجود نہیں ہے۔ اس لئے اس قانون کو توڑنا آسان ہے۔ اور گورنمنٹ برطانیہ کی پولیس، فوج، عدالت اور جیل موجود ہے۔ اس لئے اس کا قانون توڑنا مشکل ہے۔ ایسے شخص کے متعلق میں صاف کہتا ہوں کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کا جھوٹا اقرار کرتا ہے۔ اپنے خدا کو، ساری دنیا کو تمام مسلمانوں کو اور خود اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے ؛

اسی سلسلہ میں، میں ایک اور پہلو کی طرف بھی توجہ

دلانا چاہتا ہوں ؛

تم اقرار کرتے ہو کہ اللہ تمہارا اور تمہاری ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری جان تمہاری اپنی نہیں۔ خدا کی ملک ہے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں اپنے نہیں۔ تمہاری آنکھیں۔ تمہارے کان اور تمہارے جسم کا کوئی عضو تمہارا اپنا نہیں۔ یہ زمینیں جن کو تم جوتتے ہو۔ ان میں سے بھی کوئی چیز تمہاری نہیں۔ سب کچھ خدا کی ملک ہے اور خدا کی طرف سے عطیہ کے طور پر تمہیں ملی ہے۔ اس بات کا اقرار کرنے کے بعد تمہیں یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ جان میری ہے۔ جسم میرا ہے۔ مال میرا ہے اور فلاں چیز میری ہے۔ دوسرے کو مالک کہنا اور پھر اس کی چیز کو اپنی قرار دینا، بالکل ایک لغو بات ہے۔ اگر در حقیقت یہ بات سچے دل سے مانتے ہو کہ ان سب چیزوں کا مالک خدا ہی ہے۔ تو اس سے دو باتیں خود بخود تم پر لازم ہو جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب مالک خدا ہے اور اس نے اپنی ملکیت امانت کے طور پر تمہارے حوالہ کی ہے تو جس طرح مالک کہتا ہے۔ اسی طرح تمہیں ان چیزوں سے کام لینا

چاہیئے - اس کی مرضی کے خلاف تم اگر ان سے کام لیتے ہو تو دھوکہ بازی کرتے ہو - تم اپنے ان ہاتھوں اور پاؤں کو بھی اس کی پسند کے خلاف ہلانے کا حق نہیں رکھتے - تم ان آنکھوں سے بھی اس کی مرضی کے خلاف دیکھنے کا کام نہیں لے سکتے - تم کو اس پیٹ میں بھی کوئی ایسی چیز ڈالنے کا حق نہیں - جو اس کی مرضی کے خلاف ہو - تمہیں ان زمینوں اور ان جائدادوں پر بھی مالک کے منشاء کے خلاف کوئی حق حاصل نہیں ہے - تمہاری بیویاں جن کو تم اپنی کہتی ہو، اور تمہاری اولاد جن کو تم اپنی کہتے ہو - یہ بھی صرف اسی لئے تمہاری ہیں کہ تمہارے مالک کی دی ہوئی ہیں - لہذا تم کو ان سے بھی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ مالک کے حکم کے مطابق برتاؤ کرنا چاہیئے اگر اس کے خلاف کروگے تو تمہاری حیثیت غاصب کی ہوگی - جس طرح دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنے والے کو تم کہتے ہو کہ وہ بے ایمان ہے - اسی طرح اگر دوسرے کی دی ہوئی چیزوں کو تم اپنا سمجھ کر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کروگے یا مالک کے سوا کسی اور کی مرضی کے مطابق ان سے کام لوگے - تو وہی بے ایمانی کا الزام تم پر بھی آئے گا - اگر مالک کی مرضی کے

مطابق کام کرنے میں نقصان ہوتا ہے تو ہوا کرے - جان جاتی
ہے تو جائے - ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹیں - اولاد کا
نقصان ہوتا ہے تو ہو - مال و جائداد برباد ہو تو ہوا کرے
تمہیں کیوں غم ہو؟ جس کی چیز ہے - وہی اگر نقصان پسند کرتا
ہے تو اس کو حق ہے - ہاں اگر مالک کی مرضی کے خلاف تم کام
کرو - اور اس میں کسی چیز کا نقصان ہو تو بلاشبہ تم مجرم
ہو گے - کیونکہ دوسرے کے مال کو تم نے خراب کیا - تم خود اپنی
جان کے بھی مختار نہیں ہو - مالک کی مرضی کے مطابق جان
دو گے تو مالک کا حق ادا کرو گے - اس کے خلاف کام کرنے
میں جان دو گے تو یہ بے ایمانی ہو گی ؀

دوسری بات یہ ہے کہ مالک نے جو چیز تمہیں دی ہے
اس کو اگر تم مالک ہی کے کام میں صرف کرتے ہو تو کسی پر احسان
نہیں کرتے - نہ مالک پر احسان ہے نہ کسی اور پر - تم نے اگر
اس کی راہ میں کچھ دیا یا کچھ خدمت کی یا جان دے دی - جو
تمہارے نزدیک بہت بڑی چیز ہے - تب بھی کوئی احسان
کسی پر نہیں کیا - زیادہ سے زیادہ جو کام تم نے کیا - وہ
بس اتنا ہی تو ہے کہ مالک کا حق جو تم پر تھا - وہ تم نے

ادا کر دیا - یہ کون سی ایسی بات ہے - جس پہ کوئی پھولے یا فخر کرے اور یہ چاہے کہ اس کی تعریفیں کی جائیں اور یہ سمجھے کہ اس نے کوئی بڑا کام کیا ہے - جس پہ اس کی بڑائی تسلیم کی جائے - یاد رکھو کہ سچا مسلمان مالک کی راہ میں کچھ صرف کرنے یا کچھ خدمت کرنے کے بعد پھولتا نہیں ہے بلکہ خاکساری اختیار کرتا ہے - فخر کرنا کارِ خیر کو برباد کر دیتا ہے - تعریف کی خواہش جس نے کی اور اس کی خاطر کوئی کارِ خیر کیا - وہ خدا کے ہاں کسی اجر کا مستحق نہ رہا - کیونکہ اس نے اپنے کام کا معاوضہ دنیا ہی میں مانگا اور یہیں اس کو مِل گیا ؛

اپنے مالک کا احسان دیکھو کہ وہ اپنی چیز تم سے لیتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ یہ چیز میں نے تم سے خریدی اور اس کا معاوضہ میں تمہیں دوں گا - اللہ اکبر ! اس شانِ جود و کرم کا بھی کوئی ٹھکانا ہے - قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (یعنی اللہ نے ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں - اس معاوضہ میں کہ ان کے لئے جنت ہے) یہ تو مالک کا برتاؤ تمہارے ساتھ ہے -

اب ذرا اپنا برتاؤ بھی دیکھو - جو چیز مالک نے تم کو دی تھی ، اور جس کو مالک نے پھر تم سے معاوضہ دے کر خرید بھی لیا - اس کو تم غیروں کے ہاتھ بیچتے ہو - وہ مالک کی مرضی کے خلاف تم سے کام لیتے ہیں اور تم یہ سمجھ کر ان کی خدمت کرتے ہو کہ گویا رازق وہ ہیں - تم اپنے دماغ بیچتے ہو - اپنے ہاتھ پاؤں بیچتے ہو - جس کو خدا کے باغی خریدنا چاہتے ہیں - اس سے بڑھ کر بد اخلاقی اور کیا ہو سکتی ہے ؟ بیچی ہوئی چیز کو پھر بیچنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے - دنیا میں اس پہ دغا بازی اور فریب دہی کا مقدمہ چلایا جاتا ہے - کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا کی عدالت میں اس پہ مقدمہ نہیں چلایا جائے گا ؟

کلمہ طیّبہ اور کلمہ خبیثہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مجید میں کلمہ طیّبہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ م بِاِذْنِ رَبِّھَا وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ وَ مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ وَ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ۔

یعنی کلمۂ طیّبہ کی مثال ایسی ہے - جیسے کوئی اچھی ذات کا درخت ہو - جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہوں اور جس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہوں اور جو ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پہ پھل لائے چلا جاتا ہو - اس کے برعکس کلمۂ خبیثہ یعنی بُرا اعتقاد اور جھوٹا قول ایسا ہے - جیسے ایک بد ذات خودرو پودا کہ وہ بس زمین کے اُوپر ہی اُوپر ہوتا ہے، اور ایک اشارہ میں جڑ چھوڑ دیتا ہے - کیونکہ اس کی جڑ گہری جمی ہوئی نہیں ہوتی ؛

یہ ایسی بے نظیر مثال اللہ تعالیٰ نے دی ہے کہ اگر تم اس پر غور کرو - تو بڑا سبق اس میں تمہیں ملے گا - دیکھو! تمہارے سامنے ہی دونوں قسم کے درختوں کی مثالیں موجود ہیں - ایک تو یہ آم کا درخت ہے - کتنا گہرا جما ہُوا ہے - کتنی بلندی تک اُٹھا ہُوا ہے - کتنی اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں - کتنے اچھے پھل اس میں لگتے ہیں - یہ بات اِسے کیوں حاصل ہوئی ؟ اس لئے کہ اس کی گٹھلی زوردار تھی - اس کو درخت بننے کا حق حاصل تھا اور وہ حق اتنا سچا تھا کہ جب اس نے اپنے حق کا دعویٰ کیا - تو زمین نے ،

پانی نے، ہوا نے - دن کی گرمی نے اور رات کی ٹھنڈک نے
غرض ہر چیز نے اس کے حق کو تسلیم کیا اور اس نے جس سے
جو کچھ مانگا - ہر ایک نے وہ اس کو دیا - اس طرح وہ اپنے
حق کے زور سے اتنا بڑا درخت بن گیا اور اپنے میٹھے پھل
دے کر اس نے ثابت بھی کر دیا کہ حقیقت میں وہ اسی
قابل تھا کہ ایسا درخت بنے اور زمین و آسمان کی ساری
قوتوں نے مل کر اس کا ساتھ دیا تو کچھ بے جا نہیں کیا - بلکہ
ان کو ایسا کرنا ہی چاہیئے تھا - اس لئے کہ درختوں کو
غذا دینے اور بڑھانے اور پکانے کی جو طاقت زمین اور
پانی اور ہوا اور دوسری چیزوں کے پاس ہے وہ اسی
کام کے لئے تو ہے کہ اچھی ذات والے درخت کے کام
آئے ۔

اس کے مقابلہ میں یہ جھاڑ جھنکاڑ اور خود رو پودے
ہیں - ان کی بساط کیا ہے ؟ ذرا سی جڑ کہ ایک بچہ اکھاڑ
لے - نرم اور بودا اتنا کہ ہوا کے ایک جھونکے سے مڑ جائے -
ہاتھ لگاؤ تو کانٹے سے تمہاری خبر لیں - چکھو تو منہ کا مزا
خراب کر دیں - روز خدا جانے کتنے پیدا ہوتے ہیں اور کتنے

اُکھاڑے جاتے ہیں - ان کا یہ حال کیوں ہے - اِس لئے کہ ان کے پاس حق کا وہ زور نہیں جو آم کے پاس ہے - جب اعلیٰ ذات کے درخت نہیں لگتے تو زمین بے کار پڑے پڑے اُکتا جاتی ہے اور اِن پودوں کو اپنے اندر جگہ دیتی ہے - مگر زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ایسے پودوں کا حق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی - اِس لئے نہ زمین اپنے اندر اُن کی جڑیں پھیلنے دیتی ہے نہ پانی ان کو دل کھول کر غذا دیتا ہے اور نہ ہوا کچھ کھلے دِل سے ان کو پروان چڑھاتی ہے - پھر جب اتنی سی بساط پر یہ خبیث پودے بدمزہ، خاردار اور زہریلے بن کر اُٹھتے ہیں تو واقع میں ثابت ہو جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی طاقتیں ایسے پودے اُگانے کے لئے نہیں تھیں - ان کو اتنی زندگی بھی ملی تو بہت ملی ؛

ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھو اور پھر کلمۂ طیب اور کلمۂ خبیث کے فرق پر غور کرو ؛

کلمۂ طیب کیا ہے ایک سچّی بات ہے - ایسی سچّی بات کہ دنیا میں اس سے زیادہ سچّی بات کوئی نہیں ہو سکتی - سارے جہان کا خدا ایک ہے - اس چیز پر زمین اور آسمان کی ہر

چیز گواہی دے رہی ہے۔ یہ انسان یہ جانور۔ یہ درخت، یہ پتھر، یہ ریت کے ذرّے، یہ بہتا ہُوا دریا، یہ چمکتا ہُوا سورج، یہ ساری چیزیں جو ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے کونسی چیز ہے۔ جس کو اللہ کے سوا کسی اور نے پیدا کیا ہو۔ جو اللہ کے سوا کسی اور کی مہربانی سے زندہ و قائم رہ سکے۔ جس کو اللہ کے سوا کوئی اور فنا کر سکتا ہو؟ بس جب یہ سارا جہان اللہ کا پیدا کیا ہُوا ہے اور اللہ ہی کی عنایت سے قائم ہے اور اللہ ہی اس کا مالک اور حاکم ہے۔ تو جس وقت تم کہو گے کہ "اس جہان میں اس ایک اللہ کے سوا اور کسی کی خدائی نہیں ہے" تو زمین و آسمان کی ایک ایک چیز پکارے گی۔ کہ تو نے بالکل سچّی بات کہی۔ ہم سب تیرے اس قول کی صداقت پر گواہ ہیں۔ جب تم اس کے آگے سر جھکاؤ گے تو کائنات کی ہر چیز تمہارے ساتھ جھک جائے گی۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں بھی تو اسی کی عبادت گذار ہیں۔ جب تم اس کے فرمان کی پیروی کرو گے تو زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارا ساتھ دے گی۔ کیونکہ یہ سب بھی تو اسی خدا کے فرمانبردار ہیں۔ جب تم اس کی راہ

میں چلو گے تو اکیلے نہ ہو گے۔ بلکہ کائنات کا بے شمار لشکر تمہارے ساتھ چلے گا۔ کیونکہ آسمان کے سورج سے لے کر زمین کے حقیر ذرہ تک ہر چیز ہر آن اسی کی راہ میں تو چل رہی ہے۔ جب تم اس پر بھروسہ کرو گے تو کسی چھوٹی طاقت پر بھروسہ نہ کرو گے۔ بلکہ اس عظیم الشان طاقت پر بھروسہ کرو گے جو زمین و آسمان کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ غرض اس حقیقت پر جب تم نظر رکھو گے تو تم کو معلوم ہو گا کہ کلمہ طیبہ پر ایمان لا کر جو انسان اپنی زندگی کو اسی کے مطابق بنا لے گا۔ زمین و آسمان کی ساری طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ دُنیا سے لے کر آخرت تک وہ پھلتا اور پھولتا ہی چلا جائے گا اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی ناکامی اور نامرادی اس کے پاس نہ آئے گی۔ یہی چیز اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ کلمہ ایسا درخت ہے۔ جس کی جڑیں زمین میں جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان پر پھیلی ہوئی ہیں اور ہر وقت یہ خدا کے حکم سے پھل لاتا رہتا ہے ؛

اس کے مقابلہ میں کلمۂ خبیث کو دیکھو۔ کلمۂ خبیث کیا چیز ہے؟ یہ کہ اس جہان کا کوئی خدا نہیں۔ یا یہ کہ اس ایک

اللہ کے سوا کسی اَور کی خدائی بھی ہے - غور کرو - اس سے بڑھکر جھوٹی اور بے اصل بات اَور کیا ہوسکتی ہے؟ زمین وآسمان کی کون سی چیز اس پر گواہی دیتی ہے؟ دہریہ کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے - زمین وآسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو جھوٹا ہے - ہم کو اور تجھ کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور اسی خدا نے تجھ کو وہ زبان دی ہے جس سے تو یہ جھوٹ بک رہا ہے - مشرک کہتا ہے کہ خدائی میں دوسرے بھی اللہ کے شریک ہیں دوسرے بھی رازق ہیں - دوسرے بھی مالک ہیں - دوسرے بھی فائدہ اور نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں - دوسرے بھی دعائیں سننے والے ہیں - دوسرے بھی ڈرنے کے لائق ہیں دوسرے بھی بھروسہ کرنے کے قابل ہیں - اس خدا کی خدائی میں دوسروں کا حکم بھی چلتا ہے - ان کا فرمان اور ان کا قانون بھی پیروی کے لائق ہے - اس کے جواب میں زمین و آسمان کی ہر چیز کہتی ہے کہ تو بالکل جھوٹا ہے - ہر ہر بات جو تو کہہ رہا ہے - یہ حقیقت کے خلاف ہے - اب غور کرو کہ یہ کلمہ جو شخص اختیار کرے گا اور اس کے مطابق جو شخص زندگی بسر کرے گا - دنیا و آخرت میں وہ کیونکر پھل پھول سکتا ہے؟

اللہ نے اپنی مہربانی سے ان لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے۔ اور رزق کا وعدہ اس نے کیا ہے۔ اس لئے زمین اور آسمان کی طاقتیں کسی نہ کسی طرح اس کو بھی پرورش کریں گی جس طرح وہ جھاڑ جھنکاڑ اور خودرو پودوں کو بھی آخر پرورش کرتی ہیں لیکن کائنات کی کوئی چیز بھی اس کا حق سمجھ کر اس کا ساتھ نہ دے گی اور نہ پوری طاقت کے ساتھ اس کی مدد کرے گی۔ وہ انہی خودرو درختوں کی طرح ہوگا۔ جن کی مثال ابھی آپ کے سامنے بیان ہوئی ہے ؛

یہی فرق دونوں کے پھلوں میں ہے۔ کلمۂ طیّب جب کبھی پھلے گا۔ اس سے میٹھے اور مفید پھل ہی پیدا ہوں گے۔ دُنیا میں اس سے امن قائم ہوگا۔ نیکی اور سچائی اور انصاف کا بول بالا ہوگا۔ اور خلقِ خدا اس سے فائدہ ہی اُٹھائے گی۔ مگر کلمۂ خبیث کی جتنی پرورش ہوگی۔ اس سے خار دار شاخیں ہی نکلیں گی۔ اس میں کڑوے کسیلے پھل ہی آئیں گے۔ اس کی رگ رگ میں زہر ہی بھرا ہوا ہوگا۔ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ جہاں کفر اور شرک اور دہریت کا زور ہے فساد کیا ہو رہا ہے ؟ آدمی کو آدمی پھاڑے کھا رہا ہے۔ آبادیوں

کی آبادیاں تباہ کی جا رہی ہیں۔ زہریلی گیسیں بن رہی ہیں ایک قوم دوسری قوم کو برباد کرنے پر تُلی ہوتی ہے۔ جو طاقتور ہے۔ وہ کمزور کو غلام بناتا ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کے حصے کی روٹی چھین کر کھا جائے اور جو کمزور ہے وہ فوج اور پولیس اور جیل اور پھانسی کے زور سے دب کر رہنے اور طاقتور کا ظلم سہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر ان قوموں کی اندرونی حالت کیا ہے؟ اخلاق بد سے بدتر ہیں۔ جن پر شیطان بھی شرمائے۔ انسان وہ کام کر رہا ہے۔ جو جانور بھی نہیں کرتے۔ مائیں اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرتی ہیں کہ کہیں یہ بچے اُن کے عیش میں خلل نہ ڈال دیں۔ شوہر اپنی بیویوں کو خود غیروں کی بغل میں دیتے ہیں۔ تاکہ ان کی بیویاں اُن کی بغل میں آئیں۔ ننگوں کے کلب بنائے جاتے ہیں جن میں مرد اور عورت جانوروں کی طرح برہنہ ایک دوسرے کے سامنے پھرتے ہیں۔ امیر سود کے ذریعہ سے غریب لوگوں کا خون چوس لیتے ہیں کہ گویا وہ ان کے غلام ہیں اور صرف اُن کی خدمت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ غرض اس کلمۂ خبیث سے جو پودا بھی جہاں پیدا ہوا۔ کانٹوں سے بھرا ہوا ہے اور

جو پھل بھی اس میں لگتا ہے۔ کڑوا اور زہر یلا ہی ہوتا ہے ؛
اللہ تعالیٰ اِن دونوں مثالوں کو بیان فرمانے کے بعد آخر
میں فرماتا ہے کہ:- یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ
فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ
یعنی کلمۂ طیب پر جو لوگ ایمان لائیں گے۔ اللہ اُن کو ایک
مضبوط قول کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں میں ثبات اور
جماؤ بخشے گا۔ اور اُن کے مقابلہ میں وہ ظالم لوگ جو کلمہ خبیث
کو مانیں گے۔ اللہ ان کی ساری کوششوں کو بھٹکا دے گا۔
وہ کبھی کوئی سیدھا کام نہ کریں گے۔ جس سے دنیا یا آخرت
میں کوئی اچھا پھل پیدا ہو ؛

کلمۂ طیّبہ اور کلمۂ خبیثہ کا فرق اور دونوں کے نتیجے تم نے سُن
لئے۔ اب تم یہ سوال ضرور کرو گے کہ ہم تو کلمۂ طیبہ کے ماننے والے
ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ ہم نہ پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں اور کفّار
جو کلمۂ خبیثہ کے ماننے والے ہیں۔ یہ کیوں پھل پھول رہے ہیں ؛

اس کا جواب میرے ذمّہ ہے اور میں جواب دوں گا۔ بشرطیکہ
کوئی میرے جواب پر بُرا نہ مانے۔ بلکہ اپنے دل سے پوچھے کہ
میرا جواب واقعی صحیح ہے یا نہیں ؛

اول تو آپ کا یہ کہنا غلط ہے کہ آپ کلمۂ طیبّہ کو مانتے ہیں
اور پھر بھی نہ پھلتے ہیں نہ پھولتے ہیں۔ کلمۂ طیبہ کو ماننے کے
معنی زبان سے کلمہ پڑھنے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی دل
سے ماننے کے ہیں اور اس طرح ماننے کے ہیں کہ اس کے
خلاف کوئی عقیدہ آپ کے دِل میں نہ رہے اور اس کے خلاف
کوئی کام آپ سے ہو نہ سکے۔ خدارا مجھے بتاؤ کہ تمہارا حقیقت
میں یہی حال ہے؟ کیا سینکڑوں ایسے مشرکانہ اور کافرانہ
خیالات تم میں نہیں پھیلے ہوئے ہیں۔ جو کلمۂ طیبہ کے بالکل
خلاف ہیں؟ کیا مسلمان کا سر خدا کے سوا دوسروں کے
آگے نہیں جھک رہا ہے؟ کیا مسلمان دوسروں سے خوف
نہیں کرتا؟ کیا وہ دوسروں کی مدد پر بھروسہ نہیں کرتا؟ کیا
وہ دوسروں کو رازق نہیں سمجھتا؟ کیا وہ خدا کے قانون کو
چھوڑ کر دوسروں کے قانون کی خوشی خوشی پیروی نہیں کرتا؟
کیا اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے عدالتوں میں جا کر یہ صاف
نہیں کہتے کہ ہم شرع کو نہیں مانتے بلکہ رسم و رواج کو مانتے
ہیں؟ کیا تم میں ایسے لوگ موجود نہیں ہیں۔ جن کو دنیوی فائدوں
کے لیے خدا کے قانون کی کسی دفعہ کو توڑنے میں ذرا تامل نہیں

ہوتا؟ کیا تم میں وہ لوگ موجود نہیں ہیں۔ جن کو کفارہ کے غضب کا ڈر ہے۔ مگر خدا کے غضب کا ڈر نہیں؟ جو کفارہ کی نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا کی نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟ جو کفارہ کی حکومت کو حکومت سمجھتے ہیں اور خدا کی حکومت کے متعلق انہیں کبھی یاد بھی نہیں آتا کہ وہ بھی کہیں موجود ہے؟ خدارا، سچ بتاؤ کہ یہ واقعہ نہیں ہے؟ اگر یہ واقعہ ہے تو پھر کس منہ سے تم کہتے ہو کہ ہم کلمۂ طیّبہ کے ماننے والے ہیں اور اس کے باوجود ہم نہیں پھولتے پھلتے؟ پہلے سچّے دل سے ایمان لاؤ اور کلمۂ طیّبہ کے مطابق زندگی اختیار کرو۔ پھر اگر وہ درخت نہ پیدا ہو جو زمین میں گہری جڑوں کے ساتھ جمنے والا اور آسمان تک چھا جانے والا ہے تو معاذاللہ، معاذاللہ اپنے خدا کو جھوٹا سمجھ لینا کہ اس نے تمہیں غلط بات کا اطمینان دلایا۔

پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جو کلمۂ خبیثہ کو مانتے ہیں وہ واقعی دنیا میں پھل پھول رہے ہیں۔ کلمۂ خبیثہ کو ماننے والے نہ کبھی پھولے پھلے ہیں نہ آج پھل پھول رہے ہیں۔ تم دولت

کی کثرت، عیش و عشرت کے اسباب اور ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر سمجھتے ہو کہ وہ پھل پھول رہے ہیں۔ مگر ان کے دلوں کو پوچھو کتنے ہیں جن کو اطمینانِ قلب میسّر ہے؟ ان کے اوپر عیش کے سامان لدے ہوئے ہیں مگر اُن کے دلوں میں آگ کی بھٹیاں سلگ رہی ہیں۔ جو ان کو کسی وقت بھی چین نہیں لینے دیتیں۔ خدا کے قانون کی خلاف ورزی نے ان کے گھروں کو دوزخ بنا رکھا ہے۔ اخباروں میں دیکھو کہ یورپ اور امریکہ میں خودکشی کا کتنا زور ہے۔ طلاق کی کیسی کثرت ہے نسلیں کس طرح گھٹ رہی ہیں اور گھٹائی جا رہی ہیں۔ امراض خبیثہ نے کس طرح لاکھوں انسانوں کی زندگیاں تباہ کر دی ہیں۔ مختلف طبقوں کے درمیان روٹی کے لئے کیسی سخت کشمکش برپا ہے۔ حسد اور بغض اور دشمنی نے کس طرح ایک ہی جنس کے آدمیوں کو آپس میں لڑا رکھا ہے۔ عیش پسندی نے لوگوں کے لئے زندگی کو کس قدر تلخ بنا دیا ہے اور یہ بڑے بڑے عظیم الشان شہر جن کو دُور سے دیکھ کر آدمی رشکِ جنت سمجھتا ہے۔ اِن کے اندر لاکھوں انسان کس مصیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا

اسی کو پھلنا اور پھولنا کہتے ہیں ؟ کیا یہی وہ جنّت ہے جس پر تم رشک کی نگاہیں ڈالتے ہو ؟

یاد رکھو کہ خدا کا قول کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حقیقت میں کلمۂ طیّبہ کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں۔ جس کی پیروی کر کے انسان کو دنیا میں راحت اور آخرت میں سرخروئی حاصل ہو سکے۔ تم جس طرف چاہو نظر دوڑا کر دیکھ لو۔ اس کے خلاف تم کو کہیں کوئی چیز نہ مل سکے گی ٭

کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کا مقصد

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ آدمی دنیا میں جو کام بھی کرتا ہے کسی نہ کسی غرض اور کسی نہ کسی فائدے کے لئے کرتا ہے۔ بے غرض، بے مقصد، بے فائدہ کوئی کام نہیں کیا کرتا۔ آپ پانی کیوں پیتے ہیں؟ اِس لئے کہ پیاس بجھے۔ اگر پانی پینے کے بعد بھی آپ کا وہی حال رہے جو پانی پینے سے پہلے ہوتا ہے تو آپ ہرگز پانی نہ پئیں۔ کیونکہ یہ ایک بے نتیجہ کام ہوگا۔ آپ کھانا کیوں کھاتے ہیں۔ اِس لئے کہ بھوک رفع ہو۔ اور آپ میں زندہ رہنے کی طاقت پیدا ہو۔ اگر کھانا کھانے اور نہ کھانے کا نتیجہ ایک ہی ہو تو آپ ہی کہیں گے کہ یہ بالکل ایک فضول کام ہے۔ بیماری میں آپ دوا کیوں پیتے ہیں؟ اس لئے کہ بیماری دُور ہو جائے اور تندرستی حاصل ہو۔ اگر دوا

بی کہ بھی بیمار کا وہی حال ہو جو دوا پینے سے پہلے تھا۔ تو آپ
یہی کہیں گے کہ ایسی دوا پینا بیکار ہے۔ زراعت میں آپ
اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ زمین سے غلہ اور پھل
اور ترکاریاں پیدا ہوں۔ اگر بیج بونے پر بھی زمین سے کوئی چیز
نہ اُگتی۔ تو آپ ہل چلانے اور تخم ریزی کرنے اور پانی دینے میں
اتنی محنت ہرگز نہ کرتے۔ غرض آپ دنیا میں جو کام بھی کرتے
ہیں۔ اس میں ضرور کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اگر مقصد حاصل
ہو تو آپ کہتے ہیں کام ٹھیک ہوا۔ اگر مقصد حاصل نہ ہو۔ تو
آپ کہتے ہیں کام ٹھیک نہیں ہوا ؛

اس بات کو ذہن میں رکھئے۔ اور میرے ایک ایک سوال
کا جواب دیتے جائیے۔ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کلمہ کیوں
پڑھا جاتا ہے؟ اس کا جواب آپ اس کے سوا اور کچھ نہیں
دے سکتے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں فرق
ہو جائے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ فرق ہونے کا کیا مطلب
ہے۔ کیا یہ کہ کافر کی دو آنکھیں ہوتی ہیں اور مسلمان کی چار
آنکھیں ہو جائیں؟ یا کافر کا ایک سر ہوتا ہے اور مسلمان
کے دو سر ہو جائیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کا یہ مطلب نہیں

ہے۔ فرق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان
کے انجام میں فرق ہو۔ کافر کا انجام یہ ہے کہ آخرت میں وہ خدا
کی رحمت سے محروم ہو جائے۔ اور ناکام و نامراد رہے اور
مسلمان کا انجام یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی اسے حاصل ہو
اور آخرت میں وہ کامیاب اور بامراد رہے ؁

میں کہتا ہوں کہ یہ جواب آپ نے بالکل ٹھیک دیا۔ مگر
مجھے یہ بتائیے کہ آخرت کیا چیز ہے؟ آخرت کی ناکامی و
نامرادی سے کیا مطلب ہے؟ اور وہاں کامیاب اور بامراد
ہونے کا مطلب کیا ہے؟ جب تک میں اس بات کو نہ سمجھ
لوں۔ اس وقت تک آگے نہیں بڑھ سکتا ؁

اس سوال کا جواب آپ کو دینے کی ضرورت نہیں۔
اسکا جواب پہلے ہی دیا جا چکا ہے کہ اَلدُّنیا مَزرَعَۃُ الاٰخِرَۃِ
یعنی دنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک
ہی سلسلہ ہے جس کی ابتدا دنیا ہے اور انتہا آخرت ہے
ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو کھیتی اور فصل میں ہوتا ہے
آپ زمین میں ہل جوتتے ہیں۔ پھر بیج بوتے ہیں۔ پھر پانی
دیتے ہیں۔ پھر کھیتی کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ جہاں

تک کہ فصل تیار ہو جاتی ہے اور اس کو کاٹ کر آپ سال بھر تک مزے سے کھاتے رہتے ہیں - آپ زمین میں جس چیز کی کاشت کریں گے - اسی کی فصل تیار ہو گی - گیہوں بوئیں گے تو گیہوں پیدا ہو گا - کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی پیدا ہوں گے - کچھ نہ بوئیں گے تو کچھ نہ پیدا ہو گا - ہل چلانے - بیج بونے اور پانی دینے اور کھیتی کی رکھوالی کرنے میں جو جو غلطیاں اور کوتاہیاں آپ سے ہوں گی - ان سب کا برا اثر آپ کو فصل کاٹنے کے موقع پر معلوم ہو گا اور اگر آپ نے یہ سب کام اچھی طرح کئے ہیں تو انکا فائدہ بھی آپ فصل ہی کاٹنے کے وقت دیکھیں گے - بالکل یہی حال دنیا و آخرت کا ہے - دنیا ایک کھیتی ہے - اس کھیتی میں آدمی کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اپنی محنت اور اپنی کوشش سے اپنے لئے فصل تیار کرے - پیدائش سے لیکر موت تک کیلئے آدمی کو اس کام کی مہلت دی گئی ہے - اس مہلت میں جیسی فصل آدمی نے تیار کی ہے - ویسی ہی فصل وہ موت کے بعد دوسری زندگی میں کاٹے گا اور پھر جو فصل وہ کاٹے گا - اسی پر آخرت کی زندگی میں اسکا گذر بسر ہو گا - اگر کسی نے عمر بھر دنیا کی کھیتی میں اچھے پھل بوئے اور انکو خوب پانی دیا ہے

اور ان کی خوب رکھوالی کی ہے تو آخرت کی زندگی میں جب وہ قدم رکھیگا۔ محنت کی کمائی ایک سرسبز و شاداب باغ کی صورت میں تیار پائے گا اور اسے اپنی اس دوسری زندگی میں پھر کوئی محنت نہ کرنی پڑے گی۔ بلکہ دنیا میں عمر بھر محنت کرکے جو باغ اس نے لگایا تھا۔ اسی باغ کے پھلوں پر وہ آرام سے زندگی بسر کریگا۔ اسی چیز کا نام جنت ہے۔ اور آخرت میں بامراد ہونے کا یہی مطلب ہے۔ اس کے مقابلہ میں جو شخص اپنی دنیا کی زندگی میں کانٹے اور کڑوے کسیلے زہریلے پھل بوتا رہا ہے۔ آخرت کی زندگی میں انہی کی فصل اسے تیار ملے گی۔ وہاں پھر اس کو دوبارہ ایسا موقع نہیں ملے گا۔ کہ اپنی اس حماقت کی تلافی کر سکے اور اس خراب فصل کو جلا کر دوسری اچھی فصل تیار کر سکے۔ پھر تو اس کو آخرت کی ساری زندگی اسی فصل پر بسر کرنی ہوگی۔ جسے وہ دنیا میں تیار کر چکا ہے۔ جو کانٹے اس نے بوئے تھے۔ انہی کے بستر پر اسے لیٹنا ہوگا۔ اور جو کڑوے کسیلے زہریلے پھل اس نے لگائے تھے۔ وہی اس کو کھانے پڑیں گے۔ یہی مطلب ہے آخرت میں ناکام و نامراد ہونے کا ❊

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ مسلمان اور کافر کے انجام کا فرق یونہی بلا وجہ نہیں ہو جاتا - دراصل انجام کا فرق آغاز ہی کے فرق کا نتیجہ ہے - جب تک دنیا میں مسلمان اور کافر کے علم و عمل کے درمیان فرق نہ ہوگا - آخرت میں بھی ان دونوں کے انجام کے درمیان فرق نہیں ہو سکتا - یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ دنیا میں ایک شخص کا علم اور عمل وہی ہو جو کافر کا علم اور عمل ہے اور پھر آخرت میں وہ اس انجام سے بچ جائے - جو کافر کا انجام ہوتا ہے ؛

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد کیا ہے ؟ پہلے آپ نے اسکا جواب یہ دیا تھا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر کے انجام اور مسلمان کے انجام میں فرق ہو - اب انجام اور آخرت کی جو تشریح آپ نے سُنی ہے - اس کے بعد آپ کو اپنے جواب پر پھر غور کرنا ہوگا - اب آپ کو یہ کہنا پڑیگا کہ کلمہ پڑھنے کا مقصد دنیا میں انسان کے علم اور عمل کو درست کرنا ہے تاکہ آخرت میں اسکا انجام درست ہو - یہ کلمہ انسان کو دنیا میں وہ باغ لگانا سکھاتا ہے - جس کے پھل آخرت

ہیں اس کو توڑتے ہیں۔ اگر آدمی اس کلمہ کو نہیں مانتا تو اس کو باغ لگانے کا طریقہ ہی معلوم نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ باغ لگائیگا کس طرح، اور آخرت میں پھل کس چیز کے توڑے گا؟ اور اگر آدمی اس کلمہ کو زبان سے پڑھ لیتا ہے۔ مگر اس کا علم بھی وہی رہتا ہے جو نہ پڑھنے والے کا علم تھا اور اس کا عمل بھی ویسا ہی رہتا ہے جیسا کافر کا عمل تھا۔ تو آپ کی عقل خود کہہ دے گی کہ ایسا کلمہ پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شخص کا انجام کافر کے انجام سے مختلف ہو زبان سے کلمہ پڑھ کہ اس نے خدا پر کوئی احسان نہیں کیا ہے کہ باغ لگانے کا طریقہ بھی وہ نہ سیکھے۔ باغ لگائے بھی نہیں۔ ساری عمر کانٹے ہی بوتا رہے اور پھر بھی آخرت میں اس کو پھلوں سے لدا ہوا لہلہاتا باغ مل جائے۔ جیسا کہ میں پہلے کئی مثالیں دے کر بیان کر چکا ہوں۔ جس کام کے کرنے اور نہ کرنے کا نتیجہ ایک ہو۔ وہ کام فضول اور بے معنی ہے جس دوا کو پینے کے بعد بھی مریض کا وہی حال رہے جو پینے سے پہلے تھا۔ وہ دوا حقیقت میں دوا ہی نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اگر کلمہ پڑھنے والے آدمی کا علم اور عمل بھی وہی کا وہی رہے

جو کلمہ نہ پڑھنے والے کا ہوتا ہے تو ایسا کلمہ پڑھنا محض بے معنی ہے - جب دنیا ہی میں کافر اور مسلم کی زندگی میں فرق نہ ہوا تو آخرت میں اُن کے انجام میں فرق کیسے ہو سکتا ہے ؟

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ کون سا علم ہے - جو کلمہ طیبہ انسان کو سکھاتا ہے اور اس علم کو سیکھنے کے بعد مسلمان کے عمل اور کافر کے عمل میں کیا فرق ہونا چاہیئے ۔ دیکھیئے پہلی بات جو اس کلمہ سے آپ کو معلوم ہوتی ہے - وہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں اور کسی کے بندے نہیں ہیں - دنیا میں آپ کو اس کی مرضی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے - کیونکہ اس کی مرضی کے خلاف اگر آپ چلیں گے تو یہ اپنے مالک سے بغاوت ہوگی - اس علم کے بعد دوسرا علم آپ کو کلمہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں - یہ بات جب آپ کو معلوم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی آپ کو خود بخود معلوم ہو گئی کہ اللہ کے رسول نے دُنیا کی کھیتی میں کانٹوں اور زہریلے پھلوں کے بجائے پھولوں اور میٹھے پھلوں کا باغ لگانا جس طرح سکھایا ہے - اُسی طرح آپ کو باغ لگانا چاہیئے - اگر آپ اسی طریقہ کی پیروی

کریں گے تو آخرت میں آپ کو اچھی فصل ملے گی اور اگر اس کے خلاف عمل کریں گے تو دنیا میں کانٹے بوئیں گے اور آخرت میں کانٹے ہی پائیں گے ؂

یہ علم حاصل ہونے کے بعد لازم ہے کہ آپ کا عمل بھی اس علم کے مطابق ہو۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ ایک دن مرنا ہے اور مرنے کے بعد پھر ایک دوسری زندگی ہے اور اس زندگی میں آپ کو اسی فصل پر گذر کرنا ہو گا جسے آپ زندگی میں تیار کر کے جائیں گے۔ تو پھر یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کر سکیں۔ دنیا میں آپ کھیتی باڑی کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے کہ آپ کو یقین ہے کہ اگر کھیتی باڑی نہ کی تو غلّہ پیدا نہ ہو گا اور غلّہ پیدا نہ ہوا تو بھوکے مر جائیں گے۔ اگر آپ کو اس بات کا یقین نہ ہوتا اور آپ یہ سمجھتے کہ کھیتی باڑی کے بغیر ہی غلّہ پیدا ہو جائے گا یا غلّہ کے بغیر بھی آپ بھوک سے بچ جائیں گے تو ہرگز آپ کھیتی باڑی میں یہ محنت نہ کرتے۔ بس اسی پر اپنے حال کو بھی قیاس کر لیجئے۔ جو شخص زبان سے کہتا ہے کہ خدا کو میں اپنا

مالک اور رسولِ پاک کو خدا کا رسول مانتا ہوں اور آخرت کی زندگی کو بھی مانتا ہوں۔ مگر عمل اس کا قرآن کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ درحقیقت اس کا ایمان کمزور ہے اس کو جیسا یقین اپنی کھیتی میں کاشت نہ کرنے کے برے انجام کا ہے۔ اگر ویسا ہی یقین آخرت کی فصل تیار نہ کرنے کے برے انجام کا بھی ہو تو وہ کبھی اس کام میں غفلت نہ کرے۔ کوئی شخص جان بوجھ کر اپنے حق میں کانٹے نہیں بوتا۔ کانٹے وہی بوتا ہے۔ جسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ جو چیز بو رہا ہے۔ اس سے کانٹے پیدا ہوں گے اور وہ کانٹے اس کو تکلیف دیں گے۔ آپ جان بوجھ کر اپنے ہاتھ میں آگ کا انگارا نہیں اُٹھاتے۔ کیونکہ آپ کو یقین ہے کہ یہ جلا دے گا۔ مگر ایک بچہ آگ میں ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ اُسے اچھی طرح معلوم نہیں ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا ۔

مسلمان کِسے کہتے ہیں؟

اب میں آپ کے سامنے مسلمان کی صفات بیان کرونگا یعنی یہ بتاؤں گا کہ مسلمان ہونے کے لئے کم سے کم شرطیں کیا ہیں؟ آدمی کو کم از کم کیا ہونا چاہیئے کہ مسلمان کہلائے جانے کے قابل ہو۔

اِس بات کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے آپ کو یہ جاننا چاہیئے کہ کفر کیا ہے اور اسلام کیا ہے۔ کفر یہ ہے کہ آدمی خدا کی فرمانبرداری سے انکار کر دے اور اسلام یہ ہے کہ آدمی صرف خدا کا فرمانبردار ہو اور ہر ایسے طریقے یا قانون یا حکم کو ماننے سے انکار کر دے۔ جو خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت کے خلاف ہو۔ اسلام اور کفر کا یہ فرق قرآن مجید میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ ۷)

یعنی جو شخص خدا کی اتاری ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ کرے ایسے ہی لوگ دراصل کافر ہیں ؂

فیصلہ کرنے سے یہ مراد نہیں کہ عدالت میں جو مقدمہ جائے۔ بس اسی کا فیصلہ خدا کی کتاب کے مطابق ہو۔ بلکہ دراصل فیصلہ سے مراد وہ فیصلہ ہے جو ہر شخص اپنی زندگی میں ہر وقت کیا کرتا ہے۔ ہر موقعہ پہ تمہارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ فلاں کام کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ فلاں بات اس طرح کی جائے یا اس طرح کی جائے؟ فلاں معاملہ میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے یا وہ طریقہ اختیار کیا جائے؟ ایسے تمام موقعوں پہ ایک طریقہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت بتاتی ہے اور دوسرا طریقہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات یا باپ دادا کی رسمیں یا انسانوں کے بنائے ہوئے قانون بتاتے ہیں۔ اب جو شخص خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقہ کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ وہ دراصل کفر کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اگر اس نے اپنی ساری زندگی ہی کے لئے یہی ڈھنگ اختیار

اس پر عمل کرو - ہر معاملہ میں یہ دیکھو کہ خدا کا کیا حکم ہے - یہ نہ دیکھو کہ تمہارا اپنا دل کیا کہتا ہے - تمہاری عقل کیا کہتی ہے - باپ دادا کیا کر گئے ہیں - خاندان اور قبیلہ والوں کی کیا مرضی ہے - جناب مولوی صاحب قبلہ اور جناب پیر صاحب قبلہ کیا فرماتے ہیں اور فلاں صاحب کا کیا حکم ہے اور فلاں صاحب کی کیا مرضی ہے - اگر تم نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر کسی کی بات بھی مانی تو گویا خدائی میں اس کو شریک کیا - اس کو وہ درجہ دیا جو صرف خدا کا درجہ ہے - حکم دینے والا تو صرف خدا ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ بندگی کے لائق تو صرف وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور جس کے بل بوتے پر تم زندہ ہو زمین اور آسمان کی ہر چیز اسی کی اطاعت کر رہی ہے - کوئی پتھر کسی پتھر کی اطاعت نہیں کرتا - کوئی درخت کسی درخت کی اطاعت نہیں کرتا کوئی جانور کسی جانور کی اطاعت نہیں کرتا - پھر کیا تم جانوروں اور درختوں اور پتھروں سے بھی گئے گذرے ہو گئے کہ وہ تو صرف خدا کی اطاعت کریں اور تم خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی اطاعت کرو؟ یہ ہے وہ بات جو قرآن کی ان دونوں آیتوں میں بیان فرمائی گئی ہے ؛

اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ کفر اور گمراہی در اصل نکلتی کہاں سے ہے۔ قرآن مجید ہم کو بتاتا ہے کہ اس کم بخت بلا کے آنے کے تین راستے ہیں:۔

پہلا راستہ انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (القصص ۵)

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جس نے خدا کی ہدایت کے بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کی۔ ایسے ظالم لوگوں کو خدا ہدایت نہیں دیتا"

مطلب یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر انسان کو گمراہ کرنیوالی چیز انسان کے اپنے نفس کی خواہشات ہیں۔ جو شخص خواہشات کا بندہ بن گیا۔ اس کے لئے خدا کا بندہ بننا ممکن ہی نہیں وہ تو ہر وقت یہ دیکھے گا کہ مجھے روپیہ کس کام میں ملتا ہے، میری عزت اور شہرت کس کام میں ہوتی ہے۔ مجھے لذت اور لطف کس کام میں حاصل ہوتا ہے۔ مجھے آرام اور آسائش کس کام میں ملتی ہے۔ بس یہ چیزیں جس کام میں ہونگی اسی کو وہ اختیار کرے گا۔ چاہے خدا اس سے منع کرے اور یہ

چیزیں جس کام میں نہ ہوں - اس کو وہ ہرگز نہ کریگا - چاہے خدا اس کا حکم دے تو ایسے شخص کا خدا اللہ تبارک و تعالیٰ نہ ہوا - اسکا اپنا نفس ہی اس کا خدا ہو گیا - اسکو ہدایت کیسے مِل سکتی ہے؟ اس بات کو دوسری جگہ قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے :-

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝

یعنی "اے نبی! تم نے اس شخص کے حال پر غور بھی کیا - جس نے اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ تم کیا ایسے شخص کی نگرانی کر سکتے ہو کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے بہت سے لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں یہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے"

نفس کے بندے کا جانوروں سے بدتر ہونا ایسی بات ہے جس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے - کوئی جانور آپ کو ایسا نہ ملیگا - جو خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھتا ہو - ہر جانور وہی چیز کھاتا ہے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کی ہے - اسی قدر کھاتا ہے - جس قدر اس کے لئے مقرر کی ہے اور جتنے کام جس جانور

کے لئے مقرر ہیں۔ بس وہ اتنے ہی کرتا ہے مگر یہ انسان ایسا جانور ہے کہ جب یہ اپنی خواہش کا بندہ بنتا ہے تو وہ حرکتیں کر گذرتا ہے۔ جن سے شیطان بھی پناہ مانگے ؛

یہ تو گمراہی کے آنے کا پہلا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو رسم و رواج، جو عقیدے اور خیالات، جو رنگ ڈھنگ چلے آرہے ہوں۔ آدمی انکا غلام بن جائے اور خدا کے حکم سے بڑھ کر ان کو سمجھے اور اگر ان کے خلاف خدا کا حکم اس کے سامنے پیش کیا جائے تو کہے کہ میں تو وہی کرونگا جو میرے باپ دادا کرتے تھے اور جو میرے خاندان اور قبیلہ کا رواج ہے۔ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہے وہ خدا کا بندہ کب ہوا؟ اس کے خدا تو اس کے باپ دادا اور اس کے خاندان اور اس کے قبیلے کے لوگ ہیں۔ اس کو یہ جھوٹا دعویٰ کرنے کا کیا حق ہے کہ میں مسلمان ہوں؟ قرآن کریم میں اس پر بھی بڑی سختی کے ساتھ تنبیہ کی گئی ہے :-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا	اور جب کبھی ان سے کہا گیا کہ جو حکم
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ	خدا نے بھیجا ہے اس کی پیروی کرو تو
نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ	انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس بات

اٰبَآءُنَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ - ۲۱)

کی پیروی کریں گے جو ہمیں باپ دادا سے ملی ہے - اگر ان کے باپ دادا کسی بات کو نہ سمجھتے ہوں تو کیا یہ پھر بھی انہی کی پیروی کئے چلے جائیں گے ؟

دوسری جگہ فرمایا :-

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ ج لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ ؕ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ

اور جب کبھی ان سے کہا گیا کہ آؤ اس فرمان کی طرف جو خدا نے بھیجا ہے اور آؤ رسول کے طریقہ کی طرف تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے تو بس وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے - کیا یہ باپ دادا ہی کی پیروی کئے چلے جائیں گے - چاہے انکو کسی بات کا علم نہ ہو اور وہ سیدھے راستے پر نہ ہوں ؟ اے ایمان لانے والو! تم کو تو اپنی فکر ہونی چاہیئے - اگر تم سیدھے راستے پر لگ جاؤ تو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہیں کوئی

تَعْمَلُوْنَ ط   نقصان نہ ہوگا۔ پھر آخرکار سب کو

(المائدہ - ۱۴)   خدا کی طرف واپس جانا ہے اسوقت

خدا تم کو تمہارے اعمال کا نیک و بد سب دکھا دیگا ❊

یہ ایسی گمراہی ہے۔ جس میں تقریباً ہر زمانے کے جاہل لوگ مبتلا رہے ہیں اور ہمیشہ خدا کے رسولوں کی ہدایت کو ماننے سے یہی چیز انسان کو روکتی رہی ہے۔ حضرت موسیٰ نے جب لوگوں کو خدا کی شریعت کی طرف بلایا تھا۔ اسوقت بھی لوگوں نے یہی کہا تھا۔

اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا   "کیا تو ہمیں اس راستہ سے ہٹانا

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا   چاہتا ہے۔ جس پر ہم نے اپنے

(یونس - ۸)   باپ دادا کو پایا ہے"

حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے قبیلے والوں کو شرک سے روکا تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا:-

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا   "ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو انہی خداؤں

عَابِدِيْنَ ٥ (الانبیاء - ۵)   کی بندگی کرتے ہوئے پایا ہے"

غرض اسی طرح ہر نبی کے مقابلہ میں لوگوں نے یہی حجت پیش کی ہے کہ تم جو کہتے ہو یہ ہمارے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم اسے نہیں مانتے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(الزخرف - ۲)

یعنی " ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ جب کبھی ہم نے کسی بستی میں کسی ڈرانے والے یعنی پیغمبر کو بھیجا تو اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ پیغمبر نے ان سے کہا کہ اگر میں اس سے بہتر بات بتاؤں۔ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ تو کیا پھر بھی تم باپ دادا ہی کی پیروی کئے جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے۔ جو تم لے کر آئے ہو۔ بس جب انہوں نے یہ جواب دیا تو ہم نے بھی ان کو خوب سزا دی اور اب دیکھ لو کہ ہمارے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔

یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا تو باپ دادا ہی کی پیروی کر لو یا پھر ہمارے ہی حکم کی پیروی

کرو۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ نہیں ہوسکتیں مسلمان ہونا چاہتے ہو تو سب کچھ چھوڑ کر اس بات کو مانو جو ہم نے بتائی ہے

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا ط أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ○ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُۥٓ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ط وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ○ وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُۥ ط إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ط

(لقمان ۳۰)

یعنی جب ان سے کہا گیا کہ اس حکم کی پیروی کرو جو خدا نے بھیجا ہے تو انہوں نے کہا کہ "نہیں ہم تو اس طریقہ کی پیروی کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے" چاہے شیطان انکو عذاب جہنم ہی کی طرف کیوں نہ بلا رہا ہو۔ جو کوئی اپنے آپ کو بالکل خدا کے سپرد کردے اور نیکوکار ہو اس نے تو مضبوط رسی تھام لی اور آخر کار تمام معاملات خدا کے ہاتھ میں ہیں اور جس نے اس سے انکار کیا تو اے نبی تم کو اس کے کفر سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں وہ سب ہماری طرف واپس آنیوالے ہیں۔ پھر ہم انہیں انکے اعمال کا نتیجہ دکھا دیں گے"

یہ گمراہی کے آنے کا دوسرا راستہ تھا۔ تیسرا راستہ قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان جب خدا کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا حکم ماننے لگتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ فلاں شخص بڑا آدمی ہے۔ اس کی بات پکّی ہوگی یا فلاں شخص کے ہاتھ میں میری روٹی ہے۔ اس لئے اس کی بات ماننی چاہیئے۔ یا فلاں شخص بڑا صاحب اقتدار ہے۔ اس لئے اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے یا فلاں صاحب اپنی بددعا سے مجھے تباہ کر دیں گے یا اپنے ساتھ جنّت میں لے جائیں گے۔ اس لئے جو وہ کہیں وہی صحیح ہے یا فلاں قوم بڑی ترقی کر رہی ہے۔ اس لئے اس کے طریقے اختیار کرنے چاہئیں تو ایسے شخص پر خدا کی ہدایت کا راستہ بند ہو جاتا ہے ۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام-١٤)

اور اگر تو نے اِن بہت سے لوگوں کی اطاعت کی جو زمین میں رہتے ہیں تو وہ تجھ کو خدا کے راستہ سے بھٹکا دیں گے "

یعنی آدمی سیدھے راستہ پر اس وقت ہو سکتا ہے جب اسکا ایک خدا ہو۔ سینکڑوں ہزاروں خدا جس نے بنا لئے ہوں، اور جو کبھی اس خدا کے کہے پر اور کبھی اس خدا کے کہے پر چلتا

ہو وہ سیدھا راستہ کہاں پا سکتا ہے ؛

اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ گمراہی کے تین بڑے بڑے سبب ہیں :-

ایک نفس کی بندگی -

دوسرے باپ دادا اور خاندان اور قبیلے کے رواجوں کی بندگی ؛

تیسرے عام طور پر دنیا کے لوگوں کی بندگی جن میں دولتمند لوگ اور حکامِ وقت اور بناوٹی پیشوا اور گمراہ قومیں سب ہی شامل ہیں ؛

یہ تین بڑے بڑے بت ہیں جو خدائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں - جو شخص مسلمان بننا چاہتا ہو - اس کو سب سے پہلے اِن تینوں بُتوں کو توڑنا چاہیئے - پھر وہ حقیقت میں مسلمان ہو جائے گا - ورنہ جس نے یہ تینوں بُت اپنے دل میں بٹھا رکھے ہوں - اسکا بندۂ خدا ہونا مشکل ہے - وہ دن میں پچاس وقت کی نمازیں پڑھ کر اور دکھاوے کے روزے رکھ کر اور مسلمانوں کی سی شکل بنا کر انسانوں کو دھوکا دے سکتا ہے کہ میں پکا مسلمان ہوں - مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا ؛

ایمان کی کسوٹی

گذشتہ مضمون میں، میں نے بتایا تھا کہ قرآن کی رُو سے انسان کی گمراہی کے تین سبب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا کے قانون کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کا غلام بن جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ خدائی قانون کے مقابلہ میں اپنے خاندان کے رسم ورواج اور باپ دادا کے طریقے کو ترجیح دے۔ تیسرے یہ کہ خدا اور اس کے رسول نے جو طریقہ بتایا ہے۔ اس کو بالائے طاق رکھ کر انسانوں کی پیروی کرنے لگے۔ چاہے وہ انسان خود اس کی اپنی قوم کے بڑے لوگ ہوں یا غیر قوموں کے لوگ ؛

مسلمان کی اصلی تعریف یہ ہے کہ وہ ان تینوں بیماریوں سے پاک ہو۔ مسلمان کہتے ہی اس کو ہیں جو خدا کے سوا کسی کا

بندہ اور رسول کے سوا کسی کا پیرو نہ ہو۔ مسلمان وہ ہے جو سچے دل سے اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم سراسر حق ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے۔ وہ باطل ہے اور انسان کے لئے دین و دُنیا کی بھلائی جو کچھ بھی ہے۔ صرف خدا اور اس کے رسول ؐ کی تعلیم میں ہے اس بات پر کامل یقین جس شخص کو ہو گا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں صرف یہ دیکھے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کا کیا حکم ہے اور جب اُسے حکم معلوم ہو جائے گا تو وہ سیدھی طرح سے اس کے آگے سر جھکا دیگا۔ پھر چاہے اس کا دل کتنا ہی مل بلائے اور خاندان کے لوگ کتنی ہی باتیں بنائیں اور دُنیا والے کتنی ہی مخالفت کریں۔ وہ ان میں سے کسی کی پروا نہ کریگا۔ کیونکہ ہر ایک کو اس کا صاف جواب یہی ہو گا کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ تمہارا بندہ نہیں ہوں اور میں رسول پر ایمان لایا ہوں۔ تم پر ایمان نہیں لایا ہوں ۔

اس کے برخلاف اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا اور رسول ؐ کا ارشاد یہ ہے تو ہوا کرے۔ میرا دل تو اس کو نہیں مانتا یا مجھے تو اس میں نقصان نظر آتا ہے۔ اس لئے میں خدا اور رسول ؐ

کی بات کو چھوڑ کر اپنی رائے پر چلوں گا تو ایسے شخص کا دل ایمان سے خالی ہو گا۔ وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے کہ زبان سے تو کہتا ہے میں خدا کا بندہ اور رسولؐ کا پیرو ہوں۔ مگر حقیقت میں اپنے نفس کا بندہ اور اپنی رائے کا پیرو بنا ہوا ہے ؛
اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ خدا و رسولؐ کا حکم کچھ بھی ہو۔ مگر فلاں بات تو باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے ؟ یا فلاں قاعدہ تو میرے خاندان میں مقرر ہے۔ اسے کیونکر توڑا جا سکتا ہے ؟ تو ایسے شخص کا شمار بھی منافقوں میں ہو گا۔ خواہ نمازیں پڑھتے پڑھتے اس کی پیشانی پر کتنا ہی بڑا گھٹا پڑ گیا ہو اور ظاہر میں اس نے کتنی ہی متشرع صورت بنا رکھی ہو۔ اس لئے کہ دین کی اصل حقیقت اس کے دل میں اتری ہی نہیں۔ دین رکوع سجدے اور روزے اور حج کا نام نہیں اور نہ دین انسان کی صورت اور اس کے لباس میں ہوتا ہے بلکہ اصل میں دین نام ہے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا۔ جو شخص اپنے معاملات میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے۔ اس کا دل حقیقت میں دین سے خالی ہے۔ اس کی نماز اور اس کا روزہ اور اس

کی متشرع صورت ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں ؎

اسی طرح اگر کوئی شخص خدا کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی ہدایت سے بے پرواہ ہو کر کہتا ہے کہ فلاں بات اس لئے اختیار کی جائے کہ انگریزوں میں رائج ہے اور فلاں بات اس لئے قبول کی جائے کہ فلاں قوم اس کی وجہ سے ترقی کر رہی ہے اور فلاں بات اس لئے مانی جائے کہ فلاں بڑا آدمی ایسا کہتا ہے تو ایسے شخص کو بھی اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔ یہ باتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں۔ مسلمان ہو۔ اور مسلمان رہنا چاہتے ہو تو ہر اس بات کو اٹھا کر دیوار پر دے مارو۔ جو خدا اور رسولؐ کی بات کے خلاف ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرسکتے تو اسلام کا دعویٰ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ زبان سے کہنا کہ ہم خدا اور رسولؐ کو مانتے ہیں۔ مگر اپنی زندگی کے معاملات میں ہر وقت دوسروں کی بات کے مقابلہ میں خدا اور رسولؐ کی بات کو رد کرتے رہنا، نہ ایمان ہے اور نہ اسلام۔ بلکہ اس کا نام منافقت ہے ؛۔

قرآن مجید کے اٹھارھویں پارے میں اللہ تعالےٰ نے صاف صاف الفاظ میں فرما دیا ہے :۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ط وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ
یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ہ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ
بِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ بَعْدِ
ذٰلِکَ ط وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ہ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی
اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ہ وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ
مُذْعِنِیْنَ ط اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ
یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ ط بَلْ اُولٰٓئِکَ
ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا
دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ وَ
مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ
فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ط (النور - ٦-٧)

یعنی "ہم نے کھول کھول کر حق اور باطل کا فرق بتانے والی
آیتیں اتار دی ہیں۔ اللہ جس کو چاہتا ہے۔ ان آیتوں کے
ذریعہ سے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم
اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور ہم نے اطاعت

قبول کی - پھر اس کے بعد ان میں سے بعض لوگ اطاعت
سے مُنہ موڑ جاتے ہیں - ایسے لوگ ایماندار نہیں ہیں
اور جب انکو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے - تاکہ
اُن کے معاملات میں قانونِ خداوندی کے مطابق فیصلہ
کیا جائے تو اُن میں سے کچھ لوگ مُنہ موڑ جاتے ہیں - البتہ
جب بات اُن کے مطلب کی ہو تو اُسے مان لیتے ہیں -
کیا ان لوگوں کے دل میں بیماری ہے ؟ یا کیا یہ شک میں
پڑے ہوئے ہیں ؟ یا انکو یہ ڈر ہے کہ اللہ اور اس کا
رسول ان کی حق تلفی کرے گا ؟ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو
یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں - حقیقت
میں جو ایماندار ہیں - انکا طریقہ تو یہ ہے کہ جب انہیں
اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے "تا کہ قانونِ
خداوندی کے مطابق انکے معاملات کا فیصلہ کیا جائے
تو وہ کہیں کہ ہم نے سُنا اور اطاعت کی - ایسے ہی لوگ
فلاح پانے والے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے
رسول کی اطاعت کریگا اور اللہ سے ڈرتا رہے گا اور
اس کی نافرمانی سے پرہیز کریگا - بس وہی کامیاب ہوگا"

اِن آیات میں ایمان کی جو تعریف بیان کی گئی ہے۔ اس پر غور کیجئے۔ اصلی ایمان یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی کتاب اور اس کے رسولؑ کی ہدایت کے سپرد کر دو۔ جو حکم وہاں سے مِلے۔ اس کے آگے سر جھکا دو۔ اور اس کے مقابلے میں کسی کی نہ سُنو۔ نہ اپنے دل کی۔ نہ خاندان والوں کی اور نہ دنیا والوں کی۔ یہ کیفیت جس میں پیدا ہو جائے۔ وہی مومن اور مسلم ہے اور جو اس سے خالی ہو۔ اس کی حیثیت منافق سے زیادہ نہیں ہے ؞

آپ نے سُنا ہو گا کہ عرب میں شراب خوری کا کتنا زور تھا۔ عورت اور مرد اور جوان اور بوڑھے سب شراب کے متوالے تھے۔ ان کو دراصل اس چیز سے عشق تھا۔ اس کی تعریفوں کے گیت گاتے تھے اور اس پر جان دیتے تھے۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہو گا کہ شراب کی لت لگ جانے کے بعد اس کا چھوٹنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ آدمی جان دینا قبول کر لیتا ہے مگر شراب چھوڑنا قبول نہیں کر سکتا۔ اگر شرابی کو شراب نہ ملے۔ تو اس کی کیفیت بیمار سے بدتر ہو جاتی ہے۔ لیکن آپ نے کبھی سُنا ہے کہ جب قرآن شریف میں شراب کی حرمت کا حکم

آیا تو کیا ہوا؟ وہی عرب جو شراب پر جان دیتے تھے۔ اس کے حکم کو سنتے ہی انہوں نے اپنے ہاتھ سے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ مدینہ کی گلیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے بارش کا پانی بہتا ہے۔ ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ جس وقت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منادی کی آواز سنی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے تو جس شخص کا ہاتھ جہاں تھا۔ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ جس کے منہ سے پیالہ لگا ہوا تھا اس نے فوراً اس کو ہٹا لیا اور پھر ایک قطرہ حلق میں نہ جانے دیا۔۔۔ یہ ہے ایمان کی شان۔ اس کو کہتے ہیں خدا اور رسول کی اطاعت ::

آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں زنا کی سزا کتنی سخت رکھی گئی ہے؟ ننگی پیٹھ پر سو کوڑے، جن کا خیال کئے سے آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اگر شادی شدہ آدمی ہو تو اس کے لئے سنگساری کی سزا ہے یعنی اس کو پتھروں سے اتنا مارنا کہ وہ مر جائے۔ ایسی سخت سزا کا نام ہی سن کر آدمی کانپ اٹھتا ہے مگر آپ نے یہ بھی سنا کہ جن کے دل میں ایمان تھا۔ انکی کیا کیفیت تھی؟ ایک شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو گیا۔ کوئی گواہ نہ تھا۔ کوئی

عدالت تک پکڑ کر لے جانے والا نہ تھا۔ کوئی پولیس کو اطلاع دینے والا نہ تھا۔ صرف دل میں ایمان تھا۔ جس نے اس شخص سے کہا کہ جب تو نے خدا کے قانون کے خلاف اپنے نفس کی خواہش پوری کی ہے تو اب جو سزا خدا نے اس کے لئے مقرر کی ہے اس کو بھگتنے کے لئے بھی تیار ہو جا۔ چنانچہ وہ شخص خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ۔ میں نے زنا کیا ہے مجھے سزا دیجئے۔ آپ منہ پھیر لیتے ہیں تو پھر دوسری طرف آکر یہی بات کہتا ہے۔ آپ پھر منہ پھیر لیتے ہیں تو وہ پھر سامنے آکر سزا کی درخواست کرتا ہے غرض اس طرح چار مرتبہ وہ اصرار کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ جو گناہ میں نے کیا ہے۔ اس کی سزا مجھے دی جائے۔ ۔ ۔ یہ ہے ایمان۔ جس کے دل میں ایمان موجود ہے۔ اس کے لئے ننگی پیٹھ پر سو کوڑے کھانا بلکہ سنگسار تک کر دیا جانا آسان ہے مگر نافرمان بن کر خدا کے سامنے حاضر ہونا مشکل ہے ؂

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ انسان کے لئے دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کر کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ خصوصاً باپ، بیٹے اور بھائی تو اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ ان پر سب کچھ

قربان کر دینا آدمی گوارا کر لیتا ہے - مگر آپ ذرا بدر اور اُحد کی لڑائیوں پر غور کیجئے کہ اُن میں کون کس کے خلاف لڑنے گیا تھا؟ باپ مسلمانوں کی فوج میں ہے تو بیٹا کافروں کی فوج میں - یا بیٹا اس طرف ہے تو باپ اس طرف - ایک بھائی ادھر ہے تو دوسرا بھائی ادھر - قریب سے قریب رشتہ دار ایکدوسرے کو پہچانتے ہی نہیں اور یہ جوش ان میں کچھ روپے پیسے یا زمین کے لئے نہیں بھڑکا تھا - نہ کوئی ذاتی عداوت تھی بلکہ صرف اس وجہ سے وہ اپنے خون اور اپنے گوشت پوست کے خلاف لڑ گئے کہ وہ خدا اور رسول پر باپ اور بیٹے اور بھائی اور سارے خاندان کو قربان کر دینے کی طاقت رکھتے تھے ؛

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عرب میں جتنے پرانے رسم و رواج تھے اسلام نے قریب قریب اُن سب ہی کو توڑ ڈالا تھا - سب سے بڑی چیز تو بُت پرستی تھی جس کا رواج سینکڑوں ہزاروں برس سے چلا آ رہا تھا - اسلام نے کہا کہ ان بُتوں کو چھوڑ دو - شراب - زنا - جوا - چوری اور رہزنی عرب میں عام طور پر رائج تھی - اسلام نے کہا کہ اِن سب کو ترک کر دو - عورتیں عرب میں کھلی پھرتی تھیں - حتیٰ کہ کعبہ کے گرد ننگی ہو کر طواف کرتی

نہیں - اسلام نے حکم دیا کہ پردہ کرو - عورتوں کو وراثت میں کوئی حصّہ نہ دیا جاتا تھا - اسلام نے کہا کہ ان کا بھی وراثت میں حصّہ ہے - متبنّیٰ کو بالکل وہی حیثیت دی جاتی تھی - جو صلبی اولاد کی ہوتی ہے - اسلام نے کہا کہ وہ صلبی اولاد کی طرح نہیں ہے بلکہ متبنّیٰ اگر اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے - غرض کونسی پرانی رسم ایسی تھی - جس کو توڑنے کا حکم اسلام نے نہ دیا ہو - مگر آپ کو معلوم ہے کہ جو لوگ خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے تھے - انکا کیا طرزِ عمل تھا؟ صدیوں سے جن بتوں کو وہ اور انکے باپ دادا سجدہ کرتے اور نذریں چڑھایا کرتے تھے ان کو ان ایمانداروں نے اپنے ہاتھ سے توڑا - سینکڑوں برس سے جو خاندانی رسمیں چلی آتی تھیں - ان سب کو مٹا کر انہوں نے رکھ دیا - جن چیزوں کو وہ مقدس سمجھتے تھے - خدا کا حکم پا کر انہیں پاؤں تلے روند ڈالا - جن چیزوں کو وہ مکروہ سمجھتے تھے - خدا کا حکم آتے ہی انکو جائز سمجھنے لگے - جو چیزیں صدیوں سے پاک سمجھی جاتی تھیں - وہ ایک دم ناپاک ہوگئیں اور جو صدیوں سے ناپاک خیال کی جاتی تھیں - وہ یکایک پاک ہوگئیں - کفر کے جن طریقوں میں لذت اور فائدے کے سامان تھے - خدا کا حکم ملتے ہی انکو چھوڑ دیا گیا -

اور اسلام کے جن احکام کی پابندی انسان پر شاق گذرتی ہے
ان سب کو خوشی خوشی قبول کر لیا گیا - اس کا نام ہے ایمان، اور
اس کو کہتے ہیں اسلام - اگر عرب کے لوگ اس وقت کہتے کہ فلاں
بات ہم اس لئے نہیں مانتے کہ ہمارا اس میں نقصان ہے - اور
فلاں بات کو ہم اس لئے نہیں چھوڑتے کہ اس میں ہمارا فائدہ ہے
اور فلاں کام کو تو ہم ضرور کریں گے - کیونکہ باپ دادا سے یہی ہوتا
چلا آیا ہے اور فلاں باتیں رومیوں کی ہمیں پسند ہیں اور فلاں
ایرانیوں کی ہم کو مرغوب ہیں - غرض اگر عرب کے لوگ اسی طرح
اسلام کی ایک ایک بات کو رد کر دیتے - تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ
آج دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہ ہوتا ؂

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا
مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی نیکی کا مرتبہ تم کو نہیں مل سکتا - جب تک کہ تم
وہ سب چیزیں خدا کے لئے قربان نہ کر دو جو تم کو عزیز ہیں بس
یہی آیت اسلام اور ایمان کی جان ہے - اسلام کی اصلی شان
یہی ہے کہ جو چیزیں تم کو عزیز ہیں - ان کو خدا کی خاطر قربان کر
دو - زندگی کے سارے معاملات میں تم دیکھتے ہو کہ خدا کا حکم
ایک طرف بلاتا ہے اور نفس کی خواہشات دوسری طرف بلاتی

ہیں - خدا ایک کام کا حکم دیتا ہے نفس کہتا ہے - اس میں تو تکلیف ہے یا نقصان ہے - خدا ایک بات سے منع کرتا ہے نفس کہتا ہے کہ یہ تو بڑی مزیدار چیز ہے یا بڑی فائدے کی چیز ہے - ایک طرف خدا کی خوشنودی ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک دنیا کی دنیا کھڑی ہوتی ہے - غرض زندگی میں ہر ہر قدم پہ انسان کو دو راستے ملتے ہیں - ایک راستہ اسلام کا ہے اور دوسرا کفر و نفاق کا - جس نے دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر خدا کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اس نے اسلام کا راستہ اختیار کیا اور جس نے خدا کے حکم کو چھوڑ کر اپنے دل کی یا دنیا کی خوشی پوری کی - اس نے کفر یا نفاق کا راستہ اختیار کیا ؎

آج لوگوں کا یہ حال ہے کہ اسلام کی جو بات آسان ہے اسے تو بڑی خوشی کے ساتھ قبول کرتے ہیں مگر جہاں کفر اور اسلام کا اصلی مقابلہ ہوتا ہے - وہیں سے رخ بدل دیتے ہیں بڑے بڑے مدعیٔ اسلام لوگوں میں یہ کمزوری موجود ہے - وہ اسلام اسلام بہت پکاریں گے - اس کی تعریف کرتے کرتے اُن کی زبان خشک ہو جائے گی - اس کے لئے کچھ نمائشی کام بھی کر دیں گے - مگر اُن سے کہئے کہ یہ اسلام جس کی آپ

اس قدر تعریفیں فرما رہے ہیں۔ آئیے ذرا اس کے قانون کو ہم آپ خود اپنے اُوپر جاری کریں تو وہ فوراً کہیں گے کہ اس میں فلاں مشکل ہے اور فلاں دقّت ہے اور فی الحال تو اس کو بس رہنے ہی دیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک خوبصورت کھلونا ہے۔ اس کو بس طاق پر رکھئے اور دُور سے بیٹھ کر اس کی تعریفیں کئے جائیے۔ مگر اسے خود اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں اور عزیزوں پر، اور اپنے کاروبار اور معاملات پر ایک قانون کی حیثیت سے جاری کرنے کا نام تک نہ لیجئے۔ یہ ہمارے آجکل کے دینداروں کا حال ہے۔ اب دنیاداروں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ اب نمازوں میں وہ اثر ہے جو کبھی تھا۔ نہ روزوں میں ہے نہ قرآن خوانی میں اور نہ شریعت کی ظاہری پابندیوں میں۔ اس لئے کہ جب روح ہی موجود نہیں تو نرا بے جان جسم کیا کرامت دکھائیگا۔

خدا کی اطاعت کِس لئے

پچھلے مضامین میں یہ بات بار بار دہرائی گئی ہے کہ اسلام ”اللہ اور رسول کی اطاعت کا نام ہے اور آدمی ”مسلمان“ بن ہی نہیں سکتا۔ جب تک وہ اپنی خواہشات کی۔ رسم و رواج کی، دنیا کے لوگوں کی۔ غرض ہر ایک کی اطاعت چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت نہ کرے۔ اب میں تھوڑی سی تشریح اس امر کی کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت پر اس قدر زور آخر کیوں دیا جاتا ہے۔ ایک شخص پوچھ سکتا ہے کہ کیا خدا ہماری اطاعت کا بھوکا ہے۔ نعوذ باللہ، کہ وہ ہم سے اِس طرح اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ خدا بھی دنیا کے حاکموں کی طرح اپنی حکومت چلانے کی ہوس رکھتا ہے۔ کہ

جیسے دنیا کے حاکم کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت کرو۔ اسی طرح
خدا بھی کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو ؟

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو انسان سے اطاعت کا
مطالبہ کرتا ہے وہ انسان ہی کی فلاح اور بہتری کے لئے کرتا
ہے۔ وہ دنیا کے حاکموں کی طرح نہیں ہے۔ دنیا کے حاکم اپنے
فائدے کے لئے لوگوں کو اپنی مرضی کا غلام بنانا چاہتے ہیں ؛
مگر اللہ تمام فائدوں سے بے نیاز ہے۔ اس کو آپ سے
ٹیکس لینے کی حاجت نہیں ہے۔ وہ پاک ہے۔ کسی کا محتاج
نہیں۔ دنیا میں سب کچھ اسی کا ہے اور سارے خزانوں کا
وہی مالک ہے۔ وہ آپ سے صرف اِس لئے اطاعت کا مطالبہ
کرتا ہے کہ اسے آپ ہی کی بھلائی منظور ہے۔ وہ نہیں چاہتا
کہ جس مخلوق کو اس نے اشرف المخلوق بنایا ہے وہ شیطان
کی غلام بن کر رہے یا کسی انسان کی غلام ہو یا دنیا کی ذلیل
ہستیوں کے سامنے سر جھکائے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جس
مخلوق کو اس نے زمین پر اپنی خلافت دی ہے وہ جہالت
کی تاریکیوں میں بھٹکتی پھرے اور جانوروں کی طرح اپنی خواہشات
کی بندگی کر کے اسفل السافلین میں جا گرے۔ اس لئے وہ

فرماتا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو۔ ہم نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے جو روشنی بھیجی ہے اس کو لے کر چلو۔ پھر تم کو سیدھا راستہ مل جائیگا اور تم اس راستہ پر چل کر دنیا میں بھی عزت اور آخرت میں بھی عزت حاصل کرسکو گے ؞

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ج فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ م بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ٥ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا

یعنی "دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہماری طرف سے سیدھا ہدایت کا راستہ جہالت کے ٹیڑھے راستوں سے الگ کر کے صاف صاف دکھا دیا گیا ہے۔ اب تم میں سے جو کوئی جھوٹے خداؤں اور گمراہ کرنے والے آقاؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ پر ایمان لے آیا۔ اس نے ایسی مضبوط رسّی تھام لی۔ جو ٹوٹنے والی نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ جو لوگ ایمان لائیں۔ ان کا نگہبان اللہ ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکالکر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کفر کا

خٰلِدُوْنَ ٥ طریقہ اختیار کریں۔ انکے نگہبان انکے

(البقرۃ - ۳۴) جھوٹے خدا اور انکے گمراہ کرنے والے

آقا ہیں۔ وہ انکو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لیجاتے ہیں اور وہ
دوزخ میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے :-

اب یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی اطاعت سے
آدمی اندھیرے میں کیوں چلا جاتا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے
کہ روشنی صرف اللہ کی اطاعت ہی سے مل سکتی ہے؟

آپ دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں آپ کی زندگی بے شمار
تعلقات سے جکڑی ہوئی ہے۔ سب سے پہلا تعلق تو آپکا اپنے
جسم کے ساتھ ہے۔ یہ ہاتھ، یہ پاؤں، یہ آنکھیں، یہ کان،
یہ زبان، یہ دل و دماغ، یہ پیٹ سب آپ کی خدمت کے
لئے اللہ نے آپ کو دیئے ہیں۔ آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان
سے کس طرح خدمت لیں۔ پیٹ کو کیا کھلائیں اور کیا نہ کھلائیں۔
ہاتھوں سے کیا کام لیں اور کیا نہ لیں؟ پاؤں کو کس راستہ
پر چلائیں اور کس راستہ پر نہ چلائیں؟ آنکھ اور کان سے
کس قسم کے کام لیں اور کس قسم کے نہ لیں؟ زبان کو کن باتوں
کے لئے استعمال کریں؟ دل میں کیسے خیالات رکھیں؟ دماغ

یہ کیسی باتیں سوچیں؟ ان سب خواہشوں سے آپ اچھے کام بھی لے سکتے ہیں اور بُرے بھی۔ یہ آپ کو بلند درجے کا انسان بھی بنا سکتے ہیں اور جانوروں سے بھی بدتر درجے میں پہنچا سکتے ہیں ٭

پھر آپ کے تعلقات اپنے گھر کے لوگوں سے بھی ہیں۔ باپ، ماں، بہن، بھائی، بیوی، اولاد اور دوسرے رشتہ دار ہیں۔ جن سے آپ کا رات دِن کا تعلق ہے۔ جہاں آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان سے آپ کس طرح برتاؤ کریں۔ ان پر آپ کے کیا حق ہیں اور ان کے آپ پر کیا حق ہیں۔ ان کے ساتھ ٹھیک ٹھیک برتاؤ کرنے ہی پر دنیا اور آخرت میں آپ کی راحت، خوشی اور کامیابی کا انحصار ہے۔ اگر آپ غلط برتاؤ کریں گے تو دنیا کو اپنے لئے جہنم بنا لیں گے۔ اور دنیا ہی میں نہیں۔ بلکہ آخرت میں خدا کے سامنے بھی سخت جواب دہی آپ کو کرنی ہوگی ٭

پھر آپ کے تعلقات دنیا کے بے شمار لوگوں سے ہیں۔ کچھ لوگ آپ کے ہمسائے ہیں۔ کچھ آپ کے دوست ہیں۔ کچھ آپ کے دشمن ہیں۔ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی

خدمت کرتے ہیں اور بہت سے وہ لوگ بھی ہیں۔ جن کی آپ
خدمت کرتے ہیں۔ کسی سے آپ کو کچھ لینا ہے اور کسی کو کچھ
دینا۔ کوئی آپ پر بھروسہ کر کے اپنے کام آپ کے سپرد کرتا ہے۔
کسی پر آپ بھروسہ کر کے اپنے کام اس کے سپرد کرتے ہیں۔
کوئی آپ کا حاکم ہے اور کسی کے آپ حاکم ہیں۔ غرض اتنے
آدمیوں کے ساتھ آپ کو رات دن کسی نہ کسی قسم کا معاملہ
پیش آتا ہے۔ جن کا آپ شمار نہیں کر سکتے۔ دنیا میں آپ
کی مسرّت، آپ کی کامیابی، آپ کی عزّت اور نیکنامی کا سارا
انحصار اس پر ہے کہ یہ سارے تعلقات جو میں نے آپ کے
سامنے پیش کئے ہیں۔ صحیح اور درست ہوں۔ اسی طرح آخرت
میں خدا کے ہاں بھی آپ صرف اسی وقت سرخرو ہو سکتے ہیں
کہ جب اپنے مالک کے سامنے آپ حاضر ہوں تو اس حال
میں نہ جائیں کہ کسی کا حق آپ نے مار رکھا ہو۔ کسی پر ظلم کیا
ہو۔ کوئی آپ کے خلاف وہاں نالش کرے۔ کسی کی زندگی
خراب کرنے کا وبال آپ کے سر پر ہو۔ کسی کی عزّت یا جان
یا مال کو آپ نے ناجائز طور پر نقصان پہنچایا ہو۔ لہذا آپ
کو یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ان بے شمار تعلقات کو

درست کس طرح رکھا جائے اور ان کو خراب کرنے والے طریقے کون سے ہیں۔ جن سے پرہیز کیا جائے ؛

آپ غور کیجئے کہ اپنے جسم سے اپنے گھر والوں سے اور دوسرے تمام لوگوں سے صحیح تعلق رکھنے کے لئے آپ کو ہر ہر قدم پر علم کی روشنی درکار ہے۔ قدم قدم پر آپ کو یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ انصاف کیا ہے اور ظلم کیا۔ کس کا حق آپ پر کتنا ہے اور کس پر آپ کا حق کتنا ہے۔ کس چیز میں حقیقی فائدہ ہے اور کس چیز میں حقیقی نقصان ہے۔ یہ علم اگر آپ خود اپنے نفس کے پاس تلاش کریں گے تو وہاں یہ نہ ملے گا۔ اس لئے کہ نفس تو خود جاہل ہے۔ اس کے پاس خواہشات کے سوا دھرا کیا ہے؟ وہ تو کہے گا کہ شراب پیو۔ زنا کرو۔ حرام کھاؤ۔ کیونکہ اس میں بڑا مزا ہے۔ وہ تو کہے گا کہ سب کا حق مار کھاؤ اور کسی کا حق ادا نہ کرو۔ کیونکہ اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ لے لیا سب کچھ اور دیا کچھ نہیں۔ وہ تو کہے گا کہ سب سے اپنا مطلب نکالو اور کسی کے کچھ کام نہ آؤ۔ کیونکہ اس میں نفع بھی ہے اور آسائش بھی۔ ایسے جاہل کے ہاتھ

پس جب آپ اپنے آپ کو دیں گے تو وہ آپ کو نیچے کی طرف لے جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ انتہا درجہ کے خود غرض، پُرنفس اور بدکار ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور دین دونوں چیزیں خراب ہو جائیں گی ؎

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ اپنے نفس کے بجائے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں پہ بھروسہ کریں اور اپنی باگ اُن کے ہاتھ میں دے دیں کہ جدھر وہ چاہیں اِدھر لے جائیں۔ اِس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ ایک خود غرض آدمی آپ کو خود اپنی خواہشات کا غلام بنا لے۔ یا ایک جاہل آدمی خود بھی گمراہ ہو اور آپ کو بھی گمراہ کر دے یا ایک ظالم آپ کو اپنا ہتھیار بنائے اور دوسروں پر ظلم کرنے کے لئے آپ سے کام لے۔ غرض یہاں بھی آپ کو علم کی وہ روشنی نہیں مِل سکتی۔ جو آپ کو صحیح اور غلط کی تمیز بتا سکتی ہے اور دنیا کی اس زندگی میں ٹھیک ٹھیک راستہ پہ چلا سکے ؎

اِس کے بعد صرف ایک خدائے پاک کی وہ ذات رہ جاتی ہے۔ جہاں سے یہ روشنی آپ کو مِل سکتی ہے۔ خدا علیم و بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے۔ وہی ٹھیک ٹھیک

بتا سکتا ہے کہ آپ کا حقیقی نفع کس چیز میں ہے اور حقیقی نقصان
کس چیز میں - آپ کے لئے کونسا کام حقیقت میں صحیح ہے اور
کونسا غلط - پھر خداوند تعالےٰ بے نیاز بھی ہے - اس کی اپنی
کوئی غرض ہے ہی نہیں - اسے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے
کہ معاذ اللہ آپ کو دھوکا دے کر کچھ نفع حاصل کرے - اس
لئے وہ پاک بے نیاز مالک جو کچھ بھی ہدایت دیگا - بے غرض
دیگا اور آپ کے فائدہ کے لئے دیگا - پھر خداوند تعالیٰ عادل
بھی ہے ظلم کا اس کی ذات پاک میں شائبہ بھی نہیں ہے اس
لئے وہ سراسر حق کی بنا پر حکم دیگا - اس کے حکم پر چلنے میں
اس بات کا کوئی خطر نہیں ہے کہ آپ خود اپنے اوپر یا دوسرے
لوگوں پر کسی قسم کا ظلم کر جائیں ؎

یہ روشنی جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملتی ہے - اس
سے فائدہ اُٹھانے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے - ایک
یہ کہ آپ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر جن کے واسطہ سے
یہ روشنی آرہی ہے - سچے دل سے ایمان لائیں - یعنی آپ کو
پورا یقین ہو کہ خدا کی طرف سے اس کے رسولؐ پاک نے جو
کچھ ہدایت دی ہے - وہ بالکل برحق ہے - خواہ اس کی

مصلحت آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ دوسرے یہ کہ ایمان لانے کے بعد آپ اس کی اطاعت کریں۔ اس لئے کہ اطاعت کے بغیر کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز زہر ہے۔ مار ڈالنے والی چیز ہے اسے نہ کھاؤ۔ آپ کہتے ہیں کہ بیشک تم نے سچ کہا۔ یہ زہر ہی ہے۔ مار ڈالنے والی چیز ہے مگر یہ جاننے اور ماننے کے باوجود آپ اس چیز کو کھا جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسکا نتیجہ وہی ہوگا۔ جو نہ جانتے ہوئے کھانے کا ہوتا ہے۔ ایسے جاننے اور ماننے سے کیا حاصل؟ اصلی فائدہ تو اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب آپ ایمان لانے کے ساتھ اطاعت بھی کریں جس بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر فقط زبان ہی سے آمنّا و صدّقنا نہ کہیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں اور جس بات سے روکا گیا ہے۔ اس سے پرہیز کرنے کا زبانی اقرار ہی نہ کریں۔ بلکہ اپنے اعمال میں اس سے پرہیز کریں۔ اسی لئے حق تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میری اطاعت کرو اور میرے رسول کی وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَہْتَدُوْا اگر میرے رسول کی اطاعت کروگے تب ہی تم کو ہدایت ملے گی فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ

اَنْ تُصِیْبَہُمْ فِتْنَۃٌ وہ لوگ جو ہمارے رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اُن کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں وہ کسی آفت میں نہ پڑ جائیں ؎

یہ جو بار بار میں کہتا ہوں کہ صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اس کا مطلب آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ آپ کو کسی کی بات ماننی ہی نہیں چاہیئے۔ نہیں در اصل اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے کسی کے پیچھے نہ چلیں بلکہ ہمیشہ یہ دیکھتے رہیں کہ جو شخص آپ سے کسی کام کو کہتا ہے وہ خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق کہتا ہے یا اس کے خلاف۔ اگر مطابق کہتا ہے تو اس کی بات ضرور ماننی چاہیئے کیونکہ اس صورت میں آپ اس کی اطاعت کب کر رہے ہیں؟ یہ تو در اصل اللہ اور اس کے رسولؐ ہی کی اطاعت ہے اگر وہ حکم خدا اور رسولؐ کے خلاف کہتا ہے تو آپ اس کی بات اس کے منہ پر دے ماریئے۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ کیونکہ آپ کے لئے سوائے خدا اور رسولؐ کے کسی کے حکم کی اطاعت جائز نہیں ہے ؎

یہ بات آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود تو آپ کے سامنے آ کر حکم دینے سے رہا۔ اس کو جو کچھ احکام دینے تھے۔ وہ اس

نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ سے بھیج دیئے۔ اب رہے حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ تو آپ بھی ساڑھے تیرہ سو برس پہلے وفات پا چکے ہیں۔ آپ کے ذریعہ جو احکام خدا نے دیئے تھے۔ وہ قرآن اور حدیث میں ہیں۔ لیکن قرآن اور حدیث خود بھی چلنے پھرنے۔ بولنے اور حکم دینے والی چیزیں نہیں ہیں کہ وہ آپ کے سامنے آئیں اور کسی بات کا حکم دیں اور کسی بات سے روکیں۔ قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق آپ کو چلانے والے بہرحال انسان ہی ہوں گے۔ اس لئے انسانوں کی اطاعت کے بغیر تو چارہ نہیں۔ البتہ ضرورت جس بات کی ہے وہ یہ ہے کہ آپ انسانوں کے پیچھے آنکھیں بند کر کے نہ چلیں بلکہ جیسا کہ میں نے ابھی کہا یہ دیکھتے رہیں کہ وہ قرآن وحدیث کے مطابق چلا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر قرآن وحدیث کے مطابق چلائیں تو اُن کی اطاعت آپ پر فرض ہے۔ اور اگر اس کے خلاف چلائیں تو انکی اطاعت حرام ہے ؞

دین اور شریعت

مذہب کی باتوں میں آپ اکثر دو لفظ سنا کرتے ہیں، اور بولتے بھی ہیں۔ ایک دین دوسرے شریعت لیکن بہت کم آدمی ہیں جنکو یہ معلوم ہوگا کہ دین کے کیا معنی ہیں۔ اور شریعت کا کیا مطلب ہے۔ بے پڑھے لکھے تو خیر مجبور ہیں۔ اچھے خاصے تعلیم یافتہ آدمی بھی یہ نہیں جانتے کہ ان دو لفظوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب کیا ہے اور ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اِس ناواقفیت کی وجہ سے اکثر دین کو شریعت سے اور شریعت کو دین سے گڈ مڈ کر دیا جاتا ہے اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ میں بہت سادہ الفاظ میں انکا مطلب یہاں بیان کروں گا ؛

دین کے کئی معنی ہیں۔ ایک معنی عزّت، حکومت،

سلطنت، بادشاہی اور فرمانروائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے بالکل برعکس ہیں۔ یعنی ذلّت، اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے، اور اعمال کی جزا و سزا دینے کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظ دین انہی تین معنوں میں آیا ہے۔ فرمایا

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ — اللہ کے نزدیک حقیقی دین صرف اسلام ہے۔

یعنی خدا کے نزدیک اصلی دین بس وہی ہے جس میں انسان صرف اللہ کو عزّت والا مانے اور اس کے سوا کسی کے آگے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ صرف اللہ کو آقا اور مالک اور سلطان سمجھے اور اس کے سوا کسی کا غلام۔ فرمانبردار اور تابعدار بن کر نہ رہے۔ صرف اللہ کو حساب کرنے اور جزا و سزا دینے والا سمجھے اور اس کے سوا کسی کے حساب سے نہ ڈرے، کسی کی جزا کا لالچ نہ کرے اور کسی کی سزا کا خوف نہ کھائے۔ اسی دین کا نام "اسلام" ہے۔ اگر اس کو چھوڑ کر آدمی نے کسی اور کو اصلی عزّت والا۔ اصلی حاکم۔ اصلی بادشاہ اور مالک۔ اصلی جزا و سزا دینے والا سمجھا اور اسکے سامنے

ذلّت سے سر جھکایا - اس کی بندگی اور غلامی کی - اس کا حکم مانا - اور اس کی جزا کا لالچ اور سزا کا خوف کھایا - تو یہ جھوٹا دین ہوگا - اللہ ایسے دین کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا - کیونکہ یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے - خدا کے سوا کوئی دوسری ہستی اس تمام کائنات میں اصلی عزّت والی نہیں ہے - نہ کسی اور کی سلطنت اور بادشاہی ہے - نہ کسی اور کی بندگی اور غلامی کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے - نہ اس مالک حقیقی کے سوا کوئی اور جزا و سزا دینے والا ہے - یہی بات دوسری آیتوں میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے :-

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ

یعنی جو شخص خدا کی سلطانی اور بادشاہی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا مالک اور حاکم مانے گا اور اس کی بندگی اور غلامی اختیار کرے گا اور اس کو جزا و سزا دینے والا سمجھے گا - اس کے دین کو خدا ہرگز قبول کرنے والا نہیں ہے اس لئے کہ

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ حُنَفَآءَ

انسانوں کو تو خدا نے اپنا بندہ بنایا ہے اور اپنے سوا

کسی اَور کی بندگی کا حکم ہی نہیں دیا ہے - اُن کا تو فرض یہ ہے کہ سب طرف سے منہ موڑ کر صرف اللّٰہ کے لئے اپنے دین یعنی اپنی اطاعت اور غلامی کو مخصوص کر دیں۔ اور یکسو ہو کر صرف اسی کی بندگی کریں اور صرف اسی کے حساب سے ڈریں

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ

کیا انسان خدا کے سوا کسی اَور کی غلامی اور فرمانبرداری کرنا چاہتا ہے - حالانکہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں صرف خدا کی غلام اور فرمانبردار ہیں اور اِن ساری چیزوں کو اپنے حساب کتاب کے لئے خدا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جانا ہے؟ کیا انسان زمین اور آسمان کی ساری کائنات کے خلاف ایک نرالا راستہ اپنے لئے نکالنا چاہتا ہے؟

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ہ

اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر اس
لئے بھیجا ہے کہ وہ سارے جھوٹے خداؤں کی خدائی ختم کر دے
اور انسان کو ایسا آزاد کر دے کہ وہ خداوندِ عالم کے سوا
کسی کا بندہ بن کر نہ رہے - چاہے کفّار اور مشرکین اس
پر اپنی جہالت سے کتنا ہی واویلا مچائیں اور کتنی ہی ناک
بھوں چڑھائیں ؎

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

اور تم جنگ کرو اس لئے کہ دنیا سے غیر اللہ کی فرمانروائی
کا فتنہ مٹ جائے اور دنیا میں بس خدا ہی کا قانون چلے
خدا ہی کی بادشاہی تسلیم کی جائے اور انسان صرف
اسی کی بندگی کرے ؎

اس تشریح سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دین کے کیا معنی ہیں؟
خدا کو آقا اور مالک اور حاکم ماننا -
خدا ہی کی غلامی، بندگی اور تابعداری کرنا
اور خدا کے حساب سے ڈرنا - اس کی سزا کا خوف کھانا،
اور اسی کی جزا کا لالچ کرنا -

پھر چونکہ خدا کا حکم انسانوں کو اس کی کتاب اور اس کے

رسولؐ کے ذریعہ سے ہی پہنچتا ہے۔ اس لئے رسولؐ کو خدا کا رسولؐ اور کتاب کو خدا کی کتاب ماننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی دین ہی میں داخل ہے جیسا کہ فرمایا۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ؀

یعنی اے بنی آدم! جب میرے رسول تمہارے پاس میرے احکام لے کر آئیں تو جو شخص تم میں سے ان احکام کو مان کر پرہیزگاری اختیار کریگا اور ان کے مطابق اپنے عمل درست کر لے گا۔ اس کے لئے ڈر اور رنج کی کوئی بات نہیں ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہر انسان کے پاس اپنے احکام نہیں بھیجتا۔ بلکہ اپنے رسولوں کے واسطہ سے بھیجتا ہے۔ اس لئے جو شخص اللہ کو حاکم مانتا ہو۔ وہ اس کی فرمانبرداری صرف اسی طرح کر سکتا ہے کہ اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرے اور اس کے رسولؐ کے ذریعہ سے جو احکام آئیں۔ ان کی اطاعت کرے۔ اسی کا نام دین ہے ؛؛

اب میں یہ بتاؤں گا کہ شریعت کِسے کہتے ہیں۔ شریعت کے معنی طریقے اور راستے کے ہیں۔ جب تم نے خدا کو حاکم مان لیا۔ اور اس کی بندگی قبول کرلی اور یہ تسلیم کرلیا۔ کہ رسولؐ اسی کی طرف سے حاکمِ مجاز ہے اور کتاب اسی کی طرف سے ہے تو تم دین میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد تم کو جس طریقے سے خدا کی بندگی کرنی ہے اور اس کی فرمانبرداری میں جس راستہ پر چلنا ہے اس کا نام شریعت ہے یہ طریقہ اور راستہ بھی خدا اپنے رسولؐ ہی کے ذریعہ سے بتاتا ہے وہی یہ سکھاتا ہے کہ اپنے مالک کی عبادت اِس طرح کرو۔ طہارت اور پاکیزگی کا یہ طریقہ ہے۔ نیکی اور تقویٰ کا یہ راستہ ہے حقوق اِس طرح ادا کرنے چاہئیں اور زندگی اِس طرح بسر کرنی چاہیئے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے ایک تھا۔ ایک ہی رہا اور اب بھی ایک ہی ہے۔ مگر شریعتیں بہت سی آئیں۔ بہت سی منسوخ ہوئیں۔ بہت سی بدل گئیں اور کبھی ان کے بدلنے سے دین نہیں بدلا۔ حضرت نوحؑ کا دین بھی وہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کا تھا۔ حضرت شعیبؑ اور حضرت صالحؑ اور حضرت ہودؑ کا تھا اور

حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے مگر شریعتیں اِن سب کی کچھ نہ کچھ مختلف رہی ہیں۔ نماز اور روزے کے طریقے کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ تھے اور کسی میں کچھ۔ حرام اور حلال کے احکام، طہارت کے قاعدے، نکاح اور طلاق اور وراثت کے قانون ہر شریعت میں دوسری شریعت سے کچھ نہ کچھ مختلف رہے ہیں۔ اِن کے باوجود سب مسلمان تھے۔ حضرت نوحؑ کے پیرو بھی حضرت ابراہیمؑ کے پیرو بھی حضرت موسیٰؑ کے پیرو بھی اور ہم بھی۔ اِس لئے کہ دین سب کا ایک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام میں فرق ہونے سے دین کے احکام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دین ایک ہی رہتا ہے چاہے اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہوں ۔

اس فرق کو یوں سمجھو کہ ایک آقا کے بہت سے نوکر ہیں جو شخص اسکو آقا ہی نہیں مانتا اور اس کے حکم کو اپنے لئے واجب التعمیل ہی نہیں سمجھتا۔ وہ تو نافرمان ہے اور نوکری کے دائرے ہی سے خارج ہے اور جو لوگ اس کو آقا تسلیم کرتے ہیں، اس کے حکم کو ماننا اپنا فرض جانتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں۔ وہ سب نوکروں کے زمرے میں

داخل ہیں۔ نوکری بجا لانے اور خدمت کرنے کے طریقے مختلف ہوں تو اس سے اُن کے نوکر ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر آقا نے کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا ہے اور دوسرے کو دوسرا طریقہ تو ایک نوکر کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں نوکر ہوں اور وہ نوکر نہیں ہے۔ اسی طرح اگر آقا کا حکم سُن کر ایک نوکر اس کا منشا کچھ سمجھتا ہے اور دوسرا کچھ اور۔ اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو نوکری میں دونوں برابر ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نے مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو اور دوسرے نے صحیح مطلب سمجھا ہو۔ لیکن جب اطاعت دونوں نے کی ہے تو ایک کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ تو نافرمان ہے یا تجھے آقا کی نوکری ہی سے خارج کر دیا گیا ہے ؞

اس مثال سے آپ دین اور شریعت کے فرق کو بڑی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ مختلف رسولوں کے ذریعہ سے مختلف شریعتیں بھیجتا رہا۔ کسی کو نوکری کا ایک طریقہ بتایا اور کسی کو دوسرا طریقہ ان سب طریقوں کے مطابق جن جن لوگوں نے مالک کی اطاعت

کی وہ سب مسلمان تھے ۔ اگرچہ ان کی نوکری کے طریقے مختلف تھے ۔ پھر جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے تو آقا نے حکم دیا کہ اب پچھلے طریقوں کو ہم منسوخ کرتے ہیں ۔ آئندہ سے جس کو ہماری نوکری کرنی ہو وہ اس طریقے پر نوکری کرے ۔ جو اب ہم نے اپنے آخری وا لسّرائے کے ذریعہ سے بنائے ہیں ۔ اس کے بعد کسی نوکر کو پچھلے طریقوں پر نوکری کرنے کا حق باقی نہیں رہا ۔ اب اگر وہ نئے طریقہ کو نہیں مانتا اور پرانے طریقوں پہ چل رہا ہے تو وہ دراصل آقا کا حکم نہیں مانتا ۔ بلکہ اپنے دل کا کہا مان رہا ہے اس لئے وہ نوکری سے خارج ہے ۔ یعنی مذہب کی زبان میں کافر ہو گیا ہے ؛

یہ تو پچھلے انبیاءؑ کے ماننے والوں کے لئے ہے ۔ رہے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیرو ۔ تو اُن پہ اس مثال کا دُوسرا حصّہ صادق آتا ہے ۔ اللہ نے جو شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو بھیجی ہے ۔ اس کو خدا کی شریعت ماننے والے اور واجب التعمیل سمجھنے والے سب کے سب مسلمان ہیں ۔ اب اگر اس شریعت کے احکام کو ایک شخص کسی طرح سمجھتا ہے اور

دوسرا کسی اور طرح اور دونوں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں تو چاہے انکے عمل میں کتنا ہی فرق ہو۔ ان میں سے کوئی بھی نوکری سے خارج نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک جس طریقہ پر چل رہا ہے۔ یہی سمجھ کر تو چل رہا ہے کہ یہ آقا کا حکم ہے۔ پھر ایک نوکر کو یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ میں تو نوکر ہوں اور فلاں شخص نوکر نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بس یہی کہہ سکتا ہے کہ میں نے آقا کے حکم کا صحیح مطلب سمجھا۔ اور اس نے صحیح نہیں سمجھا۔ مگر وہ اسکو نوکری سے خارج کر دینے کا ہرگز مجاز نہیں ہے۔ جو شخص ایسی حرکت کرتا ہے وہ گویا خود آقا کا منصب اختیار کرتا ہے۔ وہ گویا یہ کہتا ہے کہ تو جس طرح آقا کے حکم کو ماننے پر مجبور ہے اگر تو میری سمجھ کو نہ مانے گا تو میں اپنے اختیار سے تجھ کو آقا کی نوکری سے خارج کر دونگا۔ غور کرو۔ یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اسی لئے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ناحق کافر کہیگا اسکا قول خود اسی پر پلٹ جائے گا۔ کیونکہ مسلمان کو تو خدا نے اپنے حکم کا غلام بنایا ہے اور یہ شخص کہتا ہے کہ نہیں۔ تم میری سمجھ اور میری رائے کی بھی غلامی کرو۔ یعنی صرف خدا

ہی تمہارا خدا نہیں ہے بلکہ میں بھی چھوٹا خدا ہوں اور میرا حکم نہ مانوگے تو میں اپنے اختیار سے تم کو خدا کی بندگی سے خارج کر دوں گا - چاہے خدا خارج کرے یا نہ کرے - ایسی بڑی بات جو شخص کہتا ہے - اس کے کہنے سے چاہے دوسرا مسلمان کافر ہو یا نہ ہوگا۔ وہ خود تو اپنے آپ کو کفر کے خطرے میں ڈال ہی دیتا ہے ؀

آپ نے دین اور شریعت کا فرق اچھی طرح سمجھ لیا - اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا کہ بندگی کے طریقوں میں اختلاف ہو جانے سے دین میں اختلاف نہیں ہوتا - بشرطیکہ آدمی جس طریقہ پر عمل کرے - نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ کر عمل کرے کہ خدا اور اس کے رسول نے وہی طریقہ بتایا ہے - جس پر وہ عامل ہے - اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ دین اور شریعت کے اس فرق کو نہ سمجھنے سے آپ کی جماعت میں کتنی خرابیاں واقع ہو رہی ہیں ؀

مسلمانوں میں نماز پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں - ایک شخص سینے پر ہاتھ باندھتا ہے - دوسرا ناف پر باندھتا ہے - ایک شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے - دوسرا

نہیں پڑھتا - ایک شخص آمین زور سے کہتا ہے۔ دوسرا آہستہ کہتا ہے - ان میں سے ہر شخص جس طریقہ پر چل رہا ہے یہی سمجھ کر چل رہا ہے کہ یہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ ہے اس لئے نماز کی صورتیں مختلف ہونے کے باوجود دونوں حضورؐ ہی کے پیرو ہیں - مگر جن ظالموں نے شریعت کے ان مسائل کو دین سمجھ رکھا ہے - انہوں نے محض انہی طریقوں کے اختلاف کو دین کا اختلاف سمجھ لیا - اپنی جماعتیں الگ کر لیں - اپنی مسجدیں الگ کر لیں - ایک دوسرے کو گالیاں دیں - مسجدوں سے مار مار کر نکال دیا - مقدمہ بازیاں کیں - پارٹی بندیاں کیں اور رسول اللہ کی امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ⁂

اس پر بھی لڑنے اور لڑانے والوں کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک نے دوسرے کو کافر اور فاسق اور گمراہ کہنا شروع کر دیا - ایک شخص قرآن سے یا حدیث سے ایک بات اپنی سمجھ کے مطابق نکالتا ہے تو خود اسکی پیروی پر اکتفا نہیں کرتا - بلکہ چاہتا ہے کہ دوسروں سے بھی اپنی سمجھ زبردستی تسلیم کرائے - اور اگر وہ اسے تسلیم نہ کریں تو انکو

خدا کے دین سے خارج کر دے ؟

آپ مسلمانوں میں حنفی، شافعی، اہل حدیث وغیرہ جو مختلف مذہب دیکھ رہے ہیں۔ یہ سب قرآن و احادیث کو آخری سند مانتے ہیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق وہیں سے احکام نکالتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کی سمجھ صحیح ہو اور دوسرے کی سمجھ غلط ہو۔ میں بھی ایک طریقہ کا پیرو ہوں اور اس کو صحیح سمجھتا ہوں اور اس کے خلاف جو لوگ ہیں۔ ان سے بحث بھی کرتا ہوں تاکہ جو بات میرے نزدیک صحیح ہے وہ انکو سمجھاؤں اور جس بات کو میں غلط سمجھتا ہوں۔ اُسے غلط ثابت کر دوں۔ لیکن کسی شخص کی سمجھ کا غلط ہونا اور بات ہے اور اسکا دین سے خارج ہونا اور بات۔ اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شریعت پر عمل کرنے کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اگر دس مسلمان دس مختلف طریقوں پر عمل کریں تو جب تک وہ شریعت کو مانتے ہیں۔ وہ سب مسلمان ہی ہیں۔ ایک ہی امت ہیں۔ انکی جماعتیں الگ الگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ مگر جو لوگ اس چیز کو نہیں سمجھتے۔ وہ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر فرقے بناتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کٹ جاتے ہیں۔ اپنی نمازیں اور مسجدیں الگ کر لیتے ہیں ایک

دوسرے سے شادی بیاہ، میل جول اور ربط ضبط بند کر دیتے ہیں اور اپنے اپنے ہم مذہبوں کے جتھے اِس طرح بنا لیتے ہیں کہ گویا ہر جتھا ایک الگ اُمّت ہے :۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس فرقہ بندی سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے کو مسلمان ایک اُمّت ہیں۔ ہندوستان میں ان کی آٹھ نو کروڑ کی تعداد ہے۔ اِتنی بڑی جماعت اگر واقعی ایک ہو اور پورے اتّفاق کے ساتھ خُدا کا کلمہ بلند کرنے کے لئے کام کرے تو دنیا میں کون اتنا دم رکھتا ہے جو اس کو نیچا دکھا سکے۔ مگر حقیقت میں اس فرقہ بندی کی بدولت اس اُمت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ انکے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی مل کر کھڑے نہیں ہو سکتے۔ ایک فرقے کا مسلمان دوسرے فرقے والوں سے اتنا ہی تعصّب رکھتا ہے جتنا ایک یہودی ایک عیسائی سے رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ ایک فرقے والے نے دوسرے فرقے والے کو نیچا دکھانے کے لئے کفار کا ساتھ دیا ہے ایسی حالت میں اگر مسلمانوں کو آپ ہندوستان میں مغلوب

دیکھ رہے ہیں تو تعجب نہ کیجئے۔ یہ ان کے اپنے ہاتھوں کی
کمائی ہے۔ ان پر وہ عذاب نازل ہوا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ
نے اپنی کتاب پاک میں اس طرح بیان کیا ہے کہ :۔
اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ ... ۔ یعنی
اللہ کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ تم کو مختلف
فرقوں میں تقسیم کر دے اور تم آپس ہی میں کٹ مرو۔
آج اس عذاب میں سارے ہندوستان کے مسلمان
... ہیں۔ اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان جتھوں کو توڑیئے
... کے بھائی ... ک امت بن
جائیے ... جب
بنا ... شیعہ
عزہ اللہ ... لت
... لمہ

عبد الحمید خاں پرنٹر و پبلشر نے چھپوا کر تاج کمپنی ... کیا

حقیقت صوم و صلوٰۃ

عبدالمجید خاں پرنٹر و پبلشر کے چھپوا کر تاج کمپنی
کیا

112

فہرست

مضمون | صفحہ
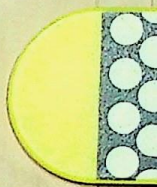
عبادت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں بیان فرمایا ہے۔ کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ؕ یعنی "میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا اور کسی غرض کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں" اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیدائش اور آپ کی زندگی کا مقصد اللہ کی عبادت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عبادت کا مطلب جاننا آپ کے لئے کس قدر ضروری ہے اگر آپ اس کے صحیح معنی سے ناواقف ہوں گے تو گویا اس مقصد ہی کو پورا نہ کر سکیں گے جس کے لئے آپکو پیدا کیا گیا ہے اور جو چیز اپنے مقصد کو پورا نہیں کرتی۔ ناکام ہوتی ہے ؀

عبادت کا لفظ "عبد" سے نکلا ہے۔ عبد کے معنی بندے

اور غلام کے ہیں - اِس لئے عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے - جو شخص کسی کا بندہ ہو - اگر وہ اس کے مقابلہ میں بندہ بن کر رہے اور اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح آقا کے ساتھ پیش آنا چاہیئے تو یہ بندگی اور عبادت ہے - اس کے مقابلہ میں جو شخص کسی کا بندہ ہو اور آقا سے تنخواہ بھی پوری پوری وصول کرتا ہو - مگر آقا کے حضور میں بندوں کا سا کام نہ کرے تو اسے نافرمانی اور سرکشی کہا جاتا ہے - بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اسے نمک حرامی کہتے ہیں ؞

اب غور کیجئے کہ آقا کے مقابلہ میں بندوں کا سا طریقہ اختیار کرنے کی کیا صورت ہے ؞

بندے کا پہلا کام یہ ہے کہ آقا ہی کو آقا سمجھے اور یہ خیال کرے کہ جو میرا مالک ہے ، جو مجھے رزق دیتا ہے - جو میری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہے - اسی کی وفاداری مجھ پر فرض ہے اسکے سوا اور کوئی اس کا مستحق نہیں کہ میں اسکی وفاداری کروں ؞

بندے کا دوسرا کام یہ ہے کہ ہر وقت آقا کی اطاعت کرے اس کے حکم کو بجالائے - کبھی اس کی خدمت سے مُنہ نہ موڑے اور آقا کی مرضی کے خلاف نہ خود اپنے دل سے کوئی بات کرے - نہ

کسی دوسرے شخص کی بات ملنے۔ غلام ہر وقت ہر حال میں غلام ہے۔ اسے یہ کہنے کا حق ہی نہیں کہ آقا کی فلاں بات مانوں گا اور فلاں بات نہ مانوں گا یا اتنی دیر کے لئے میں آقا کا غلام ہوں اور باقی وقت میں اس کی غلامی سے آزاد ہوں ۞

بندے کا تیسرا کام یہ ہے کہ آقا کا ادب اور اس کی تعظیم کرے۔ جو طریقہ ادب اور تعظیم کرنے کا آقا نے مقرر کیا ہو اس کی پیروی کرے۔ جو وقت سلامی کے لئے حاضر ہونے کا آقا نے مقرر کیا ہو۔ اس وقت ضرور حاضر ہو اور اس بات کا ثبوت دے کہ میں اس کی وفاداری اور اطاعت میں ثابت قدم ہوں ۞

بس یہی تین چیزیں ہیں۔ جن سے مل کر عبادت بنتی ہے ایک، آقا کی وفاداری۔ دوسرے آقا کی اطاعت، تیسرے، اس کا ادب اور اس کی تعظیم۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ تو اسکا مطلب دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف اللہ کے وفادار ہوں۔ اس کے خلاف کسی کے وفادار نہ ہوں۔ صرف اللہ کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس کے خلاف کسی کا حکم نہ مانیں اور اس کے آگے ادب اور تعظیم سے سر جھکائیں۔ اس کے

سوا کسی دوسرے کے آگے سر نہ جھکائیں - انہی تین چیزوں کو اللہ نے "عبادت" کے جامع لفظ میں بیان کیا ہے - یہی مطلب اُن تمام آیتوں کا ہے - جن میں اللہ نے اپنی عبادت کا حکم دیا ہے اور ہمارے نبی کریمؐ، اور آپ سے پہلے جتنے نبی خدا کی طرف سے آئے ہیں - ان سب کی تعلیم کا سار الُبِّ لُباب یہی ہے - کہ اَلَّا تَعبُدُوْا اِلَّا اللہ ط "اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو" یعنی صرف ایک بادشاہ ہے - جس کا تمہیں وفادار ہونا چاہیئے اور وہ بادشاہ اللہ ہے - صرف ایک قانون ہے جس کی تمہیں پیروی کرنی چاہیئے اور وہ قانون اللہ کا قانون ہے اور صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کی تمہیں پوجا اور پرستش کرنی چاہیئے اور وہ ہستی اللہ کی ہے ؎

عبادت کا یہ مطلب اپنے ذہن میں رکھئے اور پھر ذرا میرے سوالات کا جواب دیتے جائیے ؎

آپ اس نوکر کے متعلق کیا کہیں گے جو آقا کی مقرر کی ہوئی ڈیوٹی پر جانے کے بجائے ہر وقت بس اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے اور لاکھوں مرتبہ اسکا نام جپتا چلا جائے؟ آقا اس سے کہتا ہے کہ جا کر فلاں فلاں آدمیوں کے حق ادا کر - مگر

یہ جاتا نہیں بلکہ وہیں کھڑے آقا کو جھک جھک کر دس سلام کرتا ہے اور پھر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آقا اسے حکم دیتا ہے کہ جا اور فلاں فلاں خرابیوں کو مٹا دے۔ مگر یہ ایک انچ وہاں سے نہیں ہٹتا اور سجدے پر سجدے کئے چلا جاتا ہے۔ آقا حکم دیتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دے۔ یہ حکم سُن کر بس وہیں کھڑے کھڑے نہایت خوش الحانی کے ساتھ "چور کا ہاتھ کاٹ دے"، "چور کا ہاتھ کاٹ دے" بیسیوں مرتبہ پڑھتا رہتا ہے مگر ایک دفعہ بھی اس نظامِ حکومت کے قیام کی کوشش نہیں کرتا جسمیں شرعی حدود جاری ہوں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص حقیقت میں آقا کی بندگی کر رہا ہے؟ اگر آپکا کوئی ملازم یہ رویہ اختیار کرے۔ تو میں جانتا ہوں۔ کہ آپ اُسے کیا کہیں گے۔ مگر حیرت ہے آپ پر کہ خدا کا جو نوکر ایسا کرتا ہے۔ آپ اُسے بڑا عبادت گذار کہتے ہیں۔ یہ ظالم صبح سے شام تک خدا جانے کتنی مرتبہ قرآن شریف میں خدا کے احکام پڑھتا ہے۔ مگر ان احکام کو بجا لانے کے لئے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کرتا۔ بلکہ نفل پر نفل پڑھے جاتا ہے۔ ہزار دانہ تسبیح پر خدا کا نام جپتا ہے اور خوش الحانی کے ساتھ

قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ آپ اس کی یہ حرکتیں دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیسا عابد زاہد بندہ ہے! یہ غلط فہمی صرف اس وجہ سے ہے کہ آپ عبادت کا صحیح مطلب نہیں جانتے ؎

ایک اور نوکر ہے جو رات دن ڈیوٹی تو غیروں کی انجام دیتا ہے۔ احکام غیروں کے سنتا اور مانتا ہے۔ قانون پر غیروں کے عمل کرتا ہے اور اپنے اصلی آقا کے فرمان کی ہر وقت خلاف ورزی کیا کرتا ہے۔ مگر سلامی کے وقت آقا کے سامنے جا حاضر ہوتا ہے اور زبان سے آقا ہی کا نام جپتا رہتا ہے اگر آپ میں سے کسی شخص کا نوکر یہ طریقہ اختیار کرے تو آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ اس کی سلامی کو اس کے منہ پر نہ مار دیں گے؟ جب وہ زبان سے آپکو آقا اور مالک کہے گا تو کیا آپ فوراً یہ جواب نہ دیں گے کہ تو پرلے درجہ کا جھوٹا اور بے ایمان ہے تنخواہ مجھ سے لیتا ہے اور نوکری دوسروں کی کرتا ہے۔ زبان سے مجھے آقا کہتا ہے اور حقیقت میں میرے سوا ہر ایک کی خدمت کرتا پھرتا ہے؟ یہ تو ایک معمولی عقل کی بات ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے مگر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ دن رات خدا کے قانون کو توڑتے ہیں۔ کفار و

مشرکین کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے معاملات میں خدا کے احکام کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کی نماز اور روزے اور تسبیح اور تلاوتِ قرآن اور حج اور زکوٰۃ کو آپ خدا کی عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ عبادت کے اصل مطلب سے ناواقف ہیں ؛

ایک اور نوکر کی مثال لیجیئے آقا نے اپنے نوکروں کے لئے جو وردی مقرر کی ہے۔ یہ ٹھیک ناپ تول کے ساتھ اس وردی کو پہنتا ہے۔ بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ آقا کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ ہر حکم کو سن کر اس طرح جھک کر "بسر و چشم" کہتا ہے کہ گویا اس سے بڑھ کر اطاعت گذار خادم کوئی نہیں۔ سلامی کے وقت سب سے آگے جا کھڑا ہوتا ہے اور آقا کا نام جپنے میں تمام نوکروں سے بازی لیجاتا ہے۔ مگر آقا کے دشمنوں اور باغیوں کی خدمت بجا لاتا ہے۔ آقا کے خلاف ان کی سازشوں میں حصہ لیتا ہے اور آقا کے نام کو دنیا سے مٹانے میں جو کوشش بھی وہ کرتے ہیں۔ اس میں یہ کم بخت انکا ساتھ دیتا ہے۔ رات کے اندھیرے میں تو آقا کے گھر میں نقب لگاتا ہے اور صبح بڑے وفادار ملازموں کی طرح

ہاتھ باندھ کر آقا کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ ایسے نوکر کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟ یہی نا کہ وہ منافق ہے۔ باغی ہے نمک حرام ہے۔ مگر خدا کے جو نوکر ایسے ہیں۔ انکو آپ کیا کہا کرتے ہیں؟ کسی کو پیر صاحب اور کسی کو حضرت مولانا اور کسی کو دیندار متقی عبادت گذار۔ یہ صرف اس لئے کہ آپ انکے منہ پہ پورے ناپ کی داڑھیاں دیکھ کر۔ انکے ٹخنوں سے دو دو انچ اونچے پاجامے دیکھ کر، انکی پیشانیوں پر نماز کے گٹے دیکھ کر اور ان کی لمبی لمبی نمازیں اور موٹی موٹی تسبیحیں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے دیندار اور عبادت گذار ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ نے عبادت اور دینداری کا مطلب ہی غلط سمجھا ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکنا، زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرنا اور چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا۔ بس یہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادت ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنے کا نام عبادت ہے۔ آپ

سمجھتے ہیں کہ قرآن کے چند رکوع زبان سے پڑھ دینے کا نام عبادت ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ مکّہ معظمہ جا کر کعبے کے گرد طواف کرنے کا نام عبادت ہے۔ غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے اور جب کوئی شخص ان شکلوں کے ساتھ ان افعال کو ادا کر دیتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ اس نے خدا کی عبادت کر دی اور مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب وہ اپنی زندگی میں آزاد ہے کہ جو چاہے کرے۔

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس عبادت کے لئے آپ کو پیدا کیا ہے اور جس کا آپکو حکم دیا ہے۔ وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہ عبادت یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہر وقت ہر حال میں خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور ہر اس قانون کو توڑیں جو قانونِ الٰہی کے خلاف ہو۔ آپ کی ہر جنبش اس حد کے اندر ہو جو خدا نے آپ کے لئے مقرر کی ہے۔ آپکا ہر فعل اس طریقہ کے مطابق ہو جو خدا نے دیا ہے۔ اس طرز پر جو زندگی آپ بسر کریں گے وہ پوری کی پوری عبادت ہو گی ایسی زندگی میں آپ کا سونا بھی عبادت ہے اور جاگنا بھی۔ کھانا بھی عباد

ہے اور بینا بھی۔ چلنا پھرنا بھی عبادت ہے اور بات کرنا بھی۔
حتیٰ کہ اپنی بیوی کے پاس جانا اور اپنے بچّے کو پیار کرنا بھی
عبادت ہے۔ جن کاموں کو آپ بالکل دنیاداری کہتے ہیں
وہ سب دینداری اور عبادت ہیں۔ اگر آپ انکو انجام دینے
میں خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کا لحاظ کریں اور زندگی میں
ہر ہر قدم یہ دیکھ کر چلیں کہ خدا کے نزدیک جائز کیا ہے اور ناجائز
کیا ہے۔ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے۔ کس چیز سے خدا
خوش ہوتا ہے اور کس چیز سے ناراض ہوتا ہے۔ مثلاً آپ
روزی کمانے کے لئے نکلتے ہیں۔ اِس کام میں بہت سے موقع
ایسے بھی آتے ہیں۔ جن میں حرام کا مال آسانی کے ساتھ آپ کو
مِل سکتا ہے۔ اگر آپ نے خدا سے ڈر کر وہ مال نہ لیا۔ اور
صرف حلال کی روٹی کما کر لائے تو یہ جتنا وقت آپ نے روٹی
کمانے میں صرف کیا۔ یہ سب عبادت تھی اور یہ روٹی لاکر جو آپ
نے خود کھائی اور اپنی بیوی بچوں اور خدا کے مقرر کئے ہوئے
دوسرے حقداروں کو کھلائی۔ اس پہ آپ اجر و ثواب کے
مستحق ہو گئے۔ آپ نے اگر راستہ چلتے میں کوئی پتھر یا کانٹا
ہٹا دیا۔ اس خیال سے کہ خدا کے بندوں کو تکلیف نہ ہو تو یہ

بھی عبادت ہے۔ آپ نے اگر کسی بیمار کی خدمت کی یا کسی اندھے
کو راستہ چلایا یا کسی مصیبت زدہ کی مدد کی۔ تو یہ بھی عبادت ہے
آپ نے اگر بات چیت کرنے میں جھوٹ سے، غیبت سے،
بدگوئی اور دل آزاری سے پرہیز کیا اور خدا سے ڈر کر صرف
حق بات کی تو جتنا وقت آپ نے بات چیت میں صرف کیا وہ
سب عبادت میں صرف ہوا ؎

پس خدا کی اصلی عبادت یہ ہے کہ ہوش سنبھالنے کے بعد
سے مرتے دم تک آپ خدا کے قانون پر چلیں اور اس کے احکام
کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اِس عبادت کے لئے کوئی وقت مقرر
نہیں ہے۔ یہ عبادت ہر وقت ہونی چاہیئے۔ اِس عبادت کے
لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہر کام اور شکل میں اسی کی عبادت ہونی
چاہیئے۔ جب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فلاں وقت خدا کا بندہ
ہوں اور فلاں وقت اسکا بندہ نہیں ہوں تو آپ یہ بھی نہیں
کہہ سکتے کہ فلاں وقت خدا کی بندگی و عبادت کے لئے ہے اور
فلاں وقت اس کی بندگی و عبادت کے لئے نہیں ہے ؎

آپکو عبادت کا مطلب معلوم ہو گیا کہ زندگی میں ہر وقت
ہر حال میں خدا کی بندگی و اطاعت کرنے کا نام ہی عبادت

ہے۔ اب آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز روزہ اور حج وغیرہ کیا چیزیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ عبادتیں جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں۔ ان کا مقصد آپ کو بڑی عبادت کے لیے تیار کرنا ہے جو آپ کو زندگی میں ہر وقت ہر حال میں ادا کرنی چاہیئے۔ نماز آپ کو دن میں پانچ وقت یاد دلاتی ہے کہ تم اللہ کے بندے ہو۔ اسی کی بندگی تمہیں کرنی چاہیئے۔ روزہ سال میں ایک مرتبہ پورے ایک مہینہ تک آپ کو اسی بندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ زکوٰۃ آپ کو بار بار توجہ دلاتی ہے کہ یہ مال جو تم نے کمایا ہے۔ یہ خدا کا عطیہ ہے اس کو صرف اپنے نفس کی خواہشات پر صرف نہ کرو۔ بلکہ اپنے مالک کا حق ادا کرو حج دل پر خدا کی محبت اور بزرگی کا ایک ایسا نقش بٹھاتا ہے کہ ایک مرتبہ اگر وہ بیٹھ جائے تو تمام عمر اس کا اثر دل سے دور نہیں ہو سکتا۔ ان سب عبادتوں کو ادا کرنے کے بعد اگر آپ اس قابل ہو گئے کہ آپ کی ساری زندگی خدا کی عبادت بن جائے تو بلاشبہ آپ کی نماز نماز ہے۔ روزہ روزہ ہے زکوٰۃ زکوٰۃ ہے اور حج حج ہے۔ لیکن اگر یہ مقصد پورا نہ ہوا تو محض رکوع اور سجدہ کرنے اور بھوک اور پیاس کے ساتھ دن گزارنے

اور حج کی رسمیں ادا کر دینے اور زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ اِن ظاہری طریقوں کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو۔ اگر اس میں جان ہے اور وہ چلتا پھرتا اور کام کرتا ہے تو بلاشبہ ایک زندہ انسان ہے۔ لیکن اگر اس میں جان ہی نہیں تو وہ ایک مردہ لاش ہے۔ مردے کے ہاتھ۔ پاؤں، آنکھ ناک سب ہی کچھ ہوتے ہیں مگر اس میں جان نہیں ہوتی۔ اس لئے تم اسے مٹی میں دبا دیتے ہو۔ اِسی طرح اگر نماز کے ارکان پورے ادا ہوں یا روزے کی شرطیں پوری ادا کر دی جائیں۔ مگر وہ مقصد پورا نہ ہو۔ جس کے لئے نماز اور روزہ فرض کیا گیا ہے تو وہ بھی ایک بے جان چیز ہو گی؛

آئندہ مضامین میں میں آپ کو بتاؤں گا کہ جو عبادتیں فرض کی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کس طرح اس بڑی عبادت کے لئے انسان کو تیار کرتی ہے اور اگر ان عبادتوں کو آپ سمجھ کر ادا کریں اور انکا اصل مقصد پورا کرنے کی کوشش کریں تو اس سے آپ کی زندگی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے ؛

نماز

آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ عبادت در اصل بندگی کو کہتے ہیں اور جب آپ خدا کے بندے ہی پیدا ہوئے ہیں تو آپ کسی وقت کسی حال میں بھی اس کی بندگی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ جس طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اتنے گھنٹے یا منٹ کے لئے۔ میں خدا کا بندہ ہوں اور باقی وقت میں اس کا بندہ نہیں ہوں۔ اسی طرح آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ میں اتنا وقت خدا کی عبادت میں صرف کروں گا اور باقی اوقات میں مجھے آزادی ہے کہ جو چاہوں کروں۔ آپ تو خدا کے پیدائشی غلام ہیں۔ اس نے آپ کو اپنی بندگی ہی کے لئے پیدا کیا ہے لہذا آپ کی ساری زندگی اس کی عبادت میں صرف ہونی چاہیئے اور کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو اس کی عبادت سے غافل نہ ہونا چاہیئے ؎

یہ بھی آپکو بتایا جاچکا ہے کہ عبادت کے معنی دنیا کے کام کاج سے الگ ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانے اور اللہ اللہ کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ در اصل عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں آپ جو کچھ بھی کریں۔ خدا کے قانون کے مطابق کریں۔ آپ کا سونا اور جاگنا، آپ کا کھانا اور پینا۔ آپ کا چلنا اور پھرنا۔ غرض سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔ آپ جب اپنے گھر میں بیوی بچوں، بھائی بہنوں اور عزیز رشتہ داروں کے پاس ہوں تو اُن کے ساتھ اس طرح پیش آئیں۔ جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔ جب اپنے دوستوں میں ہنسیں اور بولیں۔ اس وقت بھی آپ کو خیال رہے کہ خدا کی بندگی سے آزاد نہیں ہیں۔ جب آپ روزی کمانے کے لئے نکلیں اور لوگوں سے لین دین کریں۔ اس وقت بھی ایک ایک بات اور ایک ایک کام میں خدا کے احکام کا خیال رکھیں اور کبھی اس حد سے نہ بڑھیں جو خدا نے مقرر کردی ہے۔ جب آپ رات کے اندھیرے میں ہوں اور کوئی گناہ اس طرح کر سکتے ہوں کہ دنیا میں کوئی آپ کو دیکھنے والا نہ ہو۔ اس وقت بھی آپ کو یاد رہے کہ خدا آپ کو دیکھ رہا ہے اور در اصل ڈر

اس کا ہونا چاہیئے نہ کہ دنیا کے لوگوں کا، آپ جب جنگل میں تنہا جا رہے ہوں اور وہاں کوئی جرم اس طرح کر سکتے ہوں کہ کسی پولیس مین اور کسی گواہ کا کھٹکا نہ ہو تو اس وقت بھی آپ خدا کو یاد کر کے ڈر جائیں اور جرم سے باز رہیں۔ جب آپ جھوٹ اور بے ایمانی اور ظلم سے بہت سا فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور کوئی آپ کو روکنے والا نہ ہو۔ اس وقت بھی آپ خدا سے ڈریں اور اس فائدے کو اس لئے چھوڑ دیں کہ خدا اس سے ناراض ہوگا اور جب سچائی اور ایمانداری میں سراسر آپ کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ اس وقت بھی آپ نقصان اُٹھانا قبول کر لیں۔ صرف اس لئے کہ خدا اس سے خوش ہوگا۔ پس دنیا کو چھوڑ کر کونوں اور گوشوں میں جا بیٹھنا اور تسبیح ہلانا عبادت نہیں ہے بلکہ دنیا کے دھندوں میں پھنس کر خدا کے قانون کی پابندی کرنا عبادت ہے۔ ذکرِ الٰہی کا مطلب یہ نہیں کہ زبان پر اللہ اللہ جاری ہو۔ بلکہ اصلی ذکرِ الٰہی یہ ہے کہ دُنیا کے جھگڑوں اور بکھیڑوں میں پھنس جاؤ۔ اور اس ہنگامے میں خدا کو یاد رکھو۔ جو چیزیں خدا سے غافل کرنے والی ہیں۔ ان میں پھنسو اور پھر خدا سے غافل نہ ہو۔ دنیا کی زندگی میں جہاں خدائی

قانون کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فائدوں کا لالچ اور نقصان کا خوف لئے ہوئے آتے ہیں۔ وہاں خدا کو یاد کرو اور اس کے قانون کی پیروی پر قائم رہو۔ یہ ہے اصلی یادِ خدا۔ اس کا نام ہے ذکرِ الٰہی! اور اسی ذکر کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے کہ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی "جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ خدا کے فضل یعنی رزقِ حلال کی تلاش میں دوڑ دھوپ کرو اور اس دوڑ دھوپ میں خدا کو کثرت سے یاد کرو۔ تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو"

عبادت کا یہ مطلب ذہن میں رکھئے اور غور کیجئے کہ اتنی بڑی عبادت انجام دینے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے اور نماز کس طرح وہ سب چیزیں انسان میں پیدا کرتی ہے:

سب سے پہلے تو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ کو یاد دلایا جاتا رہے کہ آپ خدا کے بندے ہیں اور اسی کی بندگی ہر وقت ہر کام میں کرنی ہے۔ یہ یاد دلانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ایک شیطان آدمی کے نفس میں بیٹھا ہوا ہے۔ جو

ہر وقت کہتا رہتا ہے کہ تُو میرا بندہ ہے اور لاکھوں کروڑوں شیطان ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر شیطان یہی کہہ رہا ہے کہ تو میرا بندہ ہے۔ ان شیطانوں کا طلسم اس وقت تک نہیں ٹوٹ سکتا۔ جب تک انسان کو دن میں کئی کئی بار یہ یاد نہ دلایا جائے کہ تو کسی کا بندہ نہیں۔ صرف خدا کا بندہ ہے۔ یہی کام نماز کرتی ہے۔ صبح اُٹھتے ہی سب کاموں سے پہلے وہ آپ کو یہی بات یاد دلاتی ہے۔ پھر جب آپ دِن کو اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس وقت پھر تین مرتبہ اسی یاد کو تازہ کرتی ہے اور پھر جب آپ رات کو سونے کے لیئے جاتے ہیں تو آخری بار پھر اسی کا اعادہ کرتی ہے یہ نماز کا پہلا فائدہ ہے اور قرآن میں اسی بنا پر نماز کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی یہ خدا کی یاد ہے ؎

پھر چونکہ آپ کو اس زندگی میں ہر ہر قدم پر خدا کے احکام بجالانے ہیں۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ میں فرض شناسی کا مادّہ پیدا ہو۔ اور اس کے ساتھ فرض کو مستعدی سے انجام دینے کی عادت بھی ہو۔ جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ فرض کے معنی کیا ہیں۔ وہ تو کبھی احکام کی اطاعت کر ہی نہیں

سکتا۔ اور جو شخص فرض کے معنی تو جانتا ہو۔ مگر اس کی تربیت اتنی خراب ہو کہ فرض کو فرض جاننے کے باوجود اسے ادا کرنے کی پروا نہ کرے۔ اس سے کبھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں جو ہزاروں احکام اُسے دیئے جائیں گے۔ اُن کو وہ مستعدی کے ساتھ انجام دیگا؛

جن لوگوں کو فوج یا پولیس میں ملازمت کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اِن دونوں ملازمتوں میں ڈیوٹی کو سمجھنے اور اسے ادا کرنے کی مشق کس طرح کرائی جاتی ہے۔ رات دن میں کئی کئی بار بگل بجایا جاتا ہے۔ سپاہیوں کو ایک جگہ حاضر ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ان سے قواعد کرائی جاتی ہے۔ یہ سب اسی لئے ہے کہ ان کو حکم بجالانے کی عادت ہو۔ اور ان میں سے جو لوگ ایسے سست اور نالائق ہوں کہ بگل کی آواز سن کر بھی گھر بیٹھے رہیں یا قواعد میں حکم کے مطابق حرکت نہ کریں۔ انہیں پہلے ہی ناکارہ سمجھ کر ملازمت سے الگ کر دیا جائے۔ بس اسی طرح نماز بھی دن میں پانچ وقت بگل بجاتی ہے تاکہ اللہ کے سپاہی اس کو سن کر ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں اور ثابت کریں کہ وہ اللہ کے احکام کو ماننے کیلئے

مستعد ہیں۔ جو مسلمان اس بگل کو سُن کر بھی بیٹھا رہتا ہے
اور اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ وہ دراصل یہ ثابت کرتا ہے کہ
وہ یا تو فرض کو پہچانتا ہی نہیں یا اگر پہچانتا ہے تو اتنا نالائق
اور ناکارہ ہے کہ خدا کی فوج میں رہنے کے قابل نہیں ۞
اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اذان
کی آواز سن کر اپنے گھروں سے نہیں نکلتے۔ میرا جی چاہتا
ہے کہ جا کر اُن کے گھروں میں آگ لگا دوں۔ اور یہی وجہ ہے
کہ حدیث میں نماز پڑھنے کو کفر اور اسلام کے درمیان وجہ
تمیز قرار دیا گیا ہے۔ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں کوئی
ایسا شخص مسلمان ہی نہ سمجھا جاتا تھا جو نماز کے لئے جماعت
میں حاضر نہ ہوتا ہو۔ حتیٰ کہ منافقین بھی۔ جنہیں اس امر کی
ضرورت ہوتی تھی کہ ان کو مسلمان سمجھا جائے۔ اِس امر پہ مجبور
ہوتے تھے کہ نماز با جماعت میں شریک ہوں۔ چنانچہ قرآن
میں جس چیز پہ منافقین کو ملامت کی گئی ہے۔ وہ یہ نہیں ہے
کہ وہ نماز نہیں پڑھتے۔ بلکہ یہ ہے کہ وہ با دلِ ناخواستہ
نہایت بد دلی کے ساتھ نماز کے لیے اُٹھتے ہیں۔ وَإِذَا
قَامُوٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى ۞

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی ایسے شخص کے مسلمان سمجھے جانے کی گنجائش نہیں ہے جو نماز نہ پڑھتا ہو۔ اس لئے کہ اسلام محض ایک اعتقادی چیز نہیں۔ بلکہ ایک عملی چیز ہے اور عملی چیز بھی ایسی کہ زندگی میں ہر وقت ہر لمحہ ایک مسلمان کو اسلام پر عمل کرنے اور کفر و فسق سے لڑنے کی ضرورت ہے۔ ایسی زبردست عملی زندگی کے لئے لازم ہے کہ مسلمان خدا کے احکام بجا لانے کے لئے ہر وقت مستعد ہو۔ جو شخص اس قسم کی مستعدی نہیں رکھتا۔ وہ اسلام کے لئے قطعاً ناکارہ ہے۔ اسی لئے دن میں پانچ وقت نماز فرض کی گئی ہے تاکہ جو لوگ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔ اُن کا بار بار امتحان لیا جاتا رہے کہ وہ فی الواقع مسلمان ہیں یا نہیں۔ اور فی الواقع اس عملی زندگی میں خدا کے احکام بجا لانے کے لئے مستعد ہیں یا نہیں۔ اگر وہ خدائی پریڈ کا بگل سُن کر جنبش نہیں کرتے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اسلام کی عملی زندگی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس کے بعد اُنکا خدا کو ماننا اور رسول کو ماننا محض بے معنی ہے۔ اسی بنا پر قرآن میں ارشاد ہے کہ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ یعنی جو

لوگ خدا کی اطاعت اور بندگی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ صرف انہی پر نماز گراں گذرتی ہے اور جس پر نماز گراں گذرے وہ خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ وہ خدا کی بندگی واطاعت کے لئے تیار نہیں ہے ؛

تیسری چیز خدا کا خوف ہے جس کے ہر آن دل میں تازہ رہنے کی ضرورت ہے مسلمان اسلام کے مطابق عمل کر ہی نہیں سکتا۔ جب تک اُسے یقین نہ ہو کہ خدا ہر وقت ہر جگہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی ہر ہر حرکت کا خدا کو علم ہے۔ خدا اندھیرے میں بھی اس کو دیکھتا ہے۔ خدا تنہائی میں بھی اس کے ساتھ ہے۔ تمام دنیا سے چھپ جانا ممکن ہے۔ مگر خدا سے چھپنا ممکن نہیں۔ تمام دنیا کی سزاؤں سے آدمی بچ سکتا ہے۔ مگر خدا کی سزا سے بچنا غیر ممکن ہے۔ یہی یقین آدمی کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے روکتا ہے۔ اسی یقین کے زور سے وہ حلال اور حرام کی ان حدود کا لحاظ رکھنے پر مجبور ہوتا ہے جو اللہ نے زندگی کے معاملات میں قائم کی ہیں۔ اگر یہ یقین کمزور ہو جائے تو مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان کی زندگی بسر کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے اللہ نے دن میں پانچ وقت

نماز فرض کی ہے تاکہ وہ اِس یقین کو دل میں بار بار مضبوط کرتی رہے ۔ چنانچہ قرآن میں خود اللہ ہی نے نماز کی اس مصلحت کو بیان فرما دیا ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھیٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی "نماز وہ چیز ہے ۔ جو انسان کو بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے" اِس کی وجہ آپ غور کر کے خود سمجھ سکتے ہیں مثلاً آپ نماز کے لئے پاک ہو کر اور وضو کر کے آتے ہیں ۔ اگر آپ ناپاک ہوں اور غسل کئے بغیر آ جائیں یا آپکے کپڑے ناپاک ہوں اور انہی کو پہنے ہوئے آ جائیں یا آپ کو وضو نہ ہو اور آپ کہہ دیں کہ میں وضو کر کے آیا ہوں تو دنیا میں کون آپ کو پکڑ سکتا ہے ؟ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے ۔ کیوں ؟ اسلئے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سے یہ گناہ نہیں چھپ سکتا ۔ اِسی طرح نماز میں جو چیزیں آہستہ پڑھی جاتی ہیں اگر ان کو آپ نہ پڑھیں یا ان کے سوا کچھ اور پڑھیں تو کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی ۔ مگر آپ کبھی ایسا نہیں کرتے ۔ یہ کس لئے ؟ اِسی لئے کہ آپ کو یقین ہے کہ خدا سب کچھ سن رہا ہے اور آپ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ۔ اِسی طرح آپ جنگل میں بھی نماز پڑھتے ہیں ۔ رات کے اندھیرے میں بھی

نماز پڑھتے ہیں۔ اپنے گھر میں جب تنہا ہوتے ہیں اس وقت
بھی نماز پڑھتے ہیں۔ حالانکہ کوئی آپ کو دیکھنے والا نہیں ہوتا
اور کسی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی ہے۔
اسکی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ آپ چھپ کر بھی خدا کے حکم کی خلاف
ورزی کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اور آپ کو یقین ہے کہ خدا سے کسی
جرم کو چھپانا ممکن نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ
نماز کس طرح خدا کا خوف اور اسکے حاضر و ناظر اور علیم و خبیر
ہونے کا یقین آدمی کے دل میں بٹھاتی اور تازہ کرتی رہتی ہے۔
رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں آپ ہر وقت خدا کی عبادت اور
بندگی کیسے کر سکتے ہیں۔ جب تک کہ یہ خوف اور یہ یقین آپکے
دل میں تازہ نہ ہوتا رہے۔ اگر اس چیز سے آپکا دل خالی ہو تو
کیونکر ممکن ہے کہ رات دن جو ہزاروں معاملات دنیا میں پیش
آتے ہیں۔ اُن میں آپ خدا سے ڈر کر نیکی پر قائم رہیں گے
اور بدی سے بچیں گے؟

چوتھی چیز جو عبادت الٰہی کے لئے نہایت ضروری ہے
وہ یہ ہے کہ آپ خدا کے قانون سے واقف ہوں۔ اسلئے کہ اگر
آپ کو قانون کا علم ہی نہ ہو تو آپ اسکی پابندی کیسے کر سکتے ہیں؟

یہ کام بھی نماز انجام دیتی ہے - نماز میں قرآن جو پڑھا جاتا ہے
یہ اسی لئے ہے کہ روزانہ آپ خدا کے احکام اور اس کے
قانون سے واقف ہوتے رہیں - جمعہ کا خطبہ بھی اسی لئے ہے
کہ آپ کو اسلام کی تعلیم سے واقفیت ہو - نماز با جماعت
اور جمعہ سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ عالم اور عامی بار بار
ایک جگہ جمع ہوتے رہیں اور آپ لوگوں کو ہمیشہ خدا کے
احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا رہے - اب یہ آپ کی
بدقسمتی ہے کہ آپ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں - اس سے واقف
ہونے کی کوشش نہیں کرتے - آپکو جمعہ کے خطبے بھی ایسے سنائے
جاتے ہیں - جن سے آپ کو اسلام کا کوئی علم نہیں ہوتا - اور نماز
کی جماعت میں آکر نہ آپ کے عالم اپنے جاہل بھائیوں کو کچھ
سکھاتے ہیں اور نہ جاہل اپنے عالم بھائیوں سے کچھ پوچھتے
ہیں - نماز تو آپ کو اِن سب فائدوں کا موقع دیتی ہے - آپ
خود فائدہ نہ اُٹھائیں تو نماز کا کیا قصور ؟

پانچویں چیز یہ ہے کہ ہر مسلمان زندگی کے اس ہنگامہ
میں اکیلا نہ ہو - سب مسلمان مِل کر ایک مضبوط جماعت بنیں
اور خدا کی عبادت، یعنی خدا کے احکام کی پابندی کرنے اور

اس کے قانون پر عمل کرنے اور اس کے قانون کو جاری کرنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس زندگی میں ایک طرف مسلمان یعنی خدا کے فرمانبردار بندے ہیں اور دوسری طرف کفار یعنی خدا کے باغی بندے ہیں۔ رات دن فرمانبرداری اور بغاوت کے درمیان کشمکش برپا ہے باغی خدا کے قانون کو توڑتے ہیں اور اس کے خلاف دنیا میں شیطانی قوانین کو جاری کرتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر ایک ایک مسلمان تنہا ہو تو کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس کی ہے کہ خدا کے فرمانبردار بندے مل کر اجتماعی طاقت سے بغاوت کا مقابلہ کریں اور خدا کے قانون کو نافذ کریں۔ یہ اجتماعی طاقت پیدا کرنے والی چیز، تمام چیزوں سے بڑھ کر نماز ہے۔ پانچ وقت کی جماعت، پھر جمعہ کا بڑا اجتماع، یہ سب مل کر مسلمانوں کو ایک مضبوط دیوار کی طرح بنا دیتے ہیں اور ان میں وہ یک جہتی اور عملی اتحاد پیدا کرتے ہیں۔ جو روزمرہ کی عملی زندگی میں مسلمانوں کو ایک دوسرے کا مددگار بنانے کے لئے ضروری ہے۔

نماز میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نماز کس طرح انسان کو اللہ کی عبادت یعنی بندگی اور اطاعت کے لئے تیار کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ جو شخص نماز کو فرض اور حکم الٰہی جان کر باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ وہ اگر نماز کی دعاؤں کا مطلب نہ سمجھتا ہو تب بھی اس کے اندر کس طرح خدا کا خوف اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین اور اس کی عدالت میں ایک روز حاضر ہونے کا اعتقاد ہر وقت تازہ ہوتا رہتا ہے اور کس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی کا بندہ نہیں اور خدا ہی اس کا اصلی بادشاہ اور حاکم ہے اور کس طرح اس کے اندر فرض شناسی کی عادت اور خدا کے احکام بجا لانے کے لئے مستعدی پیدا ہوتی ہے اور کس طرح

اس میں وہ صفات خود بخود پیدا ہونے لگتی ہے جو انسان کی ساری زندگی کو خدا کی بندگی و عبادت بنا دینے کے لئے ضروری ہیں۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسان اسی نماز کو سمجھ کر ادا کرے اور نماز پڑھتے وقت یہ بھی جانتا رہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو اس کے خیالات اور اس کی عادات اور خصائل پر کتنا زبردست اثر پڑیگا۔ اس کے ایمان کی قوت کس قدر بڑھتی چلی جائیگی۔ اور اس کی زندگی کا رنگ کیسا پلٹ جائے گا ؛

سب سے پہلے اذان کو لیجئے۔ دن میں پانچ وقت آپکو کیا کہہ کر پکارا جاتا ہے ؟

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ "خدا سب سے بڑا ہے خدا سب سے بڑا ہے"

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ "میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی بندگی کا حقدار نہیں"

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسول ہیں"

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ "آؤ نماز کے لئے"

حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ "آؤ اس کام کے لئے جس میں فلاح اور بہبودی ہے"

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ "اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے"

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"

دیکھو یہ کیسی زبردست پکار ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ یہ آواز کس طرح تمہیں یاد دلاتی ہے کہ "زمین میں جتنے بڑے بڑے خدائی کے دعویدار نظر آتے ہیں سب چھوٹے ہیں۔ زمین و آسمان میں ایک ہی ہستی ہے۔ جس کے لئے بڑائی ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ آؤ اس کی عبادت کرو۔ اسی کی عبادت میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے" کون ہے جو اس آواز کو سن کر ہل نہ جائیگا؟ کیونکر ممکن ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو وہ اتنی بڑی گواہی اور ایسی زبردست پکار کو سن کر اپنی جگہ بیٹھا رہ جائے اور اپنے مالک کے آگے سر جھکانے کے لئے دوڑ نہ پڑے؟

اس کے بعد تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو۔ منہ قبلہ کے سامنے ہے۔ پاک وصاف ہو کر بادشاہِ عالم کے دربار میں حاضر ہو۔ سب سے پہلے تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ میںنے یکسو ہوکر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف پھیر دیا ہے۔
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ جسنے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے اور میں ان لوگوں
حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ میں سے نہیں ہوں جو خدا ئی میں کسی
الْمُشْرِکِیْنَ ط اور کو شریک ٹھہراتے ہیں"

اس زبردست بات کا اقرار کرکے تم کانوں تک ہاتھ اُٹھاتے ہو۔ گویا دنیا و مافیہا سے دست بردار ہو رہے ہو۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیتے ہو۔ گویا اب تم بالکل اپنے بادشاہ کے سامنے مؤدب دست بستہ کھڑے ہو۔ اس کے بعد تم کیا عرض معروض کرتے ہو؟

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ "پاک ہے تو اے میرے معبود۔ تعریف و
وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰی ستائش ہے تیرے لئے۔ برکت والا ہے
جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ ط تیرا نام سب سے بلند و بالا ہے تیری
بزرگی اور کوئی معبود نہیں تیرے سوا"

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ "خدا کی پناہ مانگتا ہوں میں شیطان
الرَّجِیْمِ o مردود کی (دراندازی اور شرارت سے)
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o "شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام
سے جو رحمٰن اور رحیم ہے"

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ "تعریف خدا کے لئے ہے جو سارے جہان والوں کا رب ہے"

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ "نہایت رحمت والا بڑا مہربان ہے"

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ روزِ آخرت کا مالک ہے (جس میں اعمال کا فیصلہ کیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل ملے گا")

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ مالک! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ "ہم کو سیدھا راستہ دکھا"

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۝ ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے فضل کیا ہے اور انعام فرمایا ہے"

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ "ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ان کا جو راستہ بھٹکے ہوئے ہیں - راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں"

اٰمِیْن "خدایا ایسا ہی ہو - مالک ہماری اس دعا کو قبول کر"

اس کے بعد تم قرآن کی چند آیتیں پڑھتے ہو - جن میں سے ہر ایک میں امرت بھرا ہوا ہے - نصیحت ہے، عبرت ہے، سبق ہے، اور اسی راہِ راست کی ہدایت ہے - جس کے لئے سورۃ فاتحہ

میں تم دعا کر چکے تھے۔ مثلاً:-

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ "زمانہ گواہ ہے کہ انسان ٹوٹے میں ہے"۔

لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ "مگر ٹوٹے سے بچے ہوئے صرف وہ لوگ ہیں

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے"

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ "اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق پر

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ چلنے کی ہدایت کی اور حق پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتے رہے"

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تباہی اور نامرادی سے انسان اسی طرح بچ سکتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور صرف اتنا ہی کافی نہیں۔ بلکہ ایمانداروں کی ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو دینِ حق پر قائم ہونے اور قائم رہنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں ۔

یا مثلاً:-

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ "تو نے دیکھا کہ جو شخص روزِ جزا کو نہیں مانتا

بِالدِّیْنِ ۝ وہ کیسا آدمی ہوتا ہے؟"

فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ "ایسا ہی آدمی یتیم کو دھتکارتا ہے"

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ (اور مسکین کو کھانا کھلانا تو در کنار) دوسروں سے بھی یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ غریب کو کھانا کھلا دو"

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ "افسوس ہے ایسے نمازیوں پر جو (روزِ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اس لئے نماز الَّذِیْنَ هُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَ سے غفلت کرتے ہیں اور پڑھتے بھی ہیں یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ تو محض دکھاوے کے لئے" اور (اُن کے دل ایسے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ذرا ذرا سی چیزیں حاجتمندوں کو دیتے ہوئے بھی اُن کا دل دُکھتا ہے"

اس سے سبق ملتا ہے کہ آخرت کا یقین اسلام کی جان ہے اس کے بغیر آدمی کبھی اس راستہ پر چل نہیں سکتا جو خدا کا سیدھا راستہ ہے یا مثلاً:-

وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ "افسوس ہے اس شخص کے حال پر جو لوگوں کی عیب چینی کرتا اور لوگوں پر آوازے کستا ہے"

نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ "روپیہ جمع کرتا اور گن گن کر رکھتا ہے"

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ ۝ "اپنے دل میں سمجھتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ رہے گا"

کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ۝ ہرگز نہیں (وہ ایک دن ضرور مریگا)

اور حُطمہ میں ڈالا جائے گا"

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ "اور تمہیں معلوم ہے کہ حُطمہ کیا چیز ہے"

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ "اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ جس کی لپٹیں

تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ دلوں پر چھا جاتی ہیں"

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ "وہ اونچے اونچے ستون جیسے شعلوں

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ کی صورت میں ان کو گھیر لے گی"

غرض تم قرآن پاک کی جتنی سورتیں یا آیتیں نماز میں پڑھتے ہو۔ وہ کوئی نہ کوئی اعلیٰ درجہ کی ہدایت یا نصیحت تم کو دیتی ہیں اور تمہیں بتاتی ہیں کہ خدا کے احکام کیا ہیں جن کے مطابق تمہیں دنیا میں عمل کرنا چاہیئے۔ ان ہدایتوں کو پڑھنے کے بعد تم اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کرتے ہو۔ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اپنے مالک کے آگے جھکتے ہو اور بار بار کہتے ہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ "پاک ہے میرا پروردگار جو بڑا بزرگ ہے" پھر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہو اور کہتے ہو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ "اللہ نے سن لی اس شخص کی بات جس نے اس کی تعریف بیان کی۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہو۔ اور بار بار کہتے ہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى "پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے بالا و برتر ہے" پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے ہو اور نہایت

ادب سے بیٹھ کر پڑھتے ہو:- Mister Gupta

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبٰتُ — "ہماری سلامیاں ہماری نمازیں اور ساری پاکیزہ باتیں اللہ کے لئے ہیں"

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ط — "سلام آپ پر اے نبیؐ اور اللہ کی رحمت اور برکتیں" ؂

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ط — "سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر"

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط — "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں"

یہ شہادت دیتے وقت تم شہادت کی انگلی اُٹھاتے ہو۔ کیونکہ یہ نمازیں تمہارے عقیدے کا اعلان ہے اور اس کو زبان سے ادا کرتے وقت خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے - اس کے بعد تم درود پڑھتے ہو ؂

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی — "خدایا رحمت فرما ہمارے سردار اور مولیٰ محمدؐ اور انکی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ

اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ	پر - اور خدایا برکت نازل فرما۔ ہمارے
مَّجِيْدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى	سردار اور مولیٰ محمدؐ اور ان کی آل پر -
سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّ	جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیمؑ
عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى	اور آلِ ابراہیم پر۔ تو بڑا انیک
اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ	صفات اور بزرگ ہے "
اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝	

یہ درود پڑھنے کے بعد تم اللہ سے دعا کرتے ہو :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ	خدایا میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ
عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ	کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا
مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ	ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ
مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ	مانگتا ہوں گمراہ کرنے والے دجّال کے
وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَاءِ	فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں -
وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ	زندگی اور موت کے فتنہ سے - خدایا
الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ	میں تیری پناہ مانگتا ہوں - بُرے
	اعمال سے اور قرضداری سے "

یہ دعا پڑھنے کے بعد تمہاری نماز پوری ہو گئی - اب تم مالک کے دربار سے واپس ہوتے ہو اور واپس ہو کر پہلا کام کیا کرتے ہو؟ یہ

کہ دائیں اور بائیں مڑکر تمام حاضرین اور دنیا کی ہر چیز کے لئے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہو السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ "تم سب پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو" یہ وہ بشارت ہے۔ جو خدا کے دربار سے پلٹتے ہوئے تمام دنیا کے لئے لائے ہو ؛

یہ ہے وہ نماز جو صبح اُٹھ کر دنیا کے کام کاج شروع کرنے سے پہلے پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے کام کاج میں مشغول رہنے کے بعد دوپہر کو خدا کے دربار میں حاضر ہو کر دوبارہ یہی نماز ادا کرتے ہو۔ پھر چند گھنٹوں کے بعد سہ پہر کو یہی نماز پڑھتے ہو۔ پھر چند گھنٹے اور مشغول رہنے کے بعد شام کو اسی نماز کا اعادہ کرتے ہو پھر دنیا کے کاموں سے فارغ ہو کر سونے سے پہلے آخری مرتبہ اپنے مالک کے سامنے جاتے ہو۔ اس آخری نماز کا خاتمہ وتر پر ہوتا ہے جس کی تیسری رکعت میں تم ایک عظیم الشان اقرار نامہ اپنے مالک کے سامنے پیش کرتے ہو۔ یہ دعائے قنوت ہے۔ قنوت کے معنی ہیں خدا کے آگے ذلت۔ انکساری۔ اطاعت اور بندگی کا اقرار۔ یہ اقرار تم کن الفاظ میں کرتے ہو۔ ذرا غور سے سنو :۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ خدایا ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ تجھ سے وَنُؤْمِنُ بِکَ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ تجھ پر

وَنُثْنِی عَلَیْکَ الْخَیْرَ ایمان لاتے ہیں۔ تیرے ہی اوپر بھروسہ رکھتے ہیں اور بھلائی کے ساتھ تیری تعریف کرتے ہیں ؛

وَنَشْکُرُکَ وَلَا نَکْفُرُکَ وَ نَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ ناشکری نہیں کرتے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ جو لوگ تیرے نافرمان ہیں ان سے تعلق چھوڑ دیں گے اور کوئی واسطہ نہ رکھیں گے "

اَللّٰھُمَّ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَ نَحْفِدُ خدایا ہم تیری ہی بندگی کرتے اور تیرے ہی لئے نماز اور سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہماری ساری کوششیں اور ساری دوڑ دھوپ تیری ہی خوشنودی کے لئے ہے "

وَنَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَ نَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ ؛ اور ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں یقیناً تیرا عذاب ایسے لوگوں پر پڑیگا جو کافر ہیں "

عقل رکھنے والو! غور کرو، جو شخص دن میں پانچ مرتبہ اذان کی آواز سنتا ہو اور سمجھتا ہو کہ کتنی بڑی چیز کی شہادت دی جا رہی ہے اور کیسے زبردست بادشاہ کے حضور میں بلایا جا رہا ہے اور جو شخص ہر مرتبہ اس پکار کو سن کر اپنے سارے کام کاج چھوڑ دے اور اس ذاتِ پاک کی طرف دوڑے۔ جسے وہ اپنا اور تمام کائنات کا مالک

جانتا ہے اور جو شخص کئی بار نماز میں وہ ساری باتیں سمجھ بوجھ کر ادا کرے جو ابھی آپ کے سامنے میں نے بیان کی ہیں۔ کیونکر ممکن ہے کہ اسکے دل میں خدا کا خوف پیدا نہ ہو؟ اس کو خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شرم نہ آئے؟ اس کی روح گناہوں اور بدکاریوں کے سیاہ دھبے لے کر بار بار خدا کے سامنے حاضر ہوتے ہوئے لرز نہ اٹھے؟ کس طرح ممکن ہے کہ آدمی نماز میں خدا کی بندگی کا اقرار۔ اس کی اطاعت کا اقرار۔ اس کے مالک یوم الدین ہونے کا اقرار کر کے جب اپنے کام کاج کی طرف واپس آئے تو جھوٹ بولے۔ بے ایمانی کرے۔ لوگوں کے حق مارے۔ رشوت کھائے اور کھلائے۔ سود کھائے اور کھلائے۔ خدا کے بندوں کو آزار پہنچائے۔ فحش اور بے حیائی اور بدکاری کرے اور پھر ان سب اعمال کا بوجھ لاد کر دوبارہ خدا کے سامنے حاضر ہونے اور انہی سب باتوں کا اقرار کرنے کی جرأت کر سکے؟ ہاں یہ کیسے ممکن ہے کہ تم جان بوجھ کر روزانہ چھتیس مرتبہ اقرار کرو کہ ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور پھر خدا کے سوا دوسروں کی بندگی کرو اور دوسروں کے آگے مدد کے لئے ہاتھ پھیلاؤ؟ ایک بار اقرار کر کے تم خلاف ورزی کرو گے تو دوسری مرتبہ خدا کے دربار

ہیں جانتے ہوئے تمہارا ضمیر ملامت کریگا اور شرمندگی پیدا ہوگی۔ دوسری بار خلاف ورزی کروگے تو اور زیادہ شرم آئیگی اور زیادہ دل اندر سے لعنت بھیجے گا۔ تمام عمر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روزانہ پانچ پانچ مرتبہ نماز پڑھو اور پھر بھی تمہارے اعمال درست نہ ہوں۔ تمہارے اخلاق کی اصلاح نہ ہو اور تمہاری زندگی کا رنگ نہ بلٹے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نماز کی یہ خاصیت بیان فرمائی ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یقیناً نماز انسان کو بے حیائی اور بدکاری سے روکتی ہے" لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اتنی زبردست اصلاح کرنے والی چیز سے بھی اس کی اصلاح نہیں ہوتی تو یہ اس کی طینت کی خرابی ہے۔ نماز کی خرابی نہیں۔ پانی اور صابن کی خاصیت میل کو صاف کرنا ہے۔ لیکن اگر کوئلے کی سیاہی اس سے دور نہ ہو تو یہ پانی اور صابن کا قصور نہیں۔ اسکی وجہ کوئلے کی اپنی سیاہی ہے۔

عموماً مسلمانوں کی نمازوں میں ایک بہت بڑی کمی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ نماز میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس کو سمجھتے نہیں۔ اگر لوگ تھوڑا سا وقت صرف کریں تو ان ساری دعاؤں کا مطلب اردو یا اپنی مادری زبان میں یاد کر سکتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو کچھ وہ پڑھیں گے اسے سمجھتے بھی جائیں گے۔

نماز با جماعت

اب میں نماز باجماعت کے فائدے بتانا چاہتا ہوں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے کس طرح ایک چیز میں ہمارے لئے ساری نعمتیں جمع کر دی ہیں اول تو نماز خود ہی کیا کم تھی کہ اس کے ساتھ جماعت کا حکم دے کر اس کو دو آتشہ کر دیا گیا اور اس کے اندر وہ طاقت بھر دی گئی جو انسان کی کایا پلٹ دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔

پہلے کہہ چکا ہوں کہ زندگی میں ہر وقت اپنے آپ کو خدا کا بندہ سمجھنا اور فرمانبردار غلام کی طرح مالک کی مرضی کا تابع بن کر رہنا اور مالک کا حکم بجا لانے کے لئے ہر وقت تیار رہنا اصلی عبادت ہے اور نماز اسی عبادت کے لئے انسان کو تیار کرتی ہے یہ بھی بتا چکا ہوں کہ اس عبادت میں انسان کے لئے جتنی صفات کی ضرورت ہے وہ سب نماز پیدا کرتی ہے۔ بندگی کا احساس،

خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان - آخرت کا یقین، خدا کا خوف، خدا کو عالم الغیب جاننا اور اس کو ہر وقت اپنے سے قریب سمجھنا - خدا کی فرمانبرداری کے لئے ہر حال میں مستعد رہنا - خدا کے احکام سے واقف ہونا یہ اور ایسی ہی تمام صفتیں نماز آدمی کے اندر پیدا کر دیتی ہے جو اس کو صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بنانے کے لئے ضروری ہیں ٭

مگر آپ ذرا غور سے دیکھیں تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ انسان اپنی جگہ خواہ کتنا ہی کامل ہو مگر وہ خدا کی بندگی کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا - جب تک کہ دوسرے بندے بھی اسکے مددگار نہ ہوں - خدا کے تمام احکام بجا نہیں لا سکتا - جب تک کہ وہ بہت سے لوگ جن کے ساتھ رات دن اسکا رہنا سہنا ہے - جن سے ہر وقت اسکو معاملہ پیش آتا ہے - اس کی فرمانبرداری میں اسکا ساتھ نہ دیں آدمی دنیا میں اکیلا تو پیدا نہیں ہوا ہے نہ اکیلا رہ کر کوئی کام کر سکتا ہے اسکی ساری زندگی اپنے بھائی بندوں، دوستوں اور ہمسایوں، معاملہ داروں اور زندگی کے بیشمار ساتھیوں سے ہزاروں قسم کے تعلقات میں جکڑی ہوئی ہے - اللہ کے احکام بھی تنہا ایک آدمی کے لئے نہیں ہیں بلکہ انہی تعلقات کو درست کرنے کے لئے ہیں

اب اگر یہ سب لوگ خدا کے احکام بجالانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔ تب تو سب فرمانبردار بندے بن سکتے ہیں اور اگر سب نافرمانی پر تلے ہوئے ہوں یا اُن کے تعلقات اس قسم کے ہوں کہ وہ خدا کے احکام بجالانے میں ایکدوسرے کی مدد نہ کریں تو ایک اکیلے آدمی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ زندگی میں خدا کے قانون پر ٹھیک ٹھیک عمل کر سکے ؛

اس کے ساتھ جب آپ قرآن کو غور سے پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا کا علم صرف یہی نہیں ہے کہ آپ خود اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے بنیں بلکہ ساتھ ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ دنیا کو خدا کا مطیع و فرمانبردار بنانے کی کوشش کریں۔ دنیا میں خدا کے قانون کو پھیلائیں اور جاری کریں۔ شیطان کا قانون جہاں چل رہا ہو اس کو مٹا دیں اور اس کی جگہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے قانون کی حکومت قائم کریں۔ یہ زبردست خدمت جو اللہ تعالیٰ نے آپکے سپرد کی ہے اس کو اکیلا مسلمان انجام نہیں دے سکتا اور اگر کروڑوں مسلمان بھی ہوں مگر الگ الگ رہ کر کوشش کریں۔ تب بھی وہ شیطان کی منظّم طاقت کو نیچا نہیں دکھا سکتے اس کے لئے بھی ضرورت ہے کہ مسلمان ایک جتھا بنیں۔ ایک

دوسرے کے مددگار ہوں۔ ایک دوسرے کی پُشت پناہ بن جائیں۔ اور سب مِل کر ایک ہی مقصد کے لئے جدوجہد کریں ؎

پھر زیادہ گہری نظر سے آپ دیکھیں گے تو یہ بات آپ پر کھلے گی کہ اتنے بڑے مقصد کے لئے مسلمانوں کا مل جانا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ ملنا بالکل صحیح طریق پر ہو۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت اِس طرح بنے کہ ایکدوسرے کے ساتھ اُن کے تعلقات ٹھیک ٹھیک جیسے ہونے چاہئیں ویسے ہی ہوں۔ ان کے آپس کے تعلق میں کوئی خرابی نہ رہنے پائے۔ ان میں پوری یک جہتی ہو۔ وہ ایک سردار کی اطاعت کریں۔ اس کے حکم پر حرکت کرنے کی عادت ان میں پیدا ہو اور وہ یہ بھی سمجھ لیں کہ اپنے سردار کی فرمانبرداری انہیں کس طرح اور کہاں تک کرنی چاہیئے اور نافرمانی کے مواقع کون سے ہیں ؎

اِن سب باتوں کو نظر میں رکھ کر دیکھئے کہ نماز باجماعت کِس طرح یہ سارے کام کرتی ہے ؎

حکم ہے کہ اذان کی آواز سن کر اپنے اپنے کام چھوڑو اور مسجد کی طرف آجاؤ۔ یہ طلبی کی پکار سُن کر ہر طرف سے مسلمانوں کا اُٹھنا اور ایک مرکز پر جمع ہو جانا ان کے اندر وہی کیفیت

پیدا کرتا ہے جو فوج کی ہوتی ہے۔ فوجی سپاہی جہاں جہاں بھی ہوں۔ بگل کی آواز سنتے ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا کمانڈر بلا رہا ہے۔ اس طلبی پر سب کے دل میں ایک ہی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی کمانڈر کے حکم کی پیروی کا خیال اور اس خیال کے مطابق سب ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی اپنی اپنی جگہ سے اس آواز پہ دوڑ پڑتے ہیں اور ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں فوج میں یہ طریقہ کس لئے اختیار کیا گیا ہے؟ اسی لئے کہ اوّل تو ہر ہر سپاہی میں الگ الگ حکم ماننے اور اس پر مستعدی کے ساتھ عمل کرنے کی خصلت اور عادت پیدا ہو اور پھر ساتھ ہی ساتھ ایسے تمام فرمانبردار سپاہی مل کر ایک گروہ، ایک جتھا، ایک ٹیم بھی بن جائیں اور ان میں یہ عادت بھی پیدا ہو جائے کہ کمانڈر کے حکم پر ایک ہی وقت میں ایک جگہ پر سب جمع ہو جایا کریں۔ تاکہ جب کوئی مہم پیش آئے تو ساری فوج ایک آواز پر ایک مقصد کے لئے اکٹھی ہو کر کام کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ سارے سپاہی اپنی اپنی جگہ تو بڑے تیس مار خان ہوں مگر کام کے موقع پر جمع ہو کر نہ لڑ سکیں۔ بلکہ ہر ایک اپنی مرضی کے مطابق جدھر چاہے چلا جائے۔ ایسی حالت اگر کسی فوج کی ہو تو اس کے ہزار بہادر سپاہیوں کو غنیم کے پچاس سپاہیوں کا ایک دستہ الگ الگ

پکڑ کے ختم کر سکتا ہے۔ پس اسی اصول پر مسلمانوں کے لئے بھی یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو مسلمان جہاں اذان کی آواز سُنے۔ سب کام چھوڑ کر اپنے قریب کی مسجد کا رُخ کرے تاکہ سب مسلمان مِل کر اللہ کی فوج بنجائیں اس اجتماع کی مشق انکو روزانہ پانچ وقت کرائی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا کی ساری فوجوں سے بڑھ کر سخت ڈیوٹی اس خدائی فوج کی ہے۔ دوسری فوجوں کے لئے تو مدتوں میں کبھی ایک جہم پیش آتی ہے۔ اور اس کی خاطر انکی یہ ساری فوجی مشقیں کرائی جاتی ہیں مگر اس خدائی فوج کو ہر وقت شیطانی طاقتوں کے ساتھ لڑنا ہے اور ہر وقت اپنے کمانڈر کے احکام کی تعمیل کرنی ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ یہ بھی بہت بڑی رعایت ہے کہ اسے روزانہ صرف پانچ مرتبہ خدائی بگل کی آواز پر دوڑنے اور خدائی چھاؤنی یعنی مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

یہ تو محض اذان کا فائدہ تھا۔ اب آپ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور صرف اس جمع ہونے میں بے شمار فائدے ہیں۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے تو آپ نے ایکدوسرے کو دیکھا، پہچانا۔ ایک دوسرے سے واقف ہوئے یہ دیکھنا، پہچاننا۔ واقف ہونا کس حیثیت سے ہے؟ اس حیثیت سے کہ آپ سب ایک خدا کے بندے ہیں۔ ایک رسول کے پیرو ہیں۔ ایک

کتاب کے ماننے والے ہیں۔ ایک ہی مقصد آپ سب کی زندگی کا ہے
اسی ایک مقصد کو پورا کرنے کے لئے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اور
اسی مقصد کو یہاں سے واپس جاکر بھی آپ کو پورا کرنا ہے۔ اس
قسم کی آشنائی، اس قسم کی واقفیت آپ میں خود بخود یہ خیال پیدا کر
دیتی ہے کہ آپ سب ایک قوم ہیں۔ ایک ہی فوج کے سپاہی ہیں۔
ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ دنیا میں آپکی اغراض۔ آپکے مقاصد،
آپ کے نقصانات اور آپکے فوائد سب مشترک ہیں اور آپ کی
زندگیاں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں ❊

پھر آپ جو ایکدوسرے کو دیکھیں گے تو ظاہر ہے کہ آنکھیں کھولکر
ہی دیکھیں گے اور یہ دیکھنا بھی دشمن کا دشمن کو دیکھنا نہیں بلکہ دوست
کا دوست کو اور بھائی کا بھائی کو دیکھنا ہوگا۔ اس نظر سے جب آپ
دیکھیں گے کہ میرا کوئی بھائی پھٹے پرانے کپڑوں میں ہے۔ کوئی معذور،
لنگڑا، لولا یا اندھا ہے تو خواہ مخواہ آپکے دل میں ہمدردی پیدا ہوگی۔
آپ میں سے جو خوشحال ہیں وہ غریبوں اور بیکسوں پر رحم کھائیں گے
جو بدحال ہیں۔ انہیں امیروں تک پہنچنے اور اُن سے اپنا حال کہنے
کی ہمت پیدا ہوگی۔ کسی کے متعلق معلوم ہوگا کہ بیمار ہے یا کسی مصیبت
میں پھنس گیا ہے۔ اس لئے مسجد میں نہیں آیا تو اس کی عیادت

کو جانے کا خیال پیدا ہوگا۔ کسی کے مرنے کی خبر ملی تو سب مل کر اس کے لئے نماز جنازہ پڑھیں گے اور غمزدہ عزیزوں کے غم میں شریک ہوں گے۔ یہ سب باتیں آپ کی باہمی محبت کو بڑھانے والی اور ایک دوسرے کا مددگار بنانے والی ہیں ؛

اس کے بعد ذرا غور کیجئے۔ یہاں جو آپ جمع ہوئے ہیں تو ایک پاک جگہ پاک مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں یہ چوروں اور شرابیوں اور جوئے بازوں کا اجتماع تو نہیں ہے کہ سب کے دل ہیں ناپاک ارادے بھرے ہوئے ہوں۔ یہ تو اللہ کے بندوں کا اجتماع ہے اللہ کی عبادت کے لئے، اللہ کے گھر میں، سب اپنے خدا کے سامنے بندگی کا اقرار کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ ایسے موقع پر اول تو ایماندار آدمی ہیں خود ہی اپنے گناہوں پر شرمندگی کا احساس ہوتا ہے لیکن اگر اس نے کوئی گناہ اپنے دوسرے بھائی کے سامنے کیا تھا اور وہ بھی یہاں مسجد میں موجود ہے تو محض اس کی نگاہوں کا سامنا ہو جانا ہی اس کے لئے کافی ہے کہ گنہگار اپنے دل میں کٹ جائے اور اگر کہیں مسلمانوں میں ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کا جذبہ بھی موجود ہو اور وہ جانتے ہوں کہ ہمدردی و محبت کے ساتھ ایکدوسرے کی اصلاح کس طرح کرنی چاہیئے۔ تو یقین جانئے کہ یہ اجتماع انتہائی

رحمت و برکت کا موجب ہوگا - اس طرح سب مسلمان مل کر ایکدوسر کی خرابیوں کو دُور کریں گے - ایک دوسرے کی کمی پوری کریں گے اور پوری جماعت نیکوں اور صالحوں کی جماعت بنتی چلی جائے گی ::

یہ صرف مسجد میں جمع ہونے کی برکتیں ہیں - اس کے بعد یہ دیکھیے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کتنی برکات پوشیدہ ہیں - آپ سب ایک صف میں ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوتے ہیں - نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا - نہ کوئی اونچے درجے کا ہے نہ نیچے درجے کا - خدا کے دربار میں خدا کے سامنے سب ایک درجے میں ہیں - کسی کا ہاتھ لگنے سے اور کسی کے چھو جانے سے کوئی ناپاک نہیں ہوتا سب پاک ہیں اس لئے کہ سب انسان ہیں - ایک خدا کے بندے ہیں اور ایک ہی دین کے ماننے والے ہیں - آپس میں خاندانوں اور قبیلوں اور ملکوں اور زبانوں کا بھی کوئی فرق نہیں - کوئی سیّد ہے - کوئی پٹھان ہے - کوئی راجپوت ہے کوئی جاٹ ہے کوئی کسی ملک کا رہنے والا ہے اور کوئی کسی ملک کا - کسی کی زبان کچھ ہے اور کسی کی زبان کچھ - مگر سب ایک صف میں کھڑے ایک خدا کی عبادت کر رہے ہیں - اس کے معنی یہ ہیں کہ سب ایک قوم ہیں - یہ حسب نسب اور برادریوں اور قوموں کی تقسیم کوئی اہمیت

نہیں رکھتی۔ سب سے بڑا تعلق آپ کے درمیان خدا کی بندگی و عبادت کا تعلق ہے۔ اس میں جب آپ سب ایک ہیں تو پھر کسی معاملہ میں بھی الگ کیوں ہوں؟

پھر جب آپ ایک صف باندھے کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک فوج اپنے پادشاہ کے سامنے خدمت کے لئے کھڑی ہے۔ صف باندھ کر کھڑے ہونے اور مل کر ایک ساتھ حرکت کرنے سے آپ کے دلوں میں یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔ آپ کو یہ مشق کرائی جاتی ہے کہ خدا کی بندگی میں اس طرح ہو جاؤ کہ سب کے ہاتھ ایک ساتھ اُٹھیں اور سب کے پاؤں ایک ساتھ چلیں۔ گویا آپ دس یا بیس یا سو یا ہزار آدمی نہیں ہیں۔ بلکہ مل کر ایک آدمی کی طرح بن گئے ہیں۔

اس جماعت اور اس صف بندی کے بعد آپ کرتے کیا ہیں؟ یک زبان ہو کر اپنے مالک سے عرض کرتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم سب تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں" اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ "ہم سب کو سیدھے رستے چلا" رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ" ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے حمد ہے"۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔

"ہم سب پر سلامتی ہو اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر" پھر نماز ختم کر کے آپ سب ایک دوسرے کے لئے سلامتی اور رحمت کی دعا کرتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ اسکے معنی یہ ہوئے کہ آپ سب ایکدوسرے کے خیر خواہ ہیں سب ملکر ایک ہی مالک سے سب کیلئے بھلائی کی دُعا کرتے ہیں۔ آپ اکیلے اکیلے نہیں ہیں۔ آپ میں سے کوئی تنہا سب کچھ اپنے لئے نہیں مانگتا۔ بلکہ ہر ایک کی یہی دعا ہے کہ سب پر خدا کا فضل ہو۔ سب کو ایک رستے پر چلنے کی توفیق بخشی جائے اور سب خدا کی سلامتی میں شامل ہوں۔ اس طرح یہ نماز آپ کے دلوں کو جوڑتی ہے۔ آپ کے خیالات میں یکسانی پیدا کرتی ہے اور آپ میں خیر خواہی کا تعلّق پیدا کرتی ہے

مگر دیکھ لیجئے کہ جماعت کی نماز آپ کبھی امام کے بغیر نہیں پڑھتے۔ دو آدمی بھی مل کر پڑھیں گے تو ایک امام ہو گا اور دوسرا مقتدی۔ جماعت جب کھڑی ہو جائے تو اس سے الگ ہو کر نماز پڑھنا سخت ممنوع ہے بلکہ ایسی نماز ہوتی ہی نہیں۔ حکم ہے کہ جو آتا جائے۔ اسی امام کے پیچھے نماز میں شریک ہوتا جائے۔ یہ سب چیزیں نماز ہی کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں دراصل آپ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی ہے تو اس طرح جماعت بن کر رہو۔ تمہاری جماعت،

جماعت ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ تمہارا کوئی امام نہ ہو۔ اور جماعت جب بن جائے تو اس سے الگ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری زندگی مسلمان کی زندگی نہیں رہی ؏

صرف اِسی پر بس نہیں کیا گیا۔ بلکہ جماعت میں امام اور مقتدیوں کا تعلّق اس طور پر قائم کیا گیا۔ جس سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس چھوٹی مسجد کے باہر اس عظیم الشان مسجد میں جس کا نام "زمین" ہے۔ آپ کے امام کی کیا حیثیت ہے۔ اِس کے فرائض کیا ہیں۔ اس کے حقوق کیا ہیں۔ آپ کو کس طرح اس کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اگر وہ غلطی کرے تو آپ کیا کریں۔ کہاں تک آپ کو غلطی میں بھی اس کی پیروی کرنی چاہیئے۔ کہاں آپ اس کو ٹوکنے کے مجاز ہیں۔ کہاں آپ اس سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور کس موقع پر آپ اس کو امامت سے ہٹا سکتے ہیں۔ یہ سب گویا ایک چھوٹے پیمانے پر ایک بڑی سلطنت کو چلانے کی مشق ہے۔ جو ہر روز پانچ مرتبہ آپ سے ہر چھوٹی سے چھوٹی مسجد میں کرائی جاتی ہے ؏

یہاں اتنا موقع نہیں کہ میں ان ساری تفصیلات کو بیان کروں۔ مگر چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں ؏

حکم ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو پرہیزگار ہو علم میں زیادہ ہو۔ قرآن زیادہ جانتا ہو اور سن رسیدہ بھی ہو۔ حدیث میں ترتیب بھی بتا دی گئی ہے کہ اِن صفات میں کون سی صفت کِس صفت پر مقدّم ہے۔ یہیں سے یہ تعلیم بھی دی گئی کہ سردارِ قوم کے انتخاب میں کن باتوں کا لحاظ کرنا چاہیئے ⁂

حکم ہے کہ امام ایسا شخص نہ ہو۔ جس سے جماعت کی اکثریت ناراض ہو۔ یوں تو تھوڑے بہت مخالف کس کے نہیں ہوتے۔ لیکن اگر جماعت میں زیادہ تر آدمی کسی شخص سے نفرت رکھتے ہوں تو اس کو امام نہ بنایا جائے۔ یہاں پھر سردارِ قوم کے انتخاب کا قاعدہ بتا دیا گیا ہے ⁂

حکم ہے کہ جو شخص جماعت کا امام بنایا جائے۔ وہ نماز ایسی پڑھائے کہ جماعت کے ضعیف ترین آدمی کو بھی تکلیف نہ ہو محض جوان مضبوط۔ تندرست اور فرصت والے آدمی کو ہی پیشِ نظر رکھ کر لمبی لمبی قرات اور لمبے لمبے رکوع اور سجدے نہ کرنے لگے۔ بلکہ یہ بھی دیکھے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہیں۔ بیمار بھی ہیں اور ایسے مشغول آدمی بھی ہیں۔ جو جلدی نماز پڑھ کر اپنے کام پر واپس جانا چاہتے ہیں۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس معاملہ

میں یہاں تک رحم اور شفقت کا نمونہ پیش فرمایا ہے کہ نماز پڑھاتے میں کسی بچے کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے تھے تاکہ اگر بچے کی ماں جماعت میں شریک ہے تو اسے تکلیف نہ ہو۔ یہ گویا سردارِ قوم کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ جب سردار بنایا جائے تو اس کا طرزِ عمل کیسا ہونا چاہیئے ؛

حکم ہے کہ امام پر اگر نماز پڑھاتے میں کوئی حادثہ پیش آئے۔ جس کی وجہ سے وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے تو فوراً ہٹ جائے اور اپنی جگہ پیچھے کے آدمی کو کھڑا کر دے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سردارِ قوم کا بھی یہی فرض ہے۔ جب وہ سرداری کے قابل اپنے آپ کو نہ پائے تو اسے خود ہٹ جانا چاہیئے اور دوسرے آدمی کے لئے جگہ خالی کر دینی چاہیئے۔ اس میں نہ شرم کا کچھ کام ہے۔ اور نہ خود غرضی کا ؛

حکم ہے کہ امام کے فعل کی سختی کے ساتھ پابندی کرو۔ اس کی حرکت سے پہلے حرکت کرنا سخت ممنوع ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدہ میں جائے۔ اس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ وہ گدھے کی صورت میں اُٹھایا جائیگا۔ یہاں گویا قوم کو سبق دیا گیا ہے کہ اُسے اپنے سردار کی اطاعت کس طرح

کرنی چاہیئے ٭

امام اگر نماز میں غلطی کرے۔ مثلاً جہاں اُسے بیٹھنا چاہیئے تھا۔ وہاں کھڑا ہو جائے یا جہاں کھڑا ہونا چاہیئے تھا وہاں بیٹھ جائے تو حکم ہے کہ سبحان اللہ کہہ کر اُسے غلطی پر متنبہ کرو۔ سبحان اللہ کے معنی ہیں "اللہ پاک ہے" امام کی غلطی پر سبحان اللہ کہنے کا مطلب یہ ہُوا کہ غلطی سے تو صرف اللہ ہی پاک ہے۔ تم انسان ہو۔ تم سے بھُول چوک ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ طریقہ ہے امام کو ٹوکنے کا۔ اور جب اس طرح سے ٹوکا جائے تو اس کو لازم ہے کہ بلا کسی شرم و لحاظ کے اپنی غلطی کی اصلاح کرے۔ البتہ اگر ٹوکے جانے کے باوجود امام کو یقین ہو کہ اس نے صحیح فعل کیا ہے تو وہ اپنے یقین کے مطابق عمل کر سکتا ہے اور اس صورت میں جماعت کا کام یہ ہے کہ اس کے عمل کو غلط جاننے کے باوجود اس کا ساتھ دیں۔ نماز ختم ہونے کے بعد وہ حق رکھتے ہیں کہ امام پر اس کی غلطی ثابت کریں اور نماز دوبارہ پڑھانے کا اس سے مطالبہ کریں ٭

امام کے ساتھ جماعت کا یہ برتاؤ صرف ان حالات کے لئے ہے جبکہ غلطی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہو۔ لیکن اگر امام سنت نبویؐ

کے خلاف نماز کی ترکیب بدل دے۔ یا نماز میں قرآن کو جان بوجھ کر غلط پڑھے یا نماز پڑھاتے ہوئے کفر و شرک یا صریح گناہ کا ارتکاب کرے تو جماعت کا فرض ہے کہ اسی وقت نماز توڑ کر اس امام سے الگ ہو جائے ؃

یہ سب ہدایتیں ایسی ہیں جن میں پوری تعلیم دی گئی ہے کہ تم کو اپنی قومی زندگی میں اپنے سردار کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے ؃

یہ فوائد جو میں نے نماز با جماعت کے بیان کیے ہیں اُن سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اِس ایک عبادت میں جو دِن بھر میں پانچ مرتبہ صرف چند منٹ کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ کس طرح دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں آپ کے لئے جمع کر دی ہیں۔ کس طرح یہی ایک چیز آپ کو تمام سعادتوں سے مالا مال کر دیتی ہے اور کس طرح یہ آپ کو اللہ کی غلامی اور دُنیا کی حکمرانی کے لئے تیار کرتی ہے۔ اب آپ ضرور سوال کریں گے کہ جب نماز ایسی چیز ہے تو جو فائدے تم بیان کرتے ہو یہ حاصل کیوں نہیں ہوتے؟ اس کا جواب بعد کے مضمون میں آپ کو ملے گا ؃

نمازیں بے اثر کیوں ہو گئیں

اس مضمون میں مجھے آپ کو یہ بتانا ہے کہ جب نماز کے اس قدر فائدے ہیں جو میں نے پچھلے مضامین میں مسلسل بیان کئے ہیں۔ وہ اب کیوں وہ فائدے نہیں دے رہی ہے؟ کیا بات ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہیں اور پھر بھی غلام ہیں؟ پھر بھی کفار آپ پر غالب ہیں؟ پھر بھی آپ دنیا میں تباہ حال اور نکبت زدہ ہیں؟

اس سوال کا مختصر جواب تو صرف یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نمازیں پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے بھی ہیں تو اس طریقہ سے نہیں پڑھتے جو خدا اور رسول نے بتایا ہے۔ اس لئے ان فائدوں کی توقع آپ نہیں کر سکتے جو مومنین کو معراج کمال تک پہنچانے والی نماز سے پہنچنے چاہئیں۔ . . . لیکن میں جانتا ہوں کہ صرف اتنا سا

جواب آپ کو مطمئن نہیں کر سکتا - اِس لئے ذرا تفصیل کے ساتھ
آپ کو یہ بات سمجھاؤں گا ٭

یہ گھنٹا جو آپ کے سامنے لٹک رہا ہے - آپ دیکھتے ہیں
کہ اس میں بہت سے پُرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے
ہیں - جب اس کو کوک دی جاتی ہے تو سب پُرزے اپنا اپنا کام شروع
کر دیتے ہیں اور ان کے حرکت کرنے کے ساتھ باہر کے سفید تختے
پر ان کی حرکت کا نتیجہ ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے - یعنی گھنٹے کی
دونوں سوئیاں چل کر ایک ایک سکنڈ اور ایک ایک منٹ بتانے
لگتی ہیں - اب آپ غور کی نگاہ سے دیکھیے - گھنٹے کے بنانے کا
مقصد یہ ہے کہ وہ صحیح وقت بتائے - اِس مقصد کے لئے گھنٹے
کی مشین میں وہ سب پُرزے جمع کئے گئے جو صحیح وقت بتانے
کے لئے ضروری تھے - پھر ان سب کو اس طرح جوڑا گیا - کہ
سب مِل کر باقاعدہ حرکت کریں اور ہر پرزہ وہی کام اور اتنا
ہی کام کرتا چلا جائے - جتنا صحیح وقت بتانے کے لئے اس کو کرنا
چاہیئے - پھر کوک دینے کا قاعدہ مقرر کیا گیا - تاکہ اِن پرزوں کو
ٹھہرنے نہ دیا جائے اور تھوڑی ہی مدت کے بعد ان کو
حرکت دی جاتی رہے - اِس طرح جب تمام پُرزوں کو ٹھیک

ٹھیک جوڑ اگیا اور ان کو کوک دی گئی - تب کہیں یہ گھنٹا اس قابل ہوا کہ وہ مقصد پورا کرے - جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے - اگر آپ اسے کوک نہ دیں تو یہ وقت نہیں بتائے گا - اگر آپ کوک دیں - لیکن اس قاعدے کے مطابق نہ دیں جو کوک دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے تو یہ بند ہو جائے گا یا چلے گا بھی تو صحیح وقت نہ بتائے گا - اگر آپ اس کے بعض پرزے نکال ڈالیں اور پھر کوک دیں تو اس کوک سے کچھ حاصل نہ ہوگا - اگر آپ اس کے بعض پرزوں کو نکال کر اس کی جگہ سنگر مشین کے پرزے لگا دیں اور پھر کوک دیں تو یہ نہ وقت بتائے گا اور نہ کپڑا ہی سیئے گا - اگر آپ اس کے سارے پرزے اس کے اندر بدستور رہنے دیں - لیکن ان کو کھول کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں تو کوک دینے سے کوئی پرزہ بھی حرکت نہ کرے گا - کہنے کو سارے پرزے اس کے اندر موجود ہوں گے - مگر محض پرزوں کے موجود رہنے سے وہ مقصد حاصل نہ ہوگا جس کے لئے گھنٹہ بنایا گیا ہے کیونکہ ان کی ترتیب اور انکا آپس کا تعلق آپ نے توڑ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ مل کر حرکت نہیں کر سکتے - یہ سب صورتیں جو میں نے آپ سے بیان کی ہیں - ان میں اگرچہ گھنٹے کی ہستی

اور اس میں کوک دینے کا فعل دونوں بے کار ہو جاتے ہیں لیکن دُور سے دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ گھنٹا نہیں ہے یا آپ کوک نہیں دے رہے ہیں۔ وہ تو یہی کہے گا کہ صورت بالکل گھنٹے جیسی ہے اور یہی امید کرے گا کہ گھنٹے کا جو فائدہ ہے۔ وُہ

.. ..

.. .. اس سے حاصل ہونا چاہیئے۔ اِسی طرح دُور سے جب وہ آپ کو کوک دیتے ہوئے دیکھے گا۔ تو یہی سمجھے گا کہ آپ واقعی گھنٹے کو کوک دے رہے ہیں اور یہی توقّع کرے گا کہ گھنٹے کو کوک دینے کا جو نیتجہ ہے۔ وہ ظاہر ہونا چاہیئے لیکن یہ توقّع پوری کیسے ہو سکتی ہے۔ جب کہ یہ گھنٹہ بس دُور سے دیکھنے ہی کا گھنٹہ ہے اور حقیقت میں اس کے اندر گھنٹہ پن باقی نہیں رہا ہے؟

یہ مثال جو میں نے بیان کی ہے۔ اس سے آپ سارا معاملہ سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام کو اسی گھنٹہ پر قیاس کر لیجیئے جس طرح گھنٹے کا مقصد صحیح وقت بتانا ہے۔ اِسی طرح اسلام کا مقصد یہ ہے کہ زمین میں آپ خدا کے خلیفہ یعنی خدائی فوجدار بن کر رہیں۔ خود خدا کے حکم پر چلیں۔ سب پر خدا کا حکم

چلائیں اور سب کو خدا کے قانون کا تابع بنا کر رکھیں۔ اس مقصد کو صاف طور پر قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے کہ :-

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ	تم بہترین اُمّت ہو۔ جسے نوعِ انسانی کے لئے نکالا گیا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ سب انسانوں کو نیکی کا حکم دو۔ اور بُرائی سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو

اور

قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ۔	لوگوں سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ غیر اللہ کی فرمانروائی کا فتنہ مٹ جائے اور اطاعت سب کی سب صرف اللہ کے لئے ہو ؂

اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے گھنٹے کے پرزوں کی طرح اسلام میں بھی تمام وہ پُرزے جمع کئے گئے ہیں جو اس غرض کے لئے ضروری اور مناسب تھے ۔ دین کے عقائد۔ اخلاق کے اصول، معاملات کے قاعدے، خدا کے حقوق، بندوں کے حقوق، خود اپنے نفس کے حقوق، دنیا کی ہر اس چیز کے حقوق جس سے آپ کو واسطہ پیش آتا ہے۔ کمانے کے قاعدے اور خرچ کرنے

کے طریقے، جنگ کے قانون اور صلح کے قاعدے، حکومت کرنے
کے قوانین اور حکومتِ اسلامی کی اطاعت کرنے کے ڈھنگ، یہ
سب اسلام کے پُرزے ہیں اور ان کو گھڑی کے پرزوں کی طرح
ایک ایسی ترتیب سے ایک دوسرے کے ساتھ کسا گیا ہے کہ جوں
ہی اس میں کوک دی جائے۔ ہر پُرزہ دوسرے پرزوں کے ساتھ
مِل کر حرکت کرنے لگے اور اِن سب کی حرکت سے اصل نتیجہ یعنی
اسلام کا غلبہ اور دنیا پر خدائی قانون کا تسلّط اس طرح مسلسل ظاہر
ہونا شروع ہو جائے۔ جس طرح اس گھنٹے کو آپ دیکھ رہے ہیں۔
کہ اس کے پُرزوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ باہر کے سفید تختے پر
نتیجہ برابر ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ گھڑی میں پُرزوں کو ایکدوسرے
کے ساتھ باندھ رکھنے کے لئے چند کیلیں اور چند پتیاں لگائی گئی
ہیں۔ اِسی طرح اسلام کے پُرزوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جڑا
رکھنے کے لئے وہ چیز رکھی گئی ہے۔ جس کو نظامِ جماعت کہا جاتا
ہے۔ یعنی مسلمانوں کا ایک سردار ایسا ہو جو دین کا صحیح علم اور تقویٰ
کی صفت رکھتا ہو۔ قوم کے دماغ مِل کر اس کی مدد کریں۔ قوم کے
ہاتھ پاؤں اس کی اطاعت کریں۔ اِن سب کی طاقت سے وہ
اسلام کے قوانین نافذ کرے اور لوگوں کو اِن قوانین کی خلاف

ورزش ہی سے روکے - اس طریقے سے جب سارے پُرزے ایک دوسرے کے ساتھ جڑ جائیں اور ان کی ترتیب ٹھیک قائم ہو جائے تو انکو حرکت دینے اور دیتے رہنے کے لئے کوک کی ضرورت ہوتی ہے اور وہی کوک یہ نماز ہے جو ہر روز پانچ وقت پڑھی جاتی ہے - پھر اس گھڑی کو صاف کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور وہ صفائی یہ روزے ہیں جو سال بھر میں تیس دن تک برابر رکھے جاتے ہیں اور اس گھڑی کو تیل دیتے رہنے کی بھی ضرورت ہے - سو زکوٰۃ وہ تیل ہے جو سال بھر میں ایک مرتبہ اس کے پُرزوں کو دیا جاتا ہے - یہ تیل کہیں باہر سے نہیں آتا - بلکہ اسی گھڑی کے بعض پُرزے تیل بناتے ہیں اور بعض سوکھے ہوئے پرزوں کو روغن دار کر کے آسانی کے ساتھ چلنے کے قابل بنا دیتے ہیں - پھر اسے کبھی کبھی اوورہال کرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے - سو وہ اوورہالنگ یہ حج ہے جو عمر میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے اور اس سے زیادہ جتنا کیا جا سکے اتنا ہی بہتر ہے ؀

اب آپ غور کیجئے کہ یہ کوک دینا اور صفائی کرنا اور تیل دینا اور اوورہال کرنا اسی وقت تو مفید ہو سکتا ہے - جب اس فریم میں اس گھڑی کے سارے پُرزے موجود ہوں - ایکدوسرے

کے ساتھ اسی ترتیب سے جڑے ہوئے ہوں۔ جس سے گھڑی ساز نے انہیں جوڑا تھا اور ایسے تیار رہیں کہ کوک دیتے ہی اپنی مقررہ حرکت کرنے لگیں۔ اور حرکت کرتے ہی نتیجہ دکھانے لگیں۔ لیکن یہاں معاملہ ہی کچھ دوسرا ہو گیا ہے۔ اول تو وہ نظامِ جماعت ہی باقی نہیں رہا۔ جس سے اس گھڑی کے پرزوں کو باندھا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے پیچ ڈھیلے ہو گئے اور پرزہ پرزہ الگ ہو کر بکھر گیا۔ اب جو جس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ ہر شخص مختار ہے۔ اس کا دل چاہے تو اسلام کے قانون کی پیروی کرے۔ اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ اس پر بھی آپ لوگوں کا دل ٹھنڈا نہ ہوا تو آپ نے اس گھڑی کے بہت سے پرزے نکال ڈالے۔ اور ان کی جگہ ہر شخص نے اپنی اپنی پسند کے مطابق جس دوسری مشین کا پرزہ چاہا۔ لا کر اس میں فٹ کر دیا۔ کوئی صاحب سنگر مشین کا پرزہ پسند کر کے لے آئے کسی صاحب کو آٹا پیسنے کی چکی کا کوئی پرزہ پسند آ گیا تو وہ اسے اٹھا لائے اور کسی صاحب نے موٹر لاری کی کوئی چیز پسند کی تو اسے لا کر گھڑی میں لگا دیا۔ اب آپ مسلمان بھی ہیں اور بینک سے سودی کاروبار بھی چل رہا ہے۔ انشورنس کمپنی میں بیمہ بھی

کرا رکھا ہے۔ انگریزی عدالتوں میں جھوٹے مقدمے بھی لڑ رہے ہیں۔ کفّار کی وفادارانہ خدمت بھی ہو رہی ہے۔ بیٹیوں اور بہنوں اور بیویوں کو میم صاحب بھی بنایا جا رہا ہے۔ بچّوں کو مادہ پرستانہ تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ گاندھی صاحب کی پیروی بھی ہو رہی ہے اور لینن صاحب کے راگ بھی گائے جا رہے ہیں غرض کوئی غیر اسلامی چیز ایسی نہیں رہی۔ جسے ہمارے بھائی مسلمانوں نے لا لا کر اسلام کی اس گھڑی کے فریم میں ٹھونس نہ دیا ہو ۞

یہ سب حرکتیں کرنے کے بعد اب آپ چاہتے ہیں کہ کوک دینے سے یہ گھڑی چلے اور وہی نتیجہ دِکھائے۔ جس کے لیئے اس گھڑی کو بنایا گیا تھا۔ اور صفائی کرنے، تیل دینے اور اوور ہال کرنے سے وہی فائدے ہوں جو اِن کاموں کے لِئے مقرر ہیں۔ مگر ذرا عقل سے آپ کام لیں تو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ جو حال آپ نے اس گھڑی کا کر دیا ہے۔ اس میں عمر بھر کوک دینے اور صفائی کرنے اور تیل دیتے رہنے سے بھی کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ جب تک کہ آپ باہر سے آئے ہوئے تمام پرزوں کو نکال کر اس کے اصل پُرزے اس میں نہ رکھیں گے اور پھر ان پُرزوں کو اسی

ترتیب کے ساتھ جوڑ کر کس نہ دیں گے جس طرح ابتدا میں انہیں جوڑا اور کسا گیا تھا۔ آپ ہرگز ان نتائج کی توقع نہیں کر سکتے جو اس سے کبھی ظاہر ہوئے تھے۔

خوب سمجھ لیجئے کہ یہ اصلی وجہ ہے آپ کی نمازوں اور روزوں اور زکوٰۃ اور حج کے بے نتیجہ ہو جانے کی۔ اول تو آپ میں سے نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے اور زکوٰۃ و حج ادا کرنے والے ہیں ہی کتنے۔ نظامِ جماعت کے بکھر جانے سے ہر شخص مختارِ مطلق ہو گیا ہے چاہے ان فرائض کو ادا کرے چاہے نہ کرے۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں۔ پھر جو لوگ انہیں ادا کرتے ہیں وہ بھی کس طرح کرتے ہیں؟ نماز میں جماعت کی پابندی نہیں یا اور اگر کہیں جماعت کی پابندی ہے بھی تو مسجدوں کی امامت کے لئے ان لوگوں کو چُنا جاتا ہے۔ جو دنیا میں کسی اور کام کے قابل نہیں ہوتے۔ مسجد کی روٹیاں کھانے والے۔ فرضِ دینی کو کمائی کا ذریعہ سمجھنے والے، جاہل، کم حوصلہ اور پست اخلاق لوگوں کو آپ نے اس نماز کا امام بنایا ہے جو آپ کو خدا کا خلیفہ اور دنیا میں خدائی فوجدار بنانے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ اسی طرح روزے اور زکوٰۃ اور حج کا جو حال ہے وہ بھی ناقابلِ بیان

ہے - ان سب باتوں کے باوجود آپ کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی بہت سے مسلمان اپنے فرائض دینی بجا لانے والے ضرور ہیں لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں - گھڑی کا پرزہ پرزہ الگ کر کے اور اس میں باہر کی بیسیوں چیزیں داخل کر کے آپ کا کوک دینا اور نہ دینا، صفائی کرنا اور نہ کرنا - تیل دینا اور نہ دینا دونوں بے نتیجہ ہیں - آپ کی یہ گھڑی دور سے گھڑی ہی نظر آتی ہے - دیکھنے والا یہی کہتا ہے کہ یہ اسلام ہے اور آپ مسلمان ہیں - آپ جب اس گھڑی کو کوک دیتے اور صفائی کرتے ہیں تو دور سے دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ واقعی آپ کوک دے رہے ہیں اور صفائی کر رہے ہیں - کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز نماز نہیں ہے یا یہ روزے، روزے نہیں ہیں - مگر دیکھنے والوں کو کیا خبر کہ اس ظاہری فریم کے اندر کیا کچھ کارستانیاں کی گئی ہیں ؎

میں نے آپ کو اصلی وجہ بتا دی ہے - کہ آپ کے یہ مذہبی اعمال آج کیوں بے نتیجہ ہو رہے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے کے باوجود آپ خدائی فوجدار بننے کی بجائے کفار کے قیدی اور ہر ظالم کے تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں

لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں آپ کو اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات بتاؤں۔ آپ کو اپنی اس حالت کا رنج اور اپنی مصیبت کا احساس ضرور ہے مگر آپ کے اندر ہزار میں نوسو ننانوے بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگ ایسے ہیں جو اس حالت کو بدلنے کی صحیح صورت کے لئے راضی نہیں ہیں۔ وہ اسلام کے اس گھنٹے کو جس کا پرزا پرزا اندر سے الگ کر دیا گیا ہے اور جس میں اپنی اپنی پسند کے مطابق ہر شخص نے کوئی نہ کوئی چیز ملا رکھی ہے از سر نو مرتب کرنا برداشت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب اس میں سے بیرونی چیزیں نکالی جائیں گی۔ تو ان کی پسند کی بھی کچھ چیزیں نکل کر رہیں گی اور جب اس کو کسا جائے گا۔ تو وہ خود بھی اس کے ساتھ کسے جائیں گے اور یہی ایسی مشقّت ہے۔ جسے برضا و رغبت گوارا کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ اِس لئے وہ بس یہ چاہتے ہیں کہ یہ گھنٹا اِسی حال میں دیوار کی زینت بنا رہے۔ اور دور سے لا لا کر لوگوں کو اس کی زیارت کرائی جائے اور انہیں بتایا جائے کہ اس گھنٹے میں ایسی اور ایسی کرامات چھپی ہوئی ہیں۔ ان سے بڑھ کر جو لوگ کچھ زیادہ اس گھنٹے کے ہوا خواہ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس کو خوب دل لگا لگا کر کوک دی جائے

اور نہایت تن دہی کے ساتھ اس کی صفائی کی جائے۔ مگر حاشا کہ اس کے پرزوں کو مرتّب کرنے اور کسنے اور بیرونی پرزے نکال پھینکنے کا ارادہ نہ کیا جائے ؛

کاش میں آپ کی ہاں میں ہاں ملا سکتا۔ مگر میں کیا کروں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں۔ اس کے برخلاف نہیں کہہ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جس حالت میں آپ اس وقت ہیں اس میں پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ تہجد اور اشراق اور چاشت بھی آپ پڑھنے لگیں اور پانچ پانچ گھنٹے روزانہ قرآن بھی پڑھیں اور رمضان شریف کے علاوہ گیارہ مہینوں میں ساڑھے پانچ مہینوں کے مزید روزے بھی رکھ لیا کریں تب بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ گھڑی کے اندر اس کے اصل پرزے رکھے ہوں اور انہیں کس دیا جائے۔ تب تو ذرا سی کوک بھی اس چیز کو چلا دے گی۔ تھوڑا سا صاف کرنا اور ذرا سا تیل دینا بھی نتیجہ خیز ہوگا۔ ورنہ عمر بھر کوک دیتے رہیئے۔ گھڑی نہ چلنی ہے نہ چلے گی ؛

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

روزہ

دوسری عبادت جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کی ہے۔ "روزہ" ہے۔ روزہ سے مراد ہے کہ صبح سے شام تک آدمی کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرے۔ نماز کی طرح یہ عبادت بھی ابتدا سے تمام پیغمبروں کی شریعت میں فرض رہی ہے۔ پچھلی جتنی اُمتیں گذری ہیں۔ سب اسی طرح روزے رکھتی تھیں۔ جس طرح امّتِ محمدی رکھتی ہے۔ البتہ روزے کے احکام، اور روزوں کی تعداد اور روزے رکھنے کے زمانے میں مختلف شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مذاہب میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہے۔ اگرچہ لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا کر اس کی شکل بگاڑ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ یعنی "اے مسلمانو! تمہارے اوپر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی اُمتوں پر فرض کیا گیا تھا"۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی شریعتیں آئی ہیں۔ وہ کبھی روزے کی عبادت سے خالی نہیں رہیں جس طرح نماز اور زکوٰۃ سے خالی نہیں رہی ہیں۔

غور کیجئے کہ آخر روزے میں بات کیا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو ہر زمانے میں فرض کیا ہے؟

اس سے پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکا ہوں کہ اسلام کا اصل مقصد انسان کی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت بنا دینا ہے۔ انسان عبد یعنی بندہ پیدا ہوا ہے اور عبدیت یعنی بندگی اس کی عین فطرت ہے۔ اس لئے عبادت یعنی خیال اور عمل میں اللہ کی بندگی کرنے سے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو آزاد نہ ہونا چاہیئے۔ اُسے اپنی بندگی کے ہر معاملہ میں ہمیشہ اور ہر وقت یہ دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کس چیز میں ہے اور اس کا غضب اور ناراضی کس چیز میں۔ پھر جس طرف اللہ کی رضا ہو اس طرف جانا چاہیئے اور جس طرف اس کا غضب اور

اس کی ناراضی ہو۔ اس سے یوں بچنا چاہیئے۔ جیسے آگ کے انگارے سے کوئی بچتا ہے۔ جو طریقہ اللہ نے پسند کیا ہو اس پر چلنا چاہیئے اور جس طریقہ کو اس نے پسند نہ کیا ہو اس سے بھاگنا چاہیئے جب انسان کی ساری زندگی اس رنگ میں رنگ جائے۔ تب سمجھو کہ اس نے اپنے مالک کی بندگی کا حق ادا کیا اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن کا منشا پورا کر دیا ؀

یہ بات بھی اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے نام سے جو عبادتیں ہم پر فرض کی گئی ہیں۔ انکا اصل مقصد اسی بڑی عبادت کے لئے ہم کو تیار کرنا ہے۔ ان کو فرض کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر تم نے دن میں پانچ وقت رکوع اور سجدہ کر لیا۔ رمضان میں تیس دن تک صبح سے شام تک بھوک پیاس برداشت کر لی اور مالدار ہونے کی صورت میں سالانہ زکوٰۃ اور عمر میں ایک مرتبہ حج ادا کر دیا تو اللہ کا جو حق تم پر تھا وہ ادا ہو گیا اور اس کے بعد تم اس کی بندگی سے آزاد ہو گئے کہ جو چاہو کرتے پھرو۔ بلکہ دراصل ان عبادتوں کو فرض کرنے کی غرض یہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے آدمی کی تربیت کی جائے اور اس کو اس قابل بنا دیا جائے کہ اس کی پوری

زندگی اللہ کی عبادت بن جائے - آیئے اب اس مقصد کو سامنے رکھ کر ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح آدمی کو اس بڑی عبادت کے لئے تیار کرتا ہے ⁂

روزہ کے سوا دوسری جتنی عبادتیں ہیں - وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں - مثلاً نماز میں آدمی اٹھتا اور بیٹھتا اور رکوع اور سجدہ کرتا ہے - جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے - حج میں ایک لمبا سفر کر کے جاتا ہے اور پھر ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے ساتھ سفر کرتا ہے - زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا شخص لیتا ہے - ان سب عبادتوں کا حال چھپ نہیں سکتا - اگر آپ ادا کرتے ہیں - تب بھی دوسروں کو معلوم ہو جاتا ہے اور اگر ادا نہیں کرتے - تب بھی لوگوں کو خبر ہو جاتی ہے - اس کے برخلاف روزہ ایسی عبادت ہے - جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی دوسرے پر نہیں کھل سکتا - ایک شخص سب کے سامنے سحری کھائے اور افطار کے وقت تک ظاہر میں کچھ نہ کھائے پیئے - مگر چھپ کر پانی پی جائے یا کچھ چوری چھپے کھا لے تو خدا کے سوا کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی - ساری دنیا یہی سمجھتی رہے گی کہ وہ روزے سے ہے - اور وہ

حقیقت میں روزے سے نہ ہوگا ؎

روزے کی اس حیثیت کو سامنے رکھو۔ پھر غور کرو جو شخص حقیقت میں روزہ رکھتا ہے اور اس میں چوری چھپے بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ سخت گرمی کی حالت میں بھی جب کہ پیاس سے حلق چٹخا جاتا ہو۔ پانی کا ایک قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا سخت بھوک کی حالت میں بھی جبکہ آنکھوں میں دم آرہا ہو۔ کوئی چیز کھانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اُسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر کتنا ایمان ہے۔ کس قدر زبردست یقین کے ساتھ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت چاہے ساری دنیا سے چھپ جائے مگر اللہ سے نہیں چھپ سکتی۔ کیسا خوفِ خدا اس کے دل میں ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اُٹھاتا ہے۔ مگر صرف اللہ کے ڈر سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزے کو توڑنے والا ہے۔ کس قدر مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی سزا و جزا پر کہ مہینہ بھر میں وہ کم از کم تین سو ساٹھ گھنٹہ کے روزے رکھتا ہے اور اس دوران میں کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق شک کا شائبہ تک نہیں آتا۔ کیونکہ اگر اُسے اس امر میں شک ہو جائے کہ آخرت ہو گی یا نہ ہو گی۔

اور اس میں عذاب و ثواب ہوگا یا نہ ہوگا تو وہ کبھی اپنا روزہ
پورا نہیں کر سکتا۔ شک کی فطرت یہی ہے کہ وہ آدمی کے ارادے
کو متزلزل کر دیتا ہے۔ لہذا شک آنے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے
کہ آدمی خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ نہ کھانے اور پینے کے ارادہ
پر قائم رہ جائے ۔

اس طرح اللہ تعالیٰ ہر سال کامل ایک مہینہ تک مسلمان
کے ایمان کو مسلسل آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس آزمائش
میں جتنا جتنا آدمی پورا اترتا جاتا ہے۔ اتنا ہی اتنا اس کا
ایمان مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ یہ گویا آزمائش کی آزمائش
ہے۔ اور ٹریننگ کی ٹریننگ۔ آپ جب کسی شخص کے
پاس امانت رکھواتے ہیں تو گویا اس کی ایمانداری کی آزمائش
کرتے ہیں۔ اگر وہ اس آزمائش میں پورا اترے اور امانت
میں خیانت نہ کرے تو اس کے اندر امانتوں کا بوجھ سنبھالنے
کی اور زیادہ طاقت پیدا ہوتی ہے اور زیادہ امین بنتا چلا
جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مسلسل ایک مہینہ تک روزانہ
بارہ بارہ چودہ چودہ گھنٹے تک آپ کے ایمان کو کڑی آزمائش
میں ڈالتا ہے اور جب اس آزمائش میں آپ پورے اترتے

ہیں تو آپ کے اندر اِس بات کی مزید قابلیت پیدا ہونے لگتی ہے کہ اللہ سے ڈر کر دوسرے گناہوں سے بھی پرہیز کریں اللہ کو عالم الغیب جان کر چوری چھپے بھی اس کے قانون کو توڑنے سے بچیں اور ہر موقع پر قیامت کا وہ دن آپکو یاد آجایا کرے جب سب کچھ کھل جائے گا اور بغیر کسی رو رعایت کے بھلائی کا بھلا اور بُرائی کا بُرا بدلہ ملے گا - یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ	اے اہل ایمان! تمہارے اوپر روزے
عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ	فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ	لوگوں پر بھی فرض کئے گئے تھے۔ شاید کہ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ - ۲۲)	تم پرہیزگار بن جاؤ ۔

روزے کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ طویل مدت تک شریعت کے احکام کی تعمیل کراتا ہے - نماز کی مدت ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی - زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت سال بھر میں صرف ایک وقت آتا ہے اور وہ بھی صرف مالداروں کے لئے - حج میں البتہ لمبی مدت صرف ہوتی ہے مگر اس کا موقع عمر بھر میں ایک دفعہ آتا ہے اور وہ بھی سب کے لئے نہیں - اِن سب کے برخلاف روزہ ہر سال پورے ایک

مہینہ تک شب و روز شریعتِ محمدی کے اتّباع کی مشق کراتا ہے۔ صبح سحری کے لئے اُٹھو۔ ٹھیک فلاں وقت تک کھانا پینا سب بند کردو۔ دن بھر فلاں فلاں کام کرسکتے ہو اور فلاں فلاں کام نہیں کرسکتے۔ شام کو ٹھیک فلاں وقت پر افطار کرو۔ پھر کھانا کھاکر آرام لو۔ پھر تراویح کے لئے دوڑو۔ اِس طرح ہر سال کامل مہینہ بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مسلمان کو فوجی سپاہیوں کی طرح پورے قاعدے اور ضابطے میں رکھا جاتا ہے اور پھر گیارہ مہینہ کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جو تربیت اس مہینہ میں اس نے حاصل کی ہے۔ اس کے اثرات ظاہر ہوں اور جو کمی پائی جائے۔ پھر دوسرے سال کی ٹریننگ میں پوری کی جائے ॥

اس قسم کی تربیت کے لئے ایک ایک شخص کو الگ الگ لے کر تیار کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہوتا۔ فوج میں بھی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شخص کو الگ الگ قواعد نہیں کرائی جاتی بلکہ پوری فوج کی فوج ایک ساتھ قواعد کرتی ہے۔ سب کو ایک وقت بگل کی آواز پر اُٹھنا اور بگل کی آواز پر کام کرنا ہوتا ہے تاکہ اُن میں جماعت بن کر متفقہ کام کرنے کی عادت ہو اور اس کے

ساتھ ہی وہ سب ایک دوسرے کی تربیت میں مددگار ہوں۔ یعنی ایک شخص کی تربیت میں جو کچھ نقص رہ جائے۔ اس کی کمی کو دوسرا اور دوسرے کی کمی کو تیسرا پورا کر دے۔ اسی طرح اسلام میں بھی رمضان کا مہینہ روزے کی عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ایک وقت میں سب کے سب مل کر روزہ رکھیں۔ اس حکم نے انفرادی عبادت کو اجتماعی عبادت بنا دیا۔ جس طرح ایک عدد کو ایک لاکھ سے ضرب دو۔ تو ایک لاکھ کا زبردست عدد بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایک ایک شخص کے روزہ رکھنے سے جو اخلاقی اور روحانی فائدے ہو سکتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے مل کر روزہ رکھنے سے وہ لاکھوں کروڑوں گنے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ پوری فضا کو نیکی اور پرہیزگاری سے بھر دیتا ہے۔ پوری قوم میں گویا تقوی کی کھیتی سرسبز ہو جاتی ہے۔ ہر شخص نہ صرف خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ اگر اس میں کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اس کے دوسرے بہت سے بھائی جو اس کی طرح روزہ دار ہیں۔ اس کے پشت پناہ بن جاتے ہیں۔ ہر شخص کو روزہ رکھ کر گناہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے

اور ہر ایک کے دل میں خود بخود یہ خواہش اُبھرتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے۔ کسی غریب کو کھانا کھلائے۔ کسی ننگے کو کپڑا پہنائے۔ کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے۔ کسی جگہ اگر کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصّہ لے اور کہیں علانیہ بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ نیکی اور تقویٰ کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے اور بھلائیوں کے پھلنے پھولنے کا موسم آجاتا ہے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلّہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتیوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی بنا پر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ :-

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ — آدمی کا ہر عمل خدا کے ہاں کچھ نہ
الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا — کچھ بڑھتا ہے۔ ایک نیکی دس
اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ — گنی سے سات سو گنی تک پھلتی
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ — پھولتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
فَاِنَّهٗ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ — کہ روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ وہ
خاص میرے لئے ہے اور میں اس کا جتنا چاہوں بدلہ دیتا ہوں ؛

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کی نیت اور نیکی کے نتائج کے لحاظ سے تمام اعمال پھلتے پھولتے ہیں اور انکی

ترقی کے لئے ایک حد مقرر ہے۔ مگر روزے کی ترقی کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ رمضان چونکہ خیر اور صلاح کے پھلنے پھولنے کا موسم ہے اور اس موسم میں ایک شخص نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان مِل کر اس نیکی کے باغ کو پانی دیتے ہیں۔ اس لئے یہ بیحد و حساب بڑھ سکتا ہے۔ جتنی زیادہ نیک نیتی کے ساتھ اس مہینہ میں عمل کروگے۔ جس قدر زیادہ برکتوں سے خود فائدہ اُٹھاؤ گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاؤ گے۔ اور پھر جس قدر زیادہ اس مہینے کے اثرات بعد کے گیارہ مہینوں میں باقی رکھوگے۔ اتنا ہی یہ پھلے اور پھولے گا۔ اور اس کے پھلنے پھولنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم خود اپنے عمل سے اس کو محدود کرلو۔ تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے ؏

روزے کے یہ اثرات اور یہ نتائج سن کر ہر شخص کے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ یہ اثرات آج کہاں ہیں؟ ہم روزے بھی رکھتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ مگر یہ نتیجے جو تم بیان کرتے ہو۔ ظاہر نہیں ہوتے۔ اس کی ایک وجہ تو میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اسلام کے اجزاء کو الگ الگ کر دینے کے بعد اور بہت سی نئی چیزیں اس میں مِلا

دینے کے بعد آپ ان نتائج کی توقّع نہیں کر سکتے جو پورے نظام کی پابندی ہوئی صورت ہی میں ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبادت کے متعلّق آپ کا نقطۂ نظر بالکل بدل گیا ہے۔ اب آپ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ محض صبح سے شام تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام عبادت ہے اور جب یہ کام آپ نے کر لیا تو عبادت پوری ہو گئی۔ اسی طرح دوسری عبادتوں کی بھی محض ظاہری شکل کو آپ عبادت سمجھتے ہیں اور عبادت کی روح جو آپ کے ہر عمل میں ہونی چاہیئے۔ اس سے عام طور پر آپ کے ۹۹ فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ آدمی غافل ہیں۔ اسی وجہ سے یہ عبادات اپنے پورے فائدے نہیں دکھاتیں۔ کیونکہ اسلام میں تو نیت اور فہم اور سمجھ بوجھ ہی پر سب کچھ منحصر ہے ؎

روزہ کا اصل مقصد

ہر کام جو انسان کرتا ہے - اس میں دو چیزیں لازمی طور پر ہوا کرتی ہیں - ایک چیز تو وہ مقصد ہے - جس کے لئے کام کیا جاتا ہے اور دوسری چیز اس کام کی وہ خاص شکل ہے - جو اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اختیار کی جاتی ہے - مثلاً کھانا کھانے کے فعل کو لیجئے - کھانے سے آپ کا مقصد زندہ رہنا اور جسم کی طاقت کو بحال رکھنا ہے - اس مقصد کو حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ آپ نوالے بناتے ہیں - منہ میں لے جاتے ہیں - دانتوں سے چباتے ہیں اور حلق سے نیچے اتارتے ہیں - چونکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ کارآمد اور سب سے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہو سکتا تھا - اس لئے آپ نے اسی کو اختیار کیا - لیکن آپ میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ اصل چیز وہ مقصد ہے جس کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے نہ کہ کھانے کے فعل کی یہ صورت - اگر کوئی شخص

لکڑی کا برادہ یا راکھ یا مٹی لے کر اس کے نوالے بنائے اور منہ میں لے جائے اور دانتوں سے چبا کر حلق کے نیچے اتار لے تو آپ اسے کیا کہیں گے ؟ یہی نا کہ اس کا دماغ خراب ہے۔ کیوں ؟ اس لئے کہ وہ احمق کھانے کے اصل مقصد کو نہیں سمجھتا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ بس فعلِ خوردن کے اِن چاروں ارکان کو ادا کر دینے کا نام کھانا کھانا ہے۔ اسی طرح آپ اس شخص کو بھی پاگل قرار دینگے جو روٹی کھانے کے فوراً ہی بعد حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتا ہو اور پھر شکایت کرتا ہو کہ روٹی کھانے کے جو فائدے بیان کئے جاتے ہیں وہ تو مجھے حاصل ہی نہیں ہوتے بلکہ میں تو اُلٹا روز بروز دُبلا ہوتا جا رہا ہوں اور مر جانے کی نوبت آ گئی ہے۔ یہ احمق اپنی اس کمزوری کا الزام روٹی اور کھانے پر رکھتا ہے۔ حالانکہ حماقت اس کی اپنی ہے۔ اس نے اپنی نادانی سے یہ سمجھ لیا کہ کھانے کا فعل جتنے ارکان سے مرکب ہے۔ بس ان کو ادا کر دینے ہی سے زندگی کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس نے سوچا کہ اب روٹی کا بوجھ اپنے معدے میں کیوں رکھوں ؟ کیوں نہ اسے نکال پھینکا جائے تاکہ پیٹ ہلکا ہو جائے ؟ کھانے کے ارکان میں ادا کر ہی چکا ہوں۔ یہ احمقانہ خیال جو اس نے قائم کیا اور اس کی

پیروی کی - اس کی سزا بھی ظاہر ہے کہ اسے بھگتنی چاہیئے - اس کو جاننا چاہیئے تھا - کہ جب تک روٹی پیٹ میں جا کر ہضم نہ ہو - اور خون بن کر سارے جسم میں نہ پھیل جائے - اس وقت تک زندگی کی طاقت حاصل نہیں ہو سکتی - کھانے کے ظاہری ارکان بھی اگرچہ ضروری ہیں - کیونکہ ان کے بغیر روٹی معدے تک نہیں پہنچ سکتی - مگر محض ان ظاہری ارکان سے کام نہیں چل سکتا - اِن کارروائیوں میں کوئی جادو بھرا ہوا نہیں ہے کہ انہیں ادا کرنے سے بس طلسماتی طریقہ پر آدمی کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا ہو - خون پیدا کرنے کے لِئے تو اللہ نے جو قانون بنایا ہے - اسی کے مطابق وہ پیدا ہوگا - اس کو توڑو گے تو اپنے آپ کو خود ہلاک کرو گے ؞

یہ مثال جو اس تفصیل کے ساتھ میں نے بیان کی ہے - اس پر غور کریں تو آپ کی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ آج آپ کی عبادتیں کیوں بے اثر ہو گئی ہیں - جیسا کہ میں پہلے بھی بارہا بیان کر چکا ہوں سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ آپ نے نماز روزے کے ارکان اور انکی ظاہری صورتوں ہی کو اصل عبادت سمجھ رکھا ہے - اور آپ اس خیالِ خام میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ جس نے یہ ارکان پوری طرح ادا کر دیئے - اس نے بس اللہ کی عبادت کر دی - آپ کی مثال اسی

شخص کی سی ہے جو کھانے کے چاروں ارکان یعنی نوالے بنانا۔ منہ
میں روٹی رکھنا۔ چبانا اور حلق کے نیچے اتار دینا۔ بس انہی چاروں
کے مجموعے کو کھانا سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ جس نے یہ چار
ارکان ادا کر دیئے ہیں اس نے کھانا کھا لیا اور کھانے کے فائدے
اس کو حاصل ہونے چاہئیں۔ خواہ اس نے ان ارکان کے ساتھ
مٹی اور پتھر اپنے پیٹ میں اتارے ہوں یا روٹی کھا کر فوراً قے کر
دی ہو۔ اگر حقیقت میں آپ لوگ اس حماقت میں مبتلا نہیں ہو گئے
ہیں تو مجھے بتائیے۔ یہ کیا ماجرا ہے کہ جو روزہ دار صبح سے شام تک
عبادت میں مشغول ہوتا ہے وہ عین اس عبادت کی حالت میں جھوٹ
کیسے بولتا ہے؟ غیبت کس طرح کرتا ہے۔ اس کی زبان سے
گالیاں کیوں نکلتی ہیں؟ وہ لوگوں کا حق کیسے مار کھاتا ہے؟ حرام
کھانے اور حرام کھلانے کے کام کس طرح کر لیتا ہے؟ اور پھر یہ سب
کام کر کے بھی اپنے نزدیک یہ کیسے سمجھتا ہے کہ میں نے خدا کی عبادت
کی ہے؟ کیا اس کی مثال اس شخص کی سی نہیں ہے جو راکھ اور
مٹی کھاتا ہے اور محض کھانے کے چار ارکان ادا کر دینے کو سمجھتا
ہے کہ کھانا اسی کو کہتے ہیں؟

پھر مجھے بتائیے۔ یہ کیا ماجرا ہے کہ رمضان بھر میں تقریباً

۳۶۰ گھنٹے خدا کی عبادت کرنے کے بعد جب آپ فارغ ہوتے ہیں تو اس پوری عبادت کے تمام اثرات شوال کی پہلی تاریخ ہی کو کیوں کافور ہو جاتے ہیں؟ ہندو اپنے تیوہاروں میں جو کچھ کرتے ہیں۔ وہی سب آپ عید منانے میں کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ شہروں میں تو عید کے روز بدکاری اور شراب نوشی اور قمار بازی تک ہوتی ہے۔ اور بعض ظالم تو میں نے ایسے دیکھے ہیں جو رمضان کے زمانے میں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں۔ عام مسلمان خدا کے فضل سے اس قدر بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں۔ مگر رمضان ختم ہونے کے بعد آپ میں سے کتنے ایسے ہیں۔ جن کے اندر عید کے دوسرے دن بھی تقویٰ اور پرہیزگاری کا کوئی اثر باقی رہتا ہو؟ خدا کے قوانین کی خلاف ورزی میں کونسی کسر اٹھا رکھی جاتی ہے؟ نیک کاموں میں کتنا حصہ لیا جاتا ہے اور نفسانیت میں کیا کمی آجاتی ہے؟

سوچئے اور غور کیجئے کہ اس کی وجہ آخر کیا ہے۔ میں آپکو یقین دلاتا ہوں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں عبادت کا مفہوم اور مطلب ہی غلط ہو گیا ہے۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ سحر سے لیکر مغرب تک کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کا نام روزہ ہے اور بس یہی

عبادت ہے - اِسی لئے روزے کی تو آپ پوری حفاظت کرتے ہیں - خدا کا خوف آپ کے دِل میں اس قدر ہوتا ہے کہ جس چیز میں روزہ ٹوٹنے کا ذرا سا اندیشہ بھی ہو اس سے بھی بچتے ہیں اور اگر جان پر بھی بن جائے - تب بھی آپ کو روزہ توڑنے میں تامّل ہوتا ہے - لیکن آپ یہ نہیں جانتے کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا اصل عبادت نہیں بلکہ عبادت کی صورت ہے - اور یہ صورت مقرّر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے اندر خدا کا خوف اور خدا کی محبت پیدا ہو اور آپ کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جائے - کہ جس چیز میں دنیا بھر کے فائدے ہوں - مگر خدا ناراض ہوتا ہو - اس سے آپ اپنے نفس پر جبر کر کے بچ سکیں اور جس چیز میں ہر طرح کے خطرات اور نقصانات ہوں مگر خدا اس سے خوش ہوتا ہو - اس پر آپ اپنے نفس کو مجبور کر کے آمادہ کر سکیں - یہ طاقت اسی طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ آپ روزے کے مقصد کو سمجھتے اور مہینہ بھر تک آپ نے خدا کے خوف اور خدا کی محبّت میں اپنے نفس کو خواہشات سے روکنے اور خدا کی رضا کے مطابق چلانے کی جو مشق کی ہے اس سے کام لیتے - مگر آپ تو رمضان کے بعد ہی اس مشق کو اور ان صفات کو جو اس مشق سے پیدا ہوتی ہیں اس طرح

نکال پھینکتے ہیں۔ جس طرح کھانا کھانے کے بعد کوئی شخص انگلی ڈال کر
قے کر دے۔ بلکہ بعض لوگ تو روزہ کھولنے کے بعد ہی دن بھر کی
پرہیزگاری کو اُگل دیتے ہیں۔ پھر آپ ہی بتائیے کہ رمضان اور
اس کے روزے کوئی طلسم تو نہیں ہیں کہ بس انکی ظاہری شکل
پوری کر دینے سے آپ کو وہ طاقت حاصل ہو جائے جو حقیقت میں روزے
سے حاصل ہونی چاہیئے۔ جس طرح روٹی سے جسمانی طاقت اسوقت
تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ معدے میں جا کر ہضم نہ
ہو اور خون بن کر جسم کی رگ رگ میں نہ پہنچ جائے۔ اسی طرح روزے
سے بھی روحانی طاقت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک
کہ آدمی روزہ کے مقصد کو سمجھے نہیں اور اپنے دل و دماغ کے اندر
اسکو اترنے اور خیال۔ نیت۔ ارادہ اور عمل سب پر چھا جانے کا موقع نہ دے۔
یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا۔
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ یعنی تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے، شاید کہ تم متقی
و پرہیزگار بن جاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس سے تم ضرور متقی و پرہیزگار
بن جاؤ گے۔ اس لئے کہ روزے کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور
اس کے ارادے پر موقوف ہے جو اس کے مقصد کو سمجھے گا اور اس کے
ذریعہ سے اصل مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا وہ تو تھوڑا یا

بہت متّقی بن جائے گا۔ مگر جو مقصد ہی کو نہ سمجھے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کریگا۔ اسے کوئی فائدہ حاصل ہونے کی اُمید نہیں:

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجّہ دلائی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنا کچھ مفید نہیں۔ چنانچہ فرمایا:-

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ

جب کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑوا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا۔

كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاُ وَكَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ

بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا اور بہت سے راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں کہ اس قیام سے رت جگے کے سوا ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا:

اِن دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے۔ اِن سے صاف طور پر معلوم ہوتا کہ محض بھوکا اور پیاسا رہنا عبادت نہیں

ہے - بلکہ اصل عبادت کا ذریعہ ہے اور اصل عبادت ہے خوفِ خدا کی وجہ سے خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا اور محبتِ الٰہی کی بنا پر ہر اس کام کے لئے شوق سے لپکنا جس میں محبوب کی خوشنودی ہو اور نفسانیت سے بچنا جہاں تک بھی ممکن ہو - اس عبادت سے جو شخص غافل رہا - اس نے خواہ مخواہ اپنے پیٹ کو بھوک پیاس کی تکلیف دی - اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت کب تھی کہ بارہ چودہ گھنٹے کے لئے اس سے کھانا پینا چھڑوا دیتا؟

روزے کے اصل مقصد کی طرف سرکارؐ اس طرح توجہ دلاتے ہیں کہ :-

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

یعنی جس نے روزہ رکھا - ایمان اور احتساب کے ساتھ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے :-

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیئے وہ عقیدہ ذہن میں پوری طرح تازہ رہے اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پہ نظر رکھے کہ کہیں وہ اپنے ایمان کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ

لے گا۔ وہ اپنے پچھلے گناہ بخشوا لے جائے گا۔ اِس لئے کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کر لیا اور اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے۔ جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا ؛

دوسری حدیث میں آیا ہے :-

اَلصِّیَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ۔ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ اِمْرُءٌ صَائِمٌ

روزے ڈھال کی طرح ہیں کہ جس طرح ڈھال دشمن کے وار سے بچنے کے لئے ہے۔ اسی طرح روزہ بھی شیطان کے وار سے بچنے کے لئے ہے لہذا جب کوئی شخص روزے سے ہو تو اسے چاہیئے کہ اس ڈھال کو استعمال کرے اور دنگے فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس کو کہہ دینا چاہئے۔ کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔ مجھ سے تم یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے اس مشغلہ میں حصہ لوں گا ؛

دوسری احادیث میں حضور نے بتایا ہے کہ روزے کی حالت میں آدمی کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے چاہیئں اور ہر

بھلائی کا شوقین بن جانا چاہیئے۔ خصوصاً اس حالت میں اس کے اندر اپنے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ تو پوری شدّت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ خود بھوک پیاس کی تکلیف ... کر زیادہ اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے ... بندگانِ ... اور مصیبت میں کیا گزرتی ہو گی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ خود سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیق ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل اس زمانہ میں حضورؐ کے دروازے سے خالی نہ جاتا اور کوئی قیدی اس زمانے میں قید نہ رہتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

من فطر فیہ صائماً کان لہٗ مغفرۃ لذنوبہٖ وعتق رقبتہٖ من النار وکان لہٗ مثل اجرہٖ من غیر ان ... من اجرہٖ شیئٌ

جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا۔ تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور اس کی گردن کو آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہو گا اور اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اور افطار کرانے والے کو ثواب ملنے سے اصلی روزے دار کے ثواب میں کمی نہ ہو گی۔

حقیقتِ زکوٰۃ

طبع سوم قیمت ۔ر

فہرست

زکوٰۃ کی اہمیّت

نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے۔ عام طور پر چونکہ عبادات کے سلسلہ میں نماز کے بعد روزے کا نام لیا جاتا ہے۔ اس لئے لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ نماز کے بعد روزے کا نمبر ہے۔ مگر قرآن مجید سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نماز کے بعد سب سے بڑھ کر زکوٰۃ کی اہمیت ہے۔ یہ دو بڑے ستون ہیں۔ جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ ان کے ہٹنے کے بعد اسلام قائم نہیں رہ سکتا ؛

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکی اور صفائی کے۔ اپنے مال میں سے ایک حصہ حاجتمندوں اور مسکینوں کے لئے نکالنے کو زکواۃ اس لئے کہا گیا کہ اس طرح وہ مال، اور اس مال کے ساتھ خود اس آدمی کا نفس بھی پاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص خدا کی بخشی ہوئی دولت میں سے خدا کے بندوں کا حق نہیں

نکالتا - اس کا مال ناپاک ہے اور مال کے ساتھ اس کا نفس بھی ناپاک ہے - کیونکہ اس کے نفس میں احسان فراموشی بھری ہوئی ہے - اس کا دل اتنا تنگ ہے - اتنا خود غرض ہے اتنا زر پرست ہے کہ جس خدا نے اس کو اس کی حقیقی ضرورت سے زیادہ دولت دے کر اس پر احسان کیا - اسکے احسان کا حق ادا کرتے ہوئے بھی اس کا دل دکھتا ہے - ایسے شخص سے کیا اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ دنیا میں کوئی نیکی بھی خدا کے واسطے کر سکے گا - کوئی قربانی بھی محض اپنے دین و ایمان کی خاطر برداشت کریگا؟ لہذا ایسے شخص کا دل بھی ناپاک اور اس کا وہ مال بھی ناپاک جسے وہ اس طرح جمع کرے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا فرض ادا کر کے ہر شخص کو امتحان میں ڈالا ہے - جو شخص بخوشی اپنے ضرورت سے زیادہ مال میں سے خدا کا حق نکالتا ہے اور اس کے بندوں کی مدد کرتا ہے - وہی اللہ کے کام کا آدمی ہے اور وہی اس لائق ہے کہ ایمانداروں کی جماعت میں اس کا شمار کیا جائے اور جس کا دل اتنا تنگ ہے کہ وہ اتنی ذراسی قربانی بھی خداوند عالم کے لئے برداشت نہیں کر سکتا - وہ اللہ کے کسی کام کا نہیں اور وہ ہر گز اس

لائق نہیں کہ اہلِ ایمان کی جماعت میں داخل کیا جائے۔ وہ ایک سڑا ہوا عضو ہے جسے جسم سے الگ کر دینا ہی بہتر ہے ورنہ سارے جسم کو سڑا دیگا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکارِ رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب کے بعض قبیلوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس طرح جنگ کی جیسے کافروں سے کی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ نماز پڑھتے تھے اور خدا اور رسول کا اقرار کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے بغیر نماز روزہ اور ایمان کی شہادت سب بیکار ہیں کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا ؀

قرآن مجید اٹھا کر دیکھیے۔ آپ کو نظر آئیگا کہ قدیم زمانہ سے تمام انبیاء کی اُمتوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم لازمی طور پر دیا گیا ہے اور دینِ اسلام کبھی کسی زمانہ میں بھی ان دو چیزوں سے خالی نہیں رہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کے انبیاء کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	ہم نے ان کو انسانوں کا پیشوا بنایا
بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ	اور وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں
فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ	کو ہدایت کرتے تھے۔ ہم نے وحی کے

الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَ کَانُوْا لَنَا عَابِدِیْنَ ۔ (الانبیاء ۴)

ذریعہ سے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے:۔

وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَ کَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا (مریم۔۴)

وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک برگزیدہ تھے ؛۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق دعا کی کہ خدایا ہمیں اس دنیا کی بھلائی بھی عطا کر اور آخرت کی بھلائی بھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ جواب میں ارشاد ہوا:۔

عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ (الاعراف ۱۹)

میں اپنے عذاب میں جسے چاہوں گا گھیر لوں گا۔ اگرچہ میری رحمت ہر چیز پہ چھائی ہوئی ہے۔ مگر اس رحمت کو میں انہی لوگوں کے حق میں لکھونگا جو مجھ سے ڈرینگے اور زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے

حضرت موسیٰ کی قوم چونکہ چھوٹے دل کی تھی اور روپے پر جان دیتی ۔ جیسا کہ آج بھی یہودیوں کا حال آپ دیکھتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی دعا کے جواب میں صاف فرما دیا کہ تمہاری امّت اگر زکوٰۃ کی پابندی کرے گی۔ تب تو اس کے لئے میری رحمت کا وعدہ ہے ورنہ ابھی سے صاف سُن رکھو کہ وہ میری رحمت سے محروم ہو جائے گی اور میرا عذاب اُسے گھیر لے گا ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے بعد بھی بار بار بنی اسرائیل کو اس بات پر تنبیہ کی جاتی رہی ۔ بار بار اُن سے عہد لئے گئے ۔ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کریں (سورہ بقرہ ۔ رکوع ۱۰) یہاں تک کہ آخیر میں صاف نوٹس دے دیا گیا کہ :-

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ	یعنی اللہ نے فرما دیا کہ اے بنی اسرائیل!
لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ	اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو
وَاٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ	اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور
بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ	جو رسول آئیں اُن کی مدد کرو اور
وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا	اللہ کو قرضِ حسنہ دو ۔ تب تو میں تمہارے
حَسَنًا ۔ (المائدۃ ۔ ۳)	ساتھ ہوں (ورنہ تمہیں میری رحمت
	کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ سو ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ حکم دیا۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں ہے:-

وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ	اللہ نے مجھے برکت دی ہے۔ جہاں
وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّكٰوۃِ	بھی میں رہوں اور مجھے ہدایت فرمائی
مَا دُمْتُ حَیًّا۔	ہے کہ نماز پڑھوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں
(مریم - ۲)	جب تک زندہ ہوں ؞

اس سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام ابتدا سے ہر نبی کے زمانے میں نماز اور زکوٰۃ کے دو بڑے ستونوں پر قائم ہوا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا پر ایمان رکھنے والی کسی امت کو بھی ان دو فرضوں سے معاف کیا گیا ہو ؞

اب دیکھیے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ دونوں فرض کس طرح ساتھ ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کھولتے ہی سب سے پہلے جن آیات پر نظر پڑتی ہے۔ وہ کیا ہیں یہ کہ:-

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ	یہ قرآن ایسی کتاب ہے۔ جس میں کوئی
فِیْهِ ۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ	بات شک کی نہیں ہے (یعنی علم ہی علم ہے)

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ (البقرۃ - ۱)

یہ پرہیزگاروں کو دنیا میں زندگی کا سیدھا راستہ بتاتا ہے اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

پھر فرمایا اُولٰٓئِكَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور ایسے ہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور فلاح ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے ۔یعنی جن میں ایمان نہیں اور جو نماز اور زکوٰۃ کے پابند نہیں - وہ نہ ہدایت پر ہیں اور نہ انہیں فلاح نصیب ہو سکتی ہے ؛

اس کے بعد اسی سورۂ بقر کو پڑھتے جائیے - چند صفحوں کے بعد پھر حکم ہوتا ہے :۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ۔ (البقرۃ - ۵)

نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دو- اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو)

پھر تھوڑی دُور آگے چل کر اسی سورۂ میں ارشاد ہوا :۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ نیکی محض اس کا نام نہیں ہے۔کہ

قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ
لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ
الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ
السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى
الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ
الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

مشرق یا مغرب کی طرف تم نے منہ کر لیا
بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جس نے اللہ
اور آخرت اور ملائکہ اور کتاب الٰہی
اور پیغمبروں پر ایمان رکھا اور اللہ کی محبت
اور اپنے حاجتمند رشتہ داروں اور
یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور
سائلوں پر اپنا مال خرچ کیا اور لوگوں کو
قرض یا غلامی یا اسیری سے اپنی گردنیں
چھڑانے میں مدد دی اور نماز کی پابندی کی
اور زکوٰۃ ادا کی - اور نیک وہ لوگ ہیں
جو عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا
کریں اور مصیبت اور نقصان اور
جنگ کے موقعہ پر صبر کے ساتھ راہِ
حق پر ڈٹ جائیں - ایسے ہی لوگ
سچے مسلمان ہیں اور ایسے ہی لوگ متقی و پرہیزگار ہیں ؛

پھر آگے دیکھئے سورۂ مائدہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ — مسلمانو! تمہارے حقیقی دوست اور

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۝ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

(المائدہ - ۸)

مددگار صرف اللہ اور رسول اور ایماندار لوگ ہیں یعنی ایسے لوگ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور خدا کے آگے جھکتے ہیں پس جو شخص اللہ اور رسول اور ایسے ایماندار لوگوں کو دوست بنائے۔ وہ اللہ کی پارٹی کا آدمی ہے اور اللہ کی پارٹی ہی غالب ہونے والی ہے ؎

اِس عظیم الشان آیت میں ایک بڑا قاعدہ بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو اس آیت سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اہل ایمان صرف وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ان دو ارکانِ اسلام سے جو لوگ روگردانی کریں۔ انکا دعوائے ایمان ہی جھوٹا ہے پھر اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کی ایک پارٹی ہے اور ایماندار آدمی کا کام یہ ہے کہ سب سے الگ ہو کر اسی پارٹی میں شامل ہو جائے۔ جو مسلمان اس پارٹی سے باہر رہنے والے کسی شخص کو خواہ وہ باپ ہو۔ بھائی ہو۔ بیٹا ہو۔ ہمسایہ یا ہم وطن ہو یا کوئی بھی ہو۔ اگر وہ اس کو اپنا دوست بنائے گا اور اس سے محبت اور مددگاری کا تعلق رکھے گا۔ تو

اُسے یہ اُمید نہ رکھنی چاہیئے کہ اللہ اس سے مددگاری کا تعلق رکھنا پسند فرمائے گا۔ سب سے آخر میں اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلِ ایمان کو دنیا میں غلبہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب وہ یکسو ہو کر اللہ اور رسول اور صرف اہلِ ایمان ہی کو اپنا ولی، مددگار، دوست اور ساتھی بنائیں ؛

اب آگے چلیئے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار و مشرکین سے جنگ کا حکم دیا ہے اور مسلسل کئی رکوعوں تک جنگ ہی کے متعلق ہدایات دی ہیں اس سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ (التوبۃ - ۲) پھر اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کریں، ایمان لے آئیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں

یعنی محض کفر و شرک سے توبہ کرنا اور ایمان کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے اس بات کا ثبوت کہ وہ واقعی کفر و شرک سے تائب ہو گئے ہیں اور حقیقت میں ایمان لائے ہیں۔ صرف اسی طرح مِل سکتا ہے کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں۔ لہٰذا اگر وہ اپنے اس عمل سے اپنے ایمان کا ثبوت دے دیں۔ تب تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ ورنہ ان کو بھائی نہ سمجھو اور ان سے جنگ بند نہ

کرو - پھر آگے چل کر اسی سورہ میں فرمایا :-

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ (التوبۃ ع ۹)

مومن مرد اور مومن عورتیں ہی ایکدوسرے کے ولی اور مددگار ہیں اور ان مومن مردوں اور عورتوں کے صفات یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں - ایسے ہی لوگوں پر اللہ رحمت فرمائے گا :-

اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص مسلمانوں کا دینی بھائی نہیں بن سکتا - جب تک کہ وہ اقرارِ ایمان کر کے عملاً نماز اور زکوٰۃ کی پابندی نہ کرے - ایمان، نماز اور زکوٰۃ یہ تین چیزیں مل کر ایمانداروں کی جماعت بناتی ہیں - جو لوگ اِن تینوں کے پابند ہیں - وہ اِس پاک جماعت کے اندر ہیں اور انہی کے درمیان دوستی - محبت - رفاقت، مددگاری کا تعلق ہے اور جو ان کے پابند نہیں - وہ اس جماعت کے باہر ہیں - خواہ نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں - ان سے دوستی - محبت اور رفاقت کا تعلق رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے اللہ کے قانون کو توڑ دیا اور اللہ کی پارٹی کو منتشر کر دیا - پھر

تم دنیا میں غالب ہو کر رہنے کی امید نہیں کر سکتے۔

اور آگے چلیئے۔ سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۞ (الحج-٦)	اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اور اللہ زبردست قوت والا اور سب پر غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کو اگر ہم زمین پر حکومت بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے اور سب چیزوں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بھی وہی نوٹس دیا گیا ہے جو بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔ ابھی آپ کو سنا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیا نوٹس دیا تھا۔ ان سے صاف فرما دیا تھا کہ میں اسی وقت تک تمہارے ساتھ ہوں۔ جب تک تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے نبیوں کے مشن میں اُن کا ساتھ دو گے۔ یعنی میرے قانون کو دنیا میں نافذ کرتے رہو گے۔ جونہی تم نے اس کام کو چھوڑا۔ پھر میں اپنا ہاتھ تمہاری مدد سے کھینچ لوں گا۔ ٹھیک یہی

بات اللہ نے مسلمانوں سے بھی فرمائی ہے - ان سے صاف کہہ دیا ہے
کہ اگر زمین میں طاقت حاصل کر کے تم نماز قائم کروگے اور زکوٰۃ دوگے
اور نیکیاں پھیلاؤ گے اور بدیوں کو مٹاؤ گے - تب تو میں تمہارا
مددگار رہوں اور مجھ سے زیادہ طاقتور مددگار کوئی کہاں سے لا
سکتا ہے ؟ میں جس کا مددگار رہوں - اُسے کون دبا سکتا
ہے - لیکن اگر تم نے نماز اور زکوٰۃ سے مُنہ پھیرا -
اور زمین میں حکومت اور طاقت حاصل کر کے
نیکیوں کے بجائے بدیاں پھیلائیں اور بدیوں کے
بجائے نیکیوں کو مٹانا شروع کیا اور میرا کلمہ بلند کرنے
کے بجائے اپنا کلمہ بلند کرنے لگے اور خراج وصول کر کے
اپنے لئے زمین میں جنتیں بنانے ہی کو وراثت ارضی
کا مقصود سمجھ لیا تو سن رکھو کہ میری مدد تمہارے ساتھ نہ
ہوگی - پھر شیطان ہی تمہارا مددگار رہ جائے گا ؛

اللہ اکبر! کتنا عبرت کا مقام ہے جو دھمکی بنی اسرائیل کو
دی گئی تھی - اس کو انہوں نے خالی خولی زبانی دھمکی سمجھا - اور
اس کے خلاف عمل کر کے اپنا انجام دیکھ لیا کہ آج روئے زمین
پر مارے مارے پھر رہے ہیں - جگہ جگہ سے نکالے جا رہے ہیں

اور کہیں ٹھکانا نہیں پاتے۔ کروڑہا کروڑ روپے کے کھتے ان کے پاس بھرے پڑے ہیں۔ دنیا کی سب سے زیادہ دولت مند قوم ہیں مگر یہ روپیہ اُن کے کسی کام نہیں آتا۔ نماز کے بجائے بدکاری اور زکوٰۃ کے بجائے سود خواری کا ملعون طریقہ اختیار کر کے انہوں نے خود بھی خدا کی لعنت اپنے اوپر مسلّط کرالی اور اب اس لعنت کو لئے ہوئے طاعون کے چوہوں کی طرح دنیا بھر میں اسے پھیلاتے پھر رہے ہیں۔ پھر یہی دھمکی مسلمانوں کو دی گئی اور مسلمانوں نے اس کی کچھ پروا نہ کر کے نماز اور زکوٰۃ سے غفلت کی اور خدا کی بخشی ہوئی طاقت کو نیکیاں پھیلانے اور بدیوں کو مٹانے میں استعمال کرنا چھوڑ دیا۔ اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ حکومت کے تخت سے اتار کر پھینک دیئے گئے۔ دنیا بھر میں ظالموں کا تختہ مشق بن رہے ہیں اور روئے زمین میں ہر جگہ ضعیف اور مغلوب ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کو چھوڑنے کا انجامِ بد تو دیکھ چکے۔ اب ان میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے جو مسلمانوں کو بے حیائی، فحش اور بدکاری میں مبتلا کرنا چاہتی ہے اور ان سے کہہ رہی ہے کہ تمہارے افلاس کا علاج یہ ہے کہ بینک اور انشورنس کمپنیاں کھولو اور سود خواری شروع کر دو۔ خدا کی قسم اگر انہوں نے یہ کیا۔ تو

وہی ذلت اور خواری اُن پر مسلّط ہو کر رہیگی جس میں یہودی مبتلا ہوئے ہیں اور یہ بھی خدا کی اس لعنت میں گرفتار ہو جائینگے جس نے بنی اسرائیل کو گھیر رکھا ہے ؂

آئندہ مضامین میں آپ کو بتاؤں گا کہ زکوٰۃ کیا چیز ہے کتنی بڑی طاقت اللہ نے اس چیز میں بھر دی ہے اور آج جس رحمت خداوندی کو مسلمان ایک معمولی چیز سمجھ رہے ہیں وہ حقیقت میں کتنی بڑی برکتیں رکھتی ہے۔ اس مضمون میں میرا مقصد آپ کو صرف یہ بتانا تھا کہ نماز اور زکوٰۃ کا اسلام میں درجہ کیا ہے۔ بہت سے مسلمان سمجھتے ہیں کہ نماز نہ پڑھ کر اور زکوٰۃ نہ دے کر بھی وہ مسلمان رہتے ہیں۔ مگر قرآن اس کی صاف الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے کلمہ طیبہ کا اقرار ہی بے معنی ہے اگر آدمی اس کے ثبوت میں نماز اور زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو کافر سمجھ کر ان کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی۔ جیسا کہ میں ابھی آپ سے بیان کر چکا ہوں صحابۂ کرام کو ابتدا میں شبہ تھا کہ آیا وہ مسلمان جو خدا اور رسول کا اقرار کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ جن پر

تلوار اُٹھانے کا حکم ہے - مگر جب حضرت ابوبکر جن کو اللہ نے مقدم نبوت کے قریب درجہ عطا فرمایا تھا - اپنی بات پر اڑ گئے - اور انھوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اس زکوٰۃ میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دیا کرتے تھے - اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں اُن پر تلوار اُٹھاؤں گا - تو بالآخر تمام صحابہ کے دلوں کو اللہ نے حق کے لئے کھول دیا اور سب نے یہ بات تسلیم کر لی کہ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے پر جہاد کرنا چاہیئے - قرآن مجید تو صاف کہتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینا اُن مشرکین کا کام ہے جو آخرت کے منکر ہیں - وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ (حم سجدہ - ۱)

تباہی ہے اُن مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے - اور آخرت سے منکر ہیں"
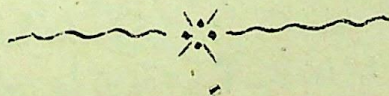
زکوٰۃ کی حقیقت

پچھلے مضمون میں بیان کر چکا ہوں کہ نماز کے بعد اسلام کا سب سے بڑا رکن زکوٰۃ ہے اور یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ جس طرح نماز سے انکار کرنے والے کو کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو بھی نہ صرف کافر ٹھہرایا گیا ہے۔ بلکہ اُن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق جہاد کیا ہے ⁂

اب میں زکوٰۃ کی حقیقت بیان کرونگا۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ یہ زکوٰۃ دراصل ہے کیا چیز اور اسلام میں اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے ⁂

آپ میں سے بعض لوگ تو ایسے سیدھے سادھے ہیں جو ہر کس و ناکس کو دوست بنا لیتے ہیں اور کبھی دوست بناتے وقت آدمی کو پرکھتے نہیں کہ وہ واقع میں دوست بنانے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ ایسے لوگ دوستی میں اکثر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اور

بعد میں ان کو بڑی مایوسیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لیکن جو عقلمند لوگ ہیں۔ وہ جن لوگوں سے ملتے ہیں۔ اُن کو خوب پرکھ کر ہر طریقہ سے جانچ پڑتال کر کے دیکھتے ہیں۔ پھر جو کوئی اُن میں سے سچا مخلص وفادار آدمی ملتا ہے۔ صرف اسی کو دوست بناتے ہیں اور بیکار آدمیوں کو چھوڑ دیا کرتے ہیں ؂

اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر حکیم و دانا ہے۔ اس سے یہ اُمید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنا دوست بنا لے گا۔ اپنی پارٹی میں شامل کرے گا اور اپنے دربار میں عزّت اور قربت کی جگہ دے گا۔ جب انسانوں کی دانائی و عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بغیر جانچے اور پرکھے کسی کو دوست نہیں بناتے تو اللہ جو ساری دانائیوں اور حکمتوں کا سرچشمہ ہے اس کے لئے تو ممکن ہے کہ جانچنے اور پرکھنے کے بغیر ہر ایک کو اپنی دوستی کا مرتبہ بخشے۔ یہ کروڑوں انسان جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں ہر قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔ اچھے اور بُرے سب کے سب اس قابل نہیں ہو سکتے کہ اللہ کی اس پارٹی یا اس حزب اللہ میں شامل کر لئے جائیں۔ جسے اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی خلافت کا مرتبہ اور آخرت میں تقرب کا مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ اللہ نے

حکمت کے ساتھ چند امتحان، چند آزمائشیں، چند معیار جانچنے اور
پرکھنے کے لئے مقرر کر دیئے ہیں کہ انسانوں میں سے جو کوئی ان پر
پورا اترے وہ اللہ کی پارٹی میں آجائے اور جو ان پر پورا نہ
اترے وہ خود بخود اس پارٹی سے الگ ہو کر رہ جائے اور وہ
خود بھی جان لے کہ میں اس پارٹی میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہوں
یہ معیار کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ چونکہ حکیم و دانا ہے۔ اس لئے
سب سے پہلا امتحان وہ آدمی کی حکمت و دانائی ہی کا لیتا ہے یہ
دیکھتا ہے کہ اس میں سمجھ بوجھ بھی ہے یا نہیں؟ نرا احمق تو نہیں
ہے؟ اس لئے کہ جاہل اور بیوقوف کبھی دانا اور حکیم کا دوست
نہیں بن سکتا۔ جو شخص اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر پہچان لے
کہ یہی میرا مالک اور خالق ہے۔ اور اس کے سوا کوئی معبود،
کوئی پروردگار۔ کوئی دعائیں سننے اور مدد کرنے والا نہیں ہے۔ اللہ
کے کلام کو سنکر جان لے کہ یہ میرے مالک ہی کا کلام ہے اور کسی کا کلام نہیں ہو سکتا
اور جو شخص سچے نبی اور جھوٹے مدعیوں کی زندگی۔ ان کے اخلاق
ان کے معاملات۔ ان کی تعلیمات۔ ان کے کارناموں کے فرق
کو ٹھیک سمجھے اور پہچان جائے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے
والوں میں سے فلاں ذاتِ پاک حقیقت میں خدا کی طرف سے ہدایت

بخشش کے لئے آئی ہے اور فلاں دجّال ہے دھوکہ دینے والا ہے
ایسا شخص دانائی کے امتحان میں پاس ہو جاتا ہے اور اس کو
انسانوں کی بھیڑ بھاڑ کو الگ کر کے اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی کے
منتخب امیدواروں میں شامل کر لیتا ہے۔ باقی لوگ جو پہلے ہی امتحان
میں فیل ہو جاتے ہیں۔ انکو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں
اس پہلے امتحان میں جو اُمیدوار کامیاب ہو جاتے ہیں انہیں
پھر دوسرے امتحان میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس دوسرے امتحان
میں آدمی کی عقل کے ساتھ اس کی اخلاقی طاقت کو بھی پرکھا جاتا
ہے۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس آدمی میں سچائی اور نیکی کو جان کر اُسے
قبول کر لینے اور اس پر عمل کرنے کی اور جھوٹ اور جھوٹ اور بدی کو جانکر
چھوڑ دینے کی طاقت بھی ہے یا نہیں؟ یہ اپنے نفس کی خواہشات
کا۔ باپ دادا کی تقلید کا۔ خاندانی رسموں کا۔ دنیا کے عام خیالات
اور طور طریقوں کا غلام تو نہیں ہے؟ اس میں یہ کمزوری تو نہیں
ہے کہ ایک چیز کو خدا کی ہدایت کے خلاف پاتا ہے اور جانتا ہے
کہ وہ بُری ہے۔ مگر اسی کے چکّر میں پڑا رہتا ہے اور دوسری
چیز کو جانتا ہے کہ خدا کے نزدیک وہ حق اور پسندیدہ ہے مگر
اُسے اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتا؟ اس امتحان میں

جو لوگ فیل ہو جاتے ہیں - انہیں بھی اللہ تعالیٰ اپنی پارٹی میں لینے سے انکار کر دیتا ہے اور صرف اُن لوگوں کو چنتا ہے جن کی تعریف یہ ہے کہ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا۔

یعنی خدا کی ہدایت کے خلاف جو راستہ اور طریقہ ہو۔ اُسے وہ جرأت کے ساتھ چھوڑ دیں۔ کسی چیز کی پروا نہ کریں۔ اور صرف اللہ کے بنائے ہوئے راستے پر چلنے کے لئے تیار ہو جائیں خواہ اس میں کوئی ناراض ہو یا خوش ❊

اس امتحان میں جو لوگ کامیاب نکلتے ہیں۔ ان کو پھر تیسرے درجے کا امتحان دینا پڑتا ہے۔ اس درجے میں اطاعت اور فرمانبرداری کا امتحان ہے۔ یہاں حکم دیا جاتا ہے کہ جب ہماری طرف سے ڈیوٹی کی پکار بلند ہو تو اپنی نیند قربان کرو اور حاضر ہو۔ اپنے کام کاج کا ہرج کرو اور آؤ۔ اپنی دلچسپیوں کو۔ اپنے فائدوں کو، اپنے لطف اور تفریح کو چھوڑو اور آکر فرض بجا لاؤ۔ گرمی ہو۔ برسات ہو۔ جاڑا ہو۔ کچھ ہو۔ بہرحال جب فرض کے لئے پکارا جائے تو ہر مشقت قبول کرو اور دوڑے ہوئے آؤ۔ پھر جب حکم دیں کہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہو۔ اور

اپنے نفس کی خواہشات کو روکو۔ تو اس حکم کی پوری پوری تعمیل تمہیں کرنی چاہیئے۔ خواہ بھوک پیاس کی کیسی ہی تکلیف ہو۔ اور چاہے لطیف کھانوں اور مزے دار شربتوں کے ڈھیر ہی تمہارے سامنے کیوں نہ لگے ہوئے ہوں۔ جو لوگ اس امتحان میں کچے نکلتے ہیں۔ اُن سے بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ تم ہمارے کام کے نہیں ہو انتخاب صرف ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اس تیسرے امتحان میں بھی پکے ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ صرف انہی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ خدا کی طرف سے جو قوانین اُن کے لئے بنائے جائیں گے اور جو ہدایات ان کو دی جائیں گی۔ وہ خفیہ اور علانیہ۔ فائدے اور نقصان۔ راحت اور تکلیف۔ ہر حال میں ان کی پابندی کرسکیں گے ؂

اس کے بعد چوتھا امتحان مال کی قربانی کا لیا جاتا ہے تیسرے امتحان کے کامیاب اُمیدوار ابھی اس قابل نہیں ہوتے کہ خدا کی ملازمت میں باقاعدہ لے لئے جائیں۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ کہیں وہ چھوٹے دِل کے۔ پست ہمّت۔ کم حوصلہ۔ تنگ ظرف تو نہیں ہیں؟ ان لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جو محبت اور دوستی کے دعوے تو بہت لمبے چوڑے کرتے ہیں۔ مگر اپنے محبوب

اور دوست کی خاطر جب گرہ سے کچھ خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو
کہتے ہیں کہ "گر زر طلبی سخن دریں است"۔ ان کا حال اس شخص کا
سا تو نہیں ہے جو زبان سے ماتا جی ماتا جی کہتا ہے اور ماتا جی
کی خاطر دنیا بھر سے جھگڑ بھی لیتا ہے۔ مگر جب وہی ماتا جی اس کے
غلّے کی ٹوکری یا سبزی کے ڈھیر پر منہ مارتی ہے تو لٹھ لے کر
اُن کے پیچھے دوڑتا ہے اور مار مار کر اُن کی کھال اُڑا دیتا ہے۔
ایسے خود غرض، زر پرست، تنگدل آدمی کو تو معمولی درجہ کا
عقلمند انسان بھی دوست نہیں بناتا اور ایک بڑے دل والا
انسان اس قسم کے ذلیل آدمی کو اپنے پاس جگہ دینا بھی پسند نہیں
کرتا۔ پھر بھلا وہ بزرگ اور برتر خدا جو اپنے خزانے ہر آن اپنی
بے حد و حساب مخلوق پر بے حد و حساب طریقہ پر لٹا رہا ہے ایسے
شخص کو کب اپنی دوستی کے قابل سمجھ سکتا ہے جو خدا کے دیئے
ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بھی جی چراتا ہو؟ اور
وہ خدا جس کی دانائی و حکمت سب سے بڑھ کر ہے کِس طرح
اِس انسان کو اپنی پارٹی میں شامل کر سکتا ہے۔ جس کی دوستی و
محبّت فقط زبانی جمع خرچ تک ہو اور جس پر کبھی بھروسہ نہ کیا
جا سکتا ہو؟ پس جو لوگ اِس چوتھے امتحان میں فیل ہو جاتے

ہیں۔ اُن کو بھی صاف جواب دے دیا جاتا ہے کہ جاؤ تمہارے لئے اللہ کی پارٹی میں جگہ نہیں ہے۔ تم بھی ناکارہ ہو اور تم اس عظیم الشان خدمت کا بار سنبھالنے کے قابل نہیں ہو جو خلیفہ الٰہی کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس پارٹی میں صرف وہ لوگ شامل کئے جا سکتے ہیں۔ جو اللہ کی محبت پر جان، مال، اولاد، خاندان، وطن، ہر چیز کی محبت کو قربان کر دیں۔

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ
(آل عمران - ۱۰)

تم نیکی کے مقام کو نہیں پا سکتے جب تک کہ وہ چیزیں خدا کی راہ میں قربان نہ کرو۔ جن سے تم کو محبت ہے۔

اس پارٹی میں تنگ دلوں کے لئے جگہ نہیں ہے۔ اس میں تو صرف وہی لوگ داخل ہو سکتے ہیں۔ جن کے دِل بڑے ہیں:-

وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۞
(التغابن ۲)

جو لوگ دل کی تنگی سے بچ گئے۔ وہی فلاح پانے والے ہیں۔

یہاں تو ان فراخ حوصلہ لوگوں کی ضرورت ہے کہ اگر کسی شخص نے اُن کے ساتھ دشمنی بھی کی ہو۔ اُن کو نقصان اور رنج بھی پہنچایا ہو۔ اُن کے دِل کے ٹکڑے بھی اڑا دیئے ہوں۔ تب

بھی وہ خدا کی خاطر اس کے پیٹ کو روٹی اور اس کے تن کو کپڑا دینے سے انکار نہ کریں اور اس کی مصیبت کے وقت میں اس کی مدد سے دریغ نہ کریں ؎

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ	تم میں سے جو بڑے اور صاحب
مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا	مقدرت لوگ ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں
أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	اور مساکین اور خدا کی راہ میں ہجرت
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	کرنے والوں کے کسی قصور پر بگڑ
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا	کر اُن کی مدد سے ہاتھ نہ کھینچ لیں
تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ	بلکہ چاہیئے کہ ان کو معاف کریں
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ؎	اور درگذر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے

کہ اللہ تمہیں بخشے، حالانکہ اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے[1]

یہاں اُن عالی ظرف لوگوں کی ضرورت ہے جو:-

---

[1] یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی تھی۔ جب حضرت ابوبکرؓ کے ایک عزیز نے آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے میں حصہ لیا تھا۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے اس ناروا حرکت سے ناراض ہو کر اس کی مالی امداد بند کر دی تھی ؎

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدہر-۱)

محض خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف خدا کے لئے تمہیں کھلا رہے ہیں - تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے ؎

یہاں اُن پاک دل والوں کی ضرورت ہے جو خدا کی دی ہوئی دولت میں سے خدا کی راہ میں بہتر سے بہتر مال چھانٹ کر دیں -

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (البقرۃ-۳۷)

اے ایمان والو! تم نے جو مال کمائے ہیں اور جو رزق تمہارے لئے ہم نے زمین سے نکالا ہے - اس میں سے اچھا مال راہِ خدا میں صرف کرو - بُرے سے بُرا چھانٹ کر نہ دو ؎

یہاں اُن بڑی ہمت والوں کی ضرورت ہے جو تنگدستی اور غربت و افلاس کی حالت میں بھی اپنا پیٹ کاٹ کر خدا کے دین کی خدمت اور خدا کے بندوں کی مدد میں روپیہ صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتے ؎

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ

اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنّت

رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔

(آل عمران - ۱۴)

کی طرف لپکو۔ جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جو تیار کرکے رکھی گئی ہے۔ اُن پرہیزگار لوگوں کے لئے جو خوش حالی اور تنگ حالی دونوں حالتوں میں خدا کے لئے خرچ کرتے ہیں ؛

یہاں اُن ایمانداروں کی ضرورت ہے جو سچّے دِل سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کیا جائیگا۔ وہ ضائع نہ ہوگا۔ بلکہ خدا دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین بدل عطا فرمائے گا۔ اس لئے وہ محض خدا کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اِس بات کی پروا نہیں کرتے کہ لوگوں کو ان کی فیاضی و سخاوت کا حال معلوم ہوا یا نہیں اور کسی نے ان کی بخشش کا شکریہ ادا کیا یا نہیں :۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ

تم جو کچھ بھی راہِ حق میں خرچ کروگے وہ تمہارے ہی لئے بھلائی ہے جبکہ تم اپنے اس خرچ میں خدا کے سوا کسی اور کی خوشنودی نہیں چاہتے

وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ۔ (البقرۃ - ۳۷)

اس طرح جو کچھ بھی تم کار خیر میں صرف کرو گے ۔ اس کا پورا پورا فائدہ تم کو ملے گا اور تمہارے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا ؂

یہاں اُن بہادروں کی ضرورت ہے جو دولتمندی اور خوشحالی میں بھی خدا کو نہیں بھولتے ۔ جن کو محلوں میں بیٹھ کر اور نازونعمت میں رہ کر بھی خدا یاد رہتا ہے ؂

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۔ (المنٰفقون ۲)

اے ایمان والو! مال اور اولاد کی محبت تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے ۔ جو ایسا کرے گا ۔ وہ خود ہی ٹوٹے میں رہنے والا ہے

یہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہونے والوں کی لازمی صفات ہیں ان کے بغیر کوئی شخص خدا کے دوستوں میں شامل نہیں ہو سکتا ۔ دراصل یہ انسان کے اخلاق ہی کا نہیں بلکہ اس کے ایمان کا بہت کڑا اور سخت امتحان ہے جو شخص خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چراتا ہے اس خرچ کو اپنے اوپر چٹی اور جرمانہ سمجھتا ہے حیلوں اور بہانوں سے بچاؤ کی صورتیں نکالتا ہے ۔ اور اگر خرچ

کرتا ہے تو اپنی دلی تکلیف کا بخار لوگوں پر احسان کرکے نکالنے کی کوشش کرتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ اس کی سخاوت کا دُنیا میں اشتہار دیا جائے۔ وہ در اصل خدا اور آخرت پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا کی راہ میں جو کچھ گیا۔ وہ ضائع ہو گیا۔ اس کو اپنا عیش اپنا آرام اپنی لذتیں اپنے فائدے اور اپنی ناموری خدا سے اور اس کی خوشنودی سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے۔ یہی دنیا کی زندگی ہے اگر روپیہ صرف کیا جائے تو اسی دنیا میں ناموری اور شہرت ہونی چاہیئے تاکہ اس روپے کی قیمت یہیں وصول ہو جائے۔ ورنہ اگر روپیہ بھی گیا اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ ہوا۔ کہ فلاں صاحب نے فلاں کارِ خیر میں اتنا روپیہ صرف کیا ہے تو گویا سب مٹی میں مل گیا۔ قرآن مجید میں صاف فرما دیا گیا ہے کہ اس قسم کا آدمی خدا کے کسی کام کا نہیں۔ وہ اگر ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو منافق ہے۔ چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا	اے ایمان والو۔ اپنی خیرات کو
صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ	احسان رکھ کر اور اذیت پہنچا کر

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

(البقرة - ۳۶)

ضائع نہ کر دو۔ اس شخص کی طرح جو محض لوگوں کو دکھلانے اور نام چاہنے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا ۞

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (التوبۃ ۵)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کر کے رکھتے ہیں اور اُسے اپنے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ انہیں سخت سزا کی بشارت دے دو ۞

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝

(التوبۃ ۷)

اے نبی جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ تو کبھی نہ چاہیں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں حصّہ لینے سے معاف رکھا جائے۔ اللہ اپنے متقی بندوں کو خوب جانتا ہے۔ معذرت صرف وہ لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ جن کے دلوں میں شک

ہے اور اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں ؛

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ٥ (التوبۃ - ۷)

راہِ خدا میں اُن کے خرچ کئے ہوئے مال صرف اس لئے قبول نہیں کئے جا سکتے کہ وہ در اصل اللہ اور رسول پر ایمان نہیں رکھتے - نماز کو آتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر اور مال خرچ کرتے ہیں تو ناک بھوں چڑھا کر -

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (التوبۃ - ۹)

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں - وہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے ہاتھ روکتے ہیں وہ خدا کو بھول گئے اور خدا نے انکو بھلا دیا - یقیناً یہی منافقین فاسق

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ

ہیں اور ان اعراب یعنی منافقین

مَا يُنْفِقُ مَغْرَماً
(التوبۃ - ۱۲)

میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو راہِ خدا میں خرچ کرتے بھی ہیں تو زبردستی کی چٹی سمجھ کر ⁂

هَاَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ج وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ۔
(محمد - ۴)

سن رکھو! تم لوگ ایسے ہو کہ تم کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم سے بہت لوگ بخل کرتے ہیں اور جو کوئی اس کام میں بخل کرتا ہے - وہ خود اپنے ہی لئے بخل کرتا ہے! اللہ تو غنی ہے تم ہی اس کے محتاج ہو - اگر تم نے خدا کے کام میں خرچ کرنے سے منہ موڑا تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئیگا اور وہ تم جیسے نہ ہونگے ⁂

یہ ہے اس زکوٰۃ کی حقیقت جو دینِ اسلام کا ایک رکن ہے اس کو دنیا کی حکومتوں کے ٹیکسوں کی طرح محض ایک ٹیکس نہ سمجھئے بلکہ در اصل یہ اسلام کی روح اور اس کی جان ہے - یہ حقیقت میں ایمان کا امتحان ہے - جس طرح درجہ بدرجہ امتحانات دے کر آدمی ترقی کرتا ہے - یہاں تک کہ آخری امتحان دے کر

گریجویٹ بنتا ہے - اسی طرح خدا کے ہاں بھی کئی امتحان ہیں
جن سے آدمی کو گذرنا پڑتا ہے اور جب وہ چوتھا امتحان یعنی
مال کی قربانی کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے دیتا ہے - تب
وہ پورا مسلمان بنتا ہے - اگرچہ یہ آخری امتحان نہیں ہے
اس کے بعد سب سے زیادہ سخت امتحان جان کی قربانی کا آتا
ہے - جسے میں آگے چل کر بیان کرونگا - لیکن اسلام کے اندر
ہیں یا بالفاظ دیگر اللہ کی پارٹی میں آنے کے لئے داخلہ کے جو
امتحانات مقرر کئے گئے ہیں - ان میں یہ آخری امتحان ہے آج
کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ خرچ کرنے اور روپیہ بہانے کے وعظ
تو مسلمانوں کو بہت سنا چکے ہیں - اب اس غربت و افلاس
کی حالت میں تو ان کو کمانے اور جمع کرنے کے وعظ سنانے چاہئیں
مگر انہیں معلوم نہیں کہ یہ چیز جس پر وہ ناک بھوں چڑھاتے
ہیں - در اصل یہی اسلام کی روح ہے اور مسلمانوں کو جس
چیز نے پستی و ذلت کے گڑھے میں گرایا ہے - وہ در اصل اسی
روح کی کمی ہے مسلمان اس لئے نہیں گرے کہ اس روح
نے انہیں گرا دیا - بلکہ اس لئے گرے ہیں کہ یہ روح ان سے
نکل گئی ہے ؛

اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کے لئے جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی "خدا کی راہ میں خرچ کرنا" بعض بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم راہِ خدا میں صرف کرتے ہو۔ یہ اللہ کے ذمّہ قرضہ حسنہ ہے۔ گویا تم اللہ کو قرضہ دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارا قرضدار ہو جاتا ہے۔ بکثرت مقامات پہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دو گے۔ اس کا بدلہ اللہ کے ذمّہ ہے اور وہ نہ صرف اتنا ہی تم کو واپس کرے گا۔ بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دیگا اس مضمون پر غور کیجئے کیا زمین و آسمان کا مالک، نعوذ باللہ آپ کا محتاج ہے؟ کیا اس ذاتِ پاک کو آپ سے قرض لینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ بادشاہوں کا بادشاہ۔ وہ بے حد وحساب خزانوں کا مالک اپنے لئے آپ سے کچھ مانگتا ہے؟

معاذ اللہ ۔ معاذ اللہ ۔ اسی کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں۔
اسی کا دیا ہوا رزق تو آپ کھاتے ہیں ۔ ہر امیر اور غریب
کے پاس جو کچھ ہے ۔ سب اسی کا تو عطیہ ہے ۔ ایک فقیر سے لیکر
ایک کروڑ پتی اور ارب پتی تک ہر شخص اس کے کرم کا محتاج
ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ۔ اس کو کیا ضرورت ہے کہ آپ
سے قرض مانگے اور اپنی ذات کے لئے آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے
در اصل یہ بھی اس کی شانِ کریمی ہے کہ وہ آپ سے خود آپ ہی
کے فائدے کے لئے ۔ آپ ہی کی بھلائی کے لئے ، آپ ہی کے کام
میں خرچ کرنے کو فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ خرچ میری راہ میں
ہے ۔ مجھ پر قرض ہے ۔ میرے ذمہ اس کا بدلہ ہے اور میں تمہارا
احسان مانتا ہوں ۔ تم اپنی قوم کے محتاجوں اور مسکینوں کو
دو ۔ اس کا بدلہ وہ کہاں سے دیں گے ۔ ان کی طرف سے میں
دونگا ۔ تم اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کرو ۔ انکا احسان
ان پر نہیں ۔ مجھ پر ہے ۔ میں تمہارے اس احسان کو اتارونگا۔
تم اپنے پریشان حال بھائیوں کو قرض دو اور ان
سے سود نہ مانگو ۔ ان کو تنگ نہ کرو اگر وہ ادا کرنے کے
قابل نہ ہوں تو ان کو سول جیل نہ بھجواؤ ۔ ان کے کپڑے اور

گھر کے برتن فروخت نہ کراؤ - اُن کے بال بچوں کو گھر سے بے گھر
نہ کر دو - تمہارا قرض اُن کے ذمّہ نہیں - میرے ذمّہ ہے - اگر
وہ اصل ادا کر دیں گے تو اُن کی طرف سے سود میں دوں گا -
اور اگر وہ اصل بھی ادا نہ کر سکیں گے - تو میں اصل اور سود
دونوں تمہیں دوں گا - اسی طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں
میں - اپنے ابنائے نوع کی بھلائی اور بہتری کے لیئے جو کچھ تم
خرچ کرو گے - اس کا فائدہ اگرچہ تمہیں کو مِلے گا - مگر اس کا
احسان مجھ پر ہو گا - میں اس کی پائی پائی منافع سمیت
تمہیں واپس دوں گا ؀

یہ ہے اس کریموں کے کریم - اس پادشاہوں کے
پادشاہ کی شان - تمہارے پاس جو کچھ ہے اسی کا بخشا ہوا
ہے - تم کہیں اور سے نہیں لاتے - اسی کے خزانوں سے لیتے
ہو اور پھر جو کچھ دیتے ہو - اس کو نہیں دیتے - اپنے ہی
رشتہ داروں - اپنے ہی بھائی بندوں - اپنی ہی قوم کے
لوگوں کو دیتے ہو - یا اپنی اجتماعی فلاح پر صرف کرتے ہو
جس کا فائدہ آخر کار تم ہی کو پہنچنا ہے - مگر اس فیاضِ
حقیقی کو دیکھو کہ جو کچھ تم اس سے لے کر اپنوں کو دیتے ہو

اُسے وہ فرماتا ہے کہ تم نے مجھے دیا۔ میری راہ میں دیا۔ مجھے قرض دیا۔ میں اس کا اجر تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر۔ خداوندِ عالم کو شانِ کریمی زیب دیتی ہے۔ اسی بے نیاز بادشاہ کا یہ مقام ہے کہ فیاضی اور جود و کرم کے اس بلند ترین کمال کا اظہار کرے۔ کوئی انسان اس بلند خیالی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا ؎

اچھا اب اس بات پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور فیاضی پر اُبھارنے کا یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس سوال پر جتنا زیادہ آپ غور کریں گے۔ اسی قدر زیادہ آپ اسلامی تعلیمات کی پاکیزگی کا حال کھلے گا۔ اور آپ کا دل گواہی دیتا چلا جائے گا کہ ایسی بے نظیر تعلیم خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے نہیں ہو سکتی ؎

آپ جانتے ہیں کہ انسان کچھ اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے ظلوم و جہول واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے یہ زیادہ دُور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اسکا دِل چھوٹا ہے۔ زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصوّر اس کے

دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلدی دیکھنا چاہتا ہے اور اُسی نتیجے کو نتیجہ اور اسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آجائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دُور رس نتائج تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی۔ اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں اور جن فائدوں کا سلسلہ بہت دُور تک چلتا ہے۔ ان کا ادراک اسے مشکل سے ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ہوتا ہی نہیں۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہر چیز میں اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے اور فائدہ بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو۔ جلدی سے حاصل ہو جائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے یا جو کچھ مجھے اپنے باپ دادا سے ملا ہے۔ یہ میرا ہے۔ اس میں کسی کا حصہ نہیں۔ اس کو میری ضروریات پر۔ میری خواہشات پر۔ میری آسائش اور میری لذّتِ نفس ہی پر خرچ ہونا چاہیئے۔ یا ایسے کام میں خرچ ہونا چاہیئے۔ جس کا نفع جلدی سے محسوس صورت

میں میرے پاس پلٹ آئے۔ میں روپیہ صرف کروں تو اس کے بدلے میں یا تو میرے پاس اس سے زیادہ روپیہ آنا چاہیئے یا میری آسائش میں کچھ مزید اضافہ ہونا چاہیئے یا کم از کم یہی ہو کہ میرا نام بڑھے۔ میری شہرت ہو۔ میری عزت بڑھے۔ مجھے خطاب ملے۔ اُونچی کرسی ملے۔ لوگ میرے سامنے جھکیں اور زبانوں پہ میرا چرچا ہو۔ اگر ان باتوں میں سے کچھ بھی مجھے حاصل نہیں ہوتا تو آخر میں کیوں اپنا مال اپنے ہاتھ سے دوں؟ قریب میں کوئی یتیم بھوکا مر رہا ہے یا آوارہ پھر رہا ہے۔ تو میں کیوں اس کی خبر گیری کروں؟ اس کا حق اس کے باپ پر تھا۔ اُسے اپنی اولاد کے لئے کچھ چھوڑ کر جانا چاہیئے تھا۔ کوئی بیوہ اگر میرے محلے میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا؟ اس کے شوہر کو اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ کوئی مسافر اگر بھٹکتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ وہ بیوقوف اپنا انتظام کئے بغیر گھر سے کیوں نکل کھڑا ہوا۔ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے۔ اسے بھی اللہ نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیئے ہیں۔ اپنی ضرورتیں اسے خود پوری کرنی چاہیئں۔ میں اس کی کیوں مدد کروں؟ میں اُسے دونگا تو قرض دونگا اور اصل

کے ساتھ سود بھی وصول کرونگا۔ کیونکہ میرا روپیہ کچھ بیکار تو ہے نہیں۔ میں اس سے مکان بنواتا یا موٹر خریدتا۔ یا کسی نفع کے کام پر لگاتا۔ یہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی اٹھائیگا۔ پھر کیوں نہ میں اس فائدے میں سے اپنا حصّہ وصول کروں ؟

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والا آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا یا خرچ کریگا تو اپنے ذاتی فائدہ کے لئے کریگا۔ جہاں اسکو اپنا فائدہ نظر نہ آئیگا۔ وہاں ایک پیسہ بھی اس کی جیب سے نہ نکلے گا۔ اگر کسی غریب کی اس نے مدد کی بھی تو درحقیقت اس کی مدد نہ کریگا۔ بلکہ اس کو لوٹے گا۔ اور جو کچھ اُسے دیگا۔ اس سے زیادہ وصول کرلے گا۔ اگر کسی مسکین کو کچھ دے گا تو اس پر ہزاروں احسان رکھ کر اس کی آدھی جان نکال لے گا اور اس کی اتنی تذلیل وتحقیر کریگا کہ اس میں کوئی خودداری باقی نہ رہ سکے گی۔ اگر کسی قومی کام میں حصّہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھ لیگا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کس قدر ہے۔ جن کاموں میں اس کی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ وہ سب اس کی مدد سے محروم رہ جائیں گے ؞

اس ذہنیت کے نتائج کیا ہیں؟ اس کے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کے لئے مہلک نہیں ہیں۔ بلکہ آخر کار خود اس شخص کے لئے بھی نقصان دہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لئے فائدہ مند سمجھتا ہے۔ جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کر رہی ہو تو تھوڑے سے اشخاص کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر اکٹھی ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولت مند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی جاتی ہے۔ افلاس جس سوسائٹی میں عام ہو۔ وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار پر اُتر آتی ہے۔ عام بلوے ہوتے ہیں۔ دولتمند لوگ قتل کئے جاتے ہیں۔ ان کے گھربار

لوٹے اور جلائے جاتے ہیں اور وہ اس طرح تباہ و برباد ہوتے ہیں کہ انکا نام و نشان تک دنیا میں نہیں رہتا ؀

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ درحقیقت ہر شخص کی بھلائی اس جماعت کی بھلائی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرہ میں وہ رہتا ہے - آپ کے پاس جو دولت ہے اگر آپ اس سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں - تو یہ دولت چکّر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھر آپ کے پاس پلٹ کر آئے گی - اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمع رکھیں گے یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر صرف کریں گے تو یہ بالآخر گھٹتی چلی جائے گی - مثال کے طور پر اگر آپ نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اُسے تعلیم دے کر اس قابل بنایا کہ وہ آپ کی جماعت کا ایک کمانے والا فرد بن جائے - تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا - اور ظاہر ہے کہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی تو آپ جو جماعت کے ایک فرد ہیں - آپکو بھی اس دولت میں سے بہرحال حصہ ملے گا خواہ آپکو کسی حساب سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ حصّہ آپکو اس خاص یتیم کی قابلیت سے پہنچا ہے - جس کی آپ نے مدد کی تھی - لیکن اگر

آپ نے خود غرضی اور تنگ نظری سے کام لے کر یہ کہا کہ میں اس
کی مدد کیوں کروں۔ اس کے باپ کو اس کے لئے کچھ نہ کچھ چھوڑ
جانا چاہیئے تھا تو وہ آوارہ پھریگا۔ ایک بیکار آدمی بن کر رہ
جائیگا۔ اس میں یہ قابلیت ہی پیدا نہ ہو سکے گی کہ اپنی محنت
سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کر سکے۔ بلکہ کچھ عجب
نہیں کہ وہ جرائم پیشہ بن جائے اور ایک روز خود آپ کے گھر
میں نقب لگائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے اپنی جماعت
کے ایک شخص کو بیکار اور آوارہ اور جرائم پیشہ بنا کر اس کا ہی
نہیں خود اپنا بھی نقصان کیا۔ اس ایک مثال پر قیاس کر کے
آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپکو دکھائی دیگا کہ جو شخص
بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لئے روپیہ صرف کرتا
ہے اسکا روپیہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے مگر باہر
وہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں
وہ بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی جیب میں واپس آتا ہے جس
سے وہ کبھی نکلا تھا اور جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کیساتھ
روپے کو اپنے پاس روک رکھتا ہے۔ اور جماعت کی بھلائی
پر خرچ نہیں کرتا وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے یا

سود کھا کر اسے اور بڑھاتا ہے مگر حقیقت میں وہ اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنی بربادی کا سامان کرتا ہے یہی راز ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:-

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ

اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔

تم جو سود دیتے ہو۔ یہ سمجھ کر کہ یہ لوگوں کی دولت بڑھائیگا تو دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی البتہ جو زکوٰۃ تم محض خدا کی رضاجوئی کے لئے دیتے ہو وہ دُگنی چوگنی ہوتی چلی جاتی ہے۔

لیکن اس راز کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اسکی جہالت مانع ہے۔ یہ محسوسات کا بندہ ہے جو روپیہ اس کی جیب میں ہے اسکو تو یہ دیکھ سکتا ہے کہ اس کی جیب میں ہے جو روپیہ اس کے بہی کھاتے کی رو سے بڑھ رہا ہے۔ اس کو بھی یہ جانتا ہے کہ واقعی یہ بڑھ رہا ہے۔ مگر جو

روپیہ اس کے پاس سے چلا جاتا ہے اس کو یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وہ کہاں بڑھ رہا ہے اور کب اس کے پاس فائدوں اور منافع کے ساتھ واپس آتا ہے۔ یہ تو بس یہی سمجھتا ہے کہ اس قدر روپیہ میرے ہاتھ سے گیا اور ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔

اس جہالت کے بندھن کو آج تک انسان اپنی عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا۔ تمام دنیا میں یہی حال ہے ایک طرف سرمایہ داروں کی دنیا ہے جہاں سارے کام سود خواری پہ چل رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز الجھنوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جس کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور جو سرمایہ داروں کے خزانوں پہ ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن کی ساری بساط بھی الٹ دینا چاہتا ہے۔

اس پیچیدگی کو اس حکیم و دانا ہستی نے حل کیا ہے جس کی کتاب پاک کا نام قرآن ہے اس قفل کی کنجی ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پر ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ زمین و آسمان کے خزانوں کا اصل مالک خدا ہے اور انسانی

معاملات کا انتظام اصل میں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے اور خدا کے
پاس ایک ایک ذرّے کا حساب ہے اور انسان کی ساری
بھلائیوں اور بُرائیوں کی آخری جزا و سزا ٹھیک ٹھیک
حساب کے مطابق آخرت میں ملے گی تو اس کے لئے یہ بالکل
آسان ہو جائیگا کہ اپنی نظر پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر
بھروسہ کرے اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق
خرچ کرے اور اس کے نفع و نقصان کو چھوڑ دے اس ایمان
کے ساتھ وہ جو کچھ خرچ کریگا وہ در اصل خدا کو دیگا۔ اس کا
حساب کتاب بھی خدا کے ہی کھاتے میں لکھا جائیگا۔ خواہ دنیا
میں کسی کو اس کے احسان کا علم ہو یا نہ ہو۔ مگر خدا کے علم میں
ضرور آئے گا۔ اور خواہ اسکا احسان کوئی مانے یا نہ مانے۔
خدا اس کے احسان کو مانے اور جانے گا اور خدا کا جب یہ
وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اس کا بدلہ دیگا تو یقین ہے کہ وہ اس
کا بدلہ ضرور دے گا۔ خواہ آخرت میں دے یا دنیا اور آخرت
دونوں میں دے ؂

انفاق فی سبیل اللہ کے عام احکام

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کا یہ قاعدہ رکھا ہے کہ پہلے تو نیکی اور بھلائی کے کاموں کا عام حکم دیا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ اپنی زندگی میں عموماً بھلائی کا طریقہ اختیار کریں۔ پھر اسی بھلائی کی ایک خاص صورت اختیار کی جاتی ہے۔ تاکہ اس کی خاص طور پر پابندی کی جائے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اللہ کی یاد ایک بھلائی ہے۔ سب سے بڑی بھلائی اور تمام بھلائیوں کا سرچشمہ۔ اس کے لئے عام حکم ہے کہ اللہ کو ہمیشہ ہر حال میں۔ ہر وقت یاد رکھو اور کبھی اس سے غافل نہ ہو:-

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔	کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے اللہ کی یاد میں لگے رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔

بے شک آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں اُن لوگوں کے لئے اللہ کی بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ جو خدا کو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے رہتے ہیں اور جو آسمانوں اور زمین کی بناوٹ پر غور کرکے بے اختیار بول اُٹھتے ہیں کہ پروردگار! تو نے یہ کارخانہ بے کار نہیں بنایا ہے:

فَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا +

اور اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل بنایا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ گیا ہے اور جس کے سارے کام حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

یہ اور بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں خدا کی یاد جاری رکھو۔ کیونکہ خدا کی یاد ہی وہ چیز ہے جو آدمی کے معاملات کو درست رکھتی ہے جہاں

آدمی اس کی یاد سے غافل ہوا اور بس نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں نے اس پہ قابو پالیا - اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ راہ راست سے بھٹک کر اپنی زندگی کے معاملات میں حد سے گذرنے لگے گا ٭

دیکھیے! یہ تو تھا عام حکم - اب اسی یادِ الٰہی کی ایک صورت تجویز کی گئی - نماز اور نماز میں بھی پانچ وقت میں چند رکعتیں فرض کر دی گئیں - جن میں یک وقت پانچ چھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے - اس طرح چند منٹ اس وقت اور چند منٹ اس وقت یادِ الٰہی کو فرض کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بس آپ اتنی ہی دیر کے لئے خدا کو یاد کریں اور باقی وقت اس کو بھول جائیں - بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم اتنی دیر کے لئے تم کو بالکل خدا کی یاد میں لگ جانا چاہیئے - اس کے بعد اپنے کام بھی کرتے رہو اور ان کو کرتے ہوئے خدا کو بھی یاد کرو ٭

بس ایسا ہی معاملہ زکوٰۃ کا بھی ہے - یہاں بھی ایک حکم عام ہے اور ایک خاص - ایک طرف تو یہ ہے کہ بخل اور تنگ دلی سے بچو کہ یہ برائیوں کی جڑ اور بدیوں کی ماں ہے - اپنے

اخلاق میں اللہ کا رنگ اختیار کرو جو ہر وقت بے حد و حساب
مخلوق پر اپنے فیض کے دریا بہا رہا ہے۔ حالانکہ کسی کا اس
پر کوئی حق اور دعویٰ نہیں ہے۔ راہِ خدا میں جو کچھ خرچ
کر سکتے ہو کرو۔ اپنی ضرورتوں سے جتنا بچا سکتے ہو بچاؤ اور
اس سے خدا کے دوسرے ضرورتمند بندوں کی ضرورتیں
پوری کرو۔ دین کی خدمت میں اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے میں
جان اور مال سے کبھی دریغ نہ کرو۔ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو
تو مال کی محبت کو خدا کی محبت پر قربان کر دو۔ یہ تو ہے عام
حکم اور اس کے ساتھ ہی خاص حکم یہ ہے کہ اس قدر مال اگر
تمہارے پاس جمع ہو تو اس میں سے کم از کم اتنا خدا کی راہ
میں ضرور صرف کرو اور اتنی پیداوار تمہاری زمین میں ہو۔ تو
اس میں سے کم از کم اتنا حصّہ تو ضرور خدا کی راہ میں نذر کر دو۔ جسطرح
چند رکعت نماز فرض ادا کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بس یہ
رکعتیں پڑھتے وقت خدا کو یاد کرو اور باقی سارے وقتوں
میں اسکو بھول جاؤ۔ اسی طرح مال کی ایک چھوٹی سی مقدار راہِ
خدا میں صرف کرنا جو فرض کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی یہ نہیں
ہے کہ جن لوگوں کے پاس اتنا مال ہو۔ بس انہی کو راہِ خدا میں

صرف کرنا چاہیئے اور جو اس سے کم مال رکھتے ہوں انہیں اپنی مٹھیاں بھنیچ لینی چاہیئں اور اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے۔ کہ مالدار لوگوں پر جتنی زکوٰۃ فرض کی گئی ہے بس وہ اتنا ہی خدا کی راہ میں صرف کریں اور اس کے بعد کوئی ضرورت مند آئے۔ تو اُسے جھڑک دیں یا دین کی خدمت کا کوئی موقع آئے تو کہہ دیں کہ ہم تو زکوٰۃ دے چکے۔ اب ہم سے ایک پائی کی بھی اُمید نہ رکھو۔ زکوٰۃ فرض کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ اسکا مطلب دراصل یہ ہے کہ کم از کم اتنا مال تو ہر مالدار کو راہِ خدا میں دینا ہی پڑیگا اور اس سے زیادہ جس شخص سے جو کچھ بن آئے۔ وہ اسکو صرف کرنا چاہیئے۔

اب میں عام حکم اور خاص حکم دونوں کی تھوڑی سی تشریح بیان کرونگا۔

قرآن مجید کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی وہ خود ہی بتا دیتا ہے۔ تاکہ محکوم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو حکم دیا ہے اس کی وجہ کیا ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے۔ قرآن مجید کھولتے ہی جس آیت پر آپ کی نظر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ:-

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ ان پرہیزگار لوگوں کو زندگی کا سیدھا راستہ بتاتی ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اِس آیت میں یہ اصل الاصول بیان کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے تین چیزیں لازمی طور پر شرط ہیں۔ ایک ایمان بالغیب۔ دوسرے نماز قائم کرنا۔ تیسرے جو رزق بھی اللہ نے دیا ہو۔ اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝

تم نیکی کا مقام پا ہی نہیں سکتے۔ جب تک خدا کی راہ میں وہ چیزیں نہ خرچ کرو۔ جن سے تم کو محبت ہے

پھر فرمایا :۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ

شیطان تم کو ڈراتا ہے کہ خرچ

يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ	کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے وہ تمہیں شرم کی بات یعنی بخیلی کی تعلیم دیتا ہے

اس کے بعد ارشاد ہوا :-

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ؞	اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو (کہ راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں)

آخر میں فرمایا کہ :-

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	اور جو تنگدلی سے بچ گئے - وہی فلاح پانے والے ہیں ؞

ان سب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کے لئے زندگی بسر کرنے کے دو راستے ہیں - ایک خدا کا راستہ ہے جس میں نیکی اور بھلائی اور فلاح اور کامیابی ہے اس راستے کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کا دِل کھلا ہوا ہو - جو رزق بھی تھوڑا یا بہت اللہ نے دیا ہو - اس سے خود اپنی ضرورتیں بھی پوری کرے اور اپنے بھائیوں کی مدد بھی کرے اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے بھی خرچ کرے - دوسرا راستہ شیطان کا راستہ ہے

جس میں بظاہر تو آدمی کو فائدہ ہی فائدہ نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ اس راستہ کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی دولت سمیٹنے کی کوشش کرے اور پیسے پیسے پر جان دے اور اسکو دانتوں سے پکڑ کر رکھے تا کہ خرچ نہ ہونے پائے۔ اور خرچ ہو بھی تو بس اپنے ذاتی فائدے اور اپنے نفس کی خواہشات پر ہو ؛

اب دیکھئے کہ خدائی راستہ پر چلنے والوں کے لئے راہِ خدا میں خرچ کرنے کے کیا طریقے بیان ہوتے ہیں۔ میں ان سب کو نمبر وار بیان کرتا ہوں :-

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ خرچ کرنے میں صرف خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی مطلوب ہو۔ کسی کو احسان مند بنانے یا دنیا میں نام کرنے کے لئے خرچ نہ کیا جائے :-

وَمَا تُنْفِقُونَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰہِ ۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو۔ اس سے اللہ کی رضا کے سوا تمہارا اور کوئی مقصود نہیں ہوتا ۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی اے اہل ایمان ! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا۔	اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو لوگوں کو دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے خرچ کی مثال تو ایسی ہے۔ جیسے ایک چٹان پر مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برسے۔ تو

ساری مٹی بہ جائے اور بس صاف چٹان کی چٹان رہ جائے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو پیسہ دے کر یا روٹی کھلا کر یا کپڑا پہنا کر احسان نہ جتایا جائے اور ایسا برتاؤ نہ کیا جائے جس سے اس کے دل کو تکلیف ہو ؎

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ	جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کرکے احسان نہیں جتاتے اور تکلیف نہیں پہنچاتے۔ اُن کیلئے خدا کے ہاں اجر ہے اور انہیں کسی نقصان کا خوف یا رنج نہیں رہی وہ خیرات جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے تو اس سے تو یہی بہتر ہے کہ سائل

يَتْبَعُهَا اَذًى۔

کو نرمی سے ٹال دیا جائے اور اس سے کہہ دیا جائے کہ بھائی معاف کرو۔

۳۔ تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ خدا کی راہ میں اچھا مال دیا جائے برا چھانٹ کر نہ دیا جاتے۔ جو لوگ کسی غریب کو دینے کے لئے پھٹے پرانے کپڑے تلاش کرتے ہیں یا کسی فقیر کو کھلانے کے لئے بد تر سے بد تر کھانا نکالتے ہیں انکو بس ایسے ہی اجر کی خدا سے بھی توقع رکھنی چاہیئے :۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا	اے اہل ایمان جو کچھ تم نے کمایا ہے
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ	اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین
وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ	سے نکالا ہے۔ اسمیں سے اچھا مال
الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ	خدا کی راہ میں دو۔ یہ نہ کرو کہ خدا
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ ٥	کی راہ میں دینے کے لئے برے سے
	برا تلاش کرنے لگو۔

۴۔ چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو۔ چھپا کر خرچ کیا جائے تاکہ ریا اور نمود کی آمیزش نہ ہونے پائے۔ اگرچہ کھلے طریقہ سے بھی خرچ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر ڈھانک چھپا کر دینا زیادہ بہتر ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَ اگر کھلے طریقہ سے خیرات کرو تو یہ

فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ۔

بھی اچھا ہے۔ لیکن اگر چھپا کر غریب لوگوں کو دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اس سے تمہارے گناہ دُھلتے ہیں۔

۵۔ پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ کم عقل اور نادان لوگوں کو انکی ضرورت سے زیادہ نہ دیا جائے کہ بگڑ جائیں اور بُری عادتوں میں پڑ جائیں۔ بلکہ انکو جو کچھ دیا جائے۔ ان کی حیثیت کے مطابق دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ پیٹ کو روٹی اور پہننے کو کپڑا تو ہر بُرے سے بُرے اور بدکار سے بدکار کو بھی ملنا چاہئیے مگر شراب نوشی اور چانڈوا اور گانجے اور جوئے بازی کے لئے رذیل لوگوں کو پیسہ نہ دینا چاہیئے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ

اپنے اموال جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بنایا ہے نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو البتہ ان اموال میں سے انکو کھانے اور پہننے کے لئے دو۔

۶۔ چھٹا قاعدہ یہ بیان ہوا ہے کہ اگر کسی آدمی کی ضرورت

پوری کرنے کے لئے اسکو قرض حسن دیا جائے تو تقاضے کر کے اُسے پریشان نہ کیا جائے بلکہ اسکو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ آسانی سے ادا کر سکے اور اگر واقعی یہ معلوم ہو کہ وہ ادا کرنے کے قابل نہیں ہے اور تم اتنا مال رکھتے ہو کہ اس کو آسانی کے ساتھ معاف کر سکتے ہو تو بہتر یہ ہے کہ معاف کر دو ؛

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ — اگر قرضدار تنگدست ہو تو اُسے خوشحال ہونے تک مہلت دو اور صدقہ کر دینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم اسکا فائدہ جانو۔

۷۔ ساتواں قاعدہ یہ ارشاد ہوا ہے کہ آدمی کو خیرات کرنے میں بھی حد سے نہ گزرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر خیرات کی جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدھے سادے طریقے سے زندگی بسر کرنے کے لئے جتنی ضرورت انسان کو ہوتی ہے اتنا اپنی ذات پر اور اپنے بال بچوں پر صرف کرے اور جو باقی بچے اُسے خدا کی راہ میں دے

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ — پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں ؟

قُلِ الْعَفْوَ ۔

اے نبی! کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو ۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ۔

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ فضول خرچی کریں اور نہ بہت تنگی کر جائیں بلکہ انکا طریقہ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہو ۔

وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۔

نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو ۔ کہ گردن سے بندھا ہوا ہے اور نہ اتنا کھول دو کہ حسرت زدہ بیٹھے رہو اور لوگ بھی تم کو ملامت کریں ۔

۸ ۔ آخر میں یہ بھی سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کی پوری فہرست بنا دی ہے جس کو دیکھ کر آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کون لوگ آپ کی مدد کے مستحق ہیں اور کن کا حق اللہ تعالیٰ نے آپ کی کمائی میں رکھا ہے :۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَ الْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۝

اپنے غریب رشتہ دار کو اسکا حق دے اور مسکین کو اور مسافر کو ۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ	اور نیک وہ ہے جو خدا کی محبت میں
ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ	مال دے۔ اپنے غریب رشتہ داروں کو
الْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ	اور یتیموں اور مسکینوں کو اور مسافر
وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی	کو اور ایسے لوگوں کو جن کی گردنیں غلامی
الرِّقَابِ ؞	اور اسیری میں پھنسی ہوئی ہوں ؞
وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا	اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں
وَبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی	اور یتیموں اور مسکینوں اور قربت دار
وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی	پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں
الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ	اور مسافروں اور اپنے لونڈی
وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ	غلاموں کے ساتھ سلوک کرتے رہو
وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ	اور نیک لوگوں کی محبت میں مسکین اور
عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا	یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں
وَّاَسِیْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ	اور کہتے ہیں کہ ہم تم کو محض خدا کے
لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ	لئے کھلا رہے ہیں۔ تم سے کوئی بدلہ
جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ	یا شکریہ نہیں چاہتے۔ ہم کو تو اپنے
مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا	خدا سے اس دن کا ڈر لگا ہوا ہے۔

جس کی شدت کی وجہ سے لوگوں کے منہ سکڑ جائیں گے اور تیوریاں چڑھ جائینگی

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا	خیرات اُن فقیروں کے لئے ہے جو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	اپنا سارا وقت خدا کے کام میں لگا
ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ	ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی روٹی کمانے
الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ	کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ	ان کی خود داری کو دیکھ کر تم گمان
النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا	کرتے ہو کہ وہ غنی ہیں مگر ان کی
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ	صورت دیکھ کر تم پہچان سکتے ہو کہ
عَلِيْمٌ ۝	ان پہ کیا گذر رہی ہے (انکو خود
	جا کر دو - کیونکہ) وہ ایسے لوگ
	نہیں ہیں کہ لوگوں سے لپٹ لپٹ
	کر مانگتے پھریں - ان کو ڈھانکہ

چھپا کر) جو کچھ بھی تم خیرات دوگے - اللہ کو اس کی خبر ہوگی اور وہ اس کا بدلہ دے گا ؛

زکوٰۃ کے احکام

پچھلے مضمون میں انفاق فی سبیل اللہ (یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنے کے) عام احکام بیان کر چکا ہوں۔ اب میں اس حکم کے دوسرے حصہ کی تفصیلات بیان کرتا ہوں۔ جو زکوٰۃ سے متعلق ہے۔ یعنی جسے فرض کیا گیا ہے

زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تین جگہ الگ الگ احکام بیان فرمائے ہیں۔ سورۃ بقر میں فرمایا:۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (رکوع ۳۷)	جو پاک مال تم نے کمائے ہیں اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہے۔ اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرو۔

اور اسی کے متعلق سورۃ انعام میں فرمایا کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے باغ اُگائے ہیں اور کھیتیاں پیدا کی ہیں لہٰذا

كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ — اس کی پیداوار جب نکلے تو اس میں سے کھاؤ اور پیداوار کٹنے کے دن اللہ کا حق نکال دو۔

(رکوع ۱۷)

یہ دونوں آیتیں زمین کی پیداوار کے متعلق ہیں اور فقہائے حنفیہ فرماتے ہیں کہ خود رو پیداوار مثلاً لکڑی اور گھانس اور بانس کے سوا باقی جتنی چیزیں غلہ اور ترکاری اور پھلوں کی قسم سے نکلیں۔ اِن سب میں سے اللہ کا حق نکالنا چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو پیداوار آسمانی بارش سے ہو۔ اس میں اللہ کا حق دسواں حصہ ہے اور جو پیداوار انسان کی اپنی کوشش یعنی آبپاشی سے ہو۔ اس میں اللہ کا حق بیسواں حصہ ہے اور یہ حصہ پیداوار کٹنے کے ساتھ ہی واجب ہو جاتا ہے

اس کے بعد دوسرا حکم سورۂ توبہ میں آتا ہے۔ وہاں اوّل تو یہ فرمایا کہ:۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَّوْمَ — جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس میں سے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے انکو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔

يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ
فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ
تَكْنِزُوْنَ ٥

(رکوع ٥)

اس دن کے عذاب کی جب اُن کے
سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا
جائیگا اور اس سے انکی پیشانیوں
اور ان کے پہلوؤں اور پیٹھوں
پر داغا جائیگا اور کہا جائیگا
کہ یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے
لئے جمع کیا تھا - اب اپنے اِن
خزانوں کا مزہ چکھو ؛

پھر فرمایا -

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ
عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ
وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ٥

(رکوع ٨)

صدقات (یعنی زکوٰۃ) اللہ کی طرف
سے مقرر کردہ فرض ہے - فقراء
کے لئے اور مساکین کے لئے اور
اُن لوگوں کے لئے جو زکوٰۃ وصول
کرنے پر مقرر ہوں اور اُن کے
لئے جن کی تالیفِ قلوب منظور ہو
اور گردنیں چھڑانے کے لئے اور
قرض داروں کے لئے اور راہِ

خدا میں مسافروں کے لئے - اللہ بہتر جاننے والا اور حکمت والا ہے

اس کے بعد فرمایا :-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً — ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ وصول
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا — کرکے ان کو پاک اور صاف کر

(رکوع ۱۳) دو

ان تینوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو مال جمع کیا جائے اور بڑھایا جائے - اور اس میں سے راہِ خدا میں خرچ نہ کیا جائے وہ ناپاک ہوتا ہے - اس کے پاک کرنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اس میں سے خدا کا حق نکال کر اس کے بندوں کو دے دیا جائے - حدیث میں آتا ہے کہ جب سونا اور چاندی جمع کرنے والوں پر عذاب کی دھمکی آئی تو مسلمان سخت پریشان ہوئے - کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوتے تھے کہ ایک درہم بھی اپنے پاس نہ رکھو - سب خرچ کر ڈالو - آخرکار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قوم کی پریشانی کا حال عرض کیا - آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ تم پر اسی لئے فرض کی ہے کہ باقی اموال تمہارے لئے پاک ہو جائیں - ایسی ہی روایت ابو سعید خدری

سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جب تو نے اپنے مال میں سے
زکوٰۃ نکال دی تو جو حق تجھ پر واجب تھا وہ ادا ہو گیا ؛

آیات مذکورہ بالا سے تو صرف سونے اور چاندی کی زکوٰۃ
کا حکم ملتا ہے۔ لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارتی
مال اُونٹ، گائے اور بکریوں میں بھی زکوٰۃ ہے۔ چاندی کا
نصاب سو درہم یعنی ۵۲ ½ تولہ کے قریب ہے اور سونے کا
نصاب ۷ ½ تولہ۔ بکریوں کا نصاب ۴۰ بکریاں اور گائے کا
نصاب ۳۰ ہے۔ یعنی جس شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو
اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس میں سے چالیسواں
حصہ زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے۔ چاندی اور سونے کے متعلق
حنفیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں الگ الگ بقدرِ نصاب
نہ ہوں۔ لیکن دونوں مِل کر نصاب کی حد تک پہنچ جاتے ہوں
تو ان میں سے بھی زکوٰۃ نکالنی واجب ہے ؛

سونا اور چاندی اگر زیور کی صورت میں ہوں تو حضرت
عمرؓ اور حضرت ابنِ مسعودؓ کے نزدیک ان کی زکوٰۃ ادا کرنا
فرض ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہی قول لیا ہے
حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں

کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے اور پوچھا کہ کیا تم زکوٰۃ نکالتی ہو؟ ایک نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو اسے پسند کرے گی کہ قیامت کے روز اس کے بدلے آگ کے کنگن تجھے پہنائے جائیں؟ اسی طرح حضرت اُمِّ سلمہؓ سے مروی ہے۔ کہ میرے پاس سونے کی پازیب تھی۔ میں نے حضورؐ سے پوچھا۔ کیا یہ کنز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اس میں سونے کی مقدار نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتی ہے اور اس میں سے زکوٰۃ نکال دی گئی ہے تو یہ کنز نہیں ہے۔ اِن دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی اگر زیور کی شکل میں ہوں۔ تب بھی اسی طرح زکوٰۃ ہے۔ جس طرح نقد کی صورت میں ہونے پر ہے ؀

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ حقدار بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ فقراء

یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے پاس کچھ نہ کچھ مال تو ہو مگر اُن کی ضروریات کے لئے کافی نہ ہو۔ تنگ دستی میں گذر بسر کرتے ہوں اور کسی سے مانگتے نہ ہوں۔ امام زہریؒ۔

امام ابو حنیفہ رح - ابن عباس رض - حسن بصری رض - ابو الحسن کرخی رض اور دوسرے بزرگوں نے فقیر کی یہی تعریف فرمائی ہے ؛

۲ - مساکین

یہ بہت ہی تباہ حال لوگ ہیں جو مانگنے پر مجبور رہوں - جن کے پاس اپنے تن کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی نہ ہو - حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو بھی مساکین میں شمار فرماتے تھے - جو کمانے کی طاقت رکھتے ہوں - مگر انہیں روزگار نہ ملتا ہو ؛

۳ - عاملین علیہا

ان سے مراد وہ لوگ ہیں - جنہیں اسلامی حکومت زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرے - ان کو زکوٰۃ ہی کی مد سے تنخواہ دی جائے گی ؛

۴ - مؤلفۃ القلوب

ان سے مراد نومسلم ہیں - اگر نومسلم اپنی قوم کو چھوڑنے اور سب سے الگ ہو کر مسلمانوں سے آملنے کی وجہ سے بے روزگار یا تباہ حال ہو گیا ہو - تب تو اس کی مدد کرنا مسلمانوں پر ویسے ہی فرض ہے - لیکن اگر وہ مالدار ہو تب

بھی اُسے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ تاکہ اس کا دل اسلام پر جم جائے جنگِ حنین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے نو مسلموں کو بہت مال دیا۔ حتیٰ کہ ایک ایک شخص کے حصّہ میں سو سو اونٹ آئے۔ انصار نے اس کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا کہ یہ لوگ ابھی ابھی کفر سے اسلام میں آئے ہیں۔ میں اُن کے دل کو خوش کرنا چاہتا ہوں۔ اسی بنا پر امام زہری رح نے مولفۃ القلوب کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ جو "عیسائی یا یہودی یا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوا ہو۔ اگرچہ مالدار ہی کیوں نہ ہو"

۵- فی الرّقاب

اس سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص غلامی کے بند سے چھوٹنا چاہتا ہو۔ اس کو زکوٰۃ دی جائے۔ تاکہ وہ اپنے مالک کو روپیہ دے کر اپنی گردن غلامی سے چھڑا لے۔ آج کل کے زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں ہے۔ اِس لئے میرا خیال ہے کہ جو لوگ جرمانہ ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے قید بھگت رہے ہوں۔ ان کو زکوٰۃ دے کر رہائی حاصل کرنے میں مدد دی جا سکتی ہے۔ یہ بھی فی الرقاب کی تعریف میں آجاتا

۷ ☼

۶- الغارمین

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرضدار ہوں یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے پاس ہزار روپیہ ہو اور وہ سو روپے کا قرضدار ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب پر اتنا قرض ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اس کے پاس مقدارِ نصاب سے کم مال بچتا ہو۔ اُسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ فقہائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی فضول خرچیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے قرض دار ہو۔ اس کو زکوٰۃ دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ پھر وہ اس بھروسے پر اور زیادہ جرأت کے ساتھ بدکاریاں اور فضول خرچیاں کرے گا۔ کہ زکوٰۃ لے کر قرض ادا کر دوں گا ☼

۷- فی سبیل اللہ

یہ لفظ عام ہے جو تمام نیک کاموں پر استعمال ہوتا ہے لیکن خاص طور پر اس سے مراد خدا کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی مدد کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ لینا کسی مالدار آدمی کے لئے جائز نہیں۔ لیکن اگر مالدار آدمی جہاد کے

لئے مدد کا حاجت مند ہو تو اُسے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔ اِس لئے کہ ایک شخص اپنی جگہ مالدار بھی۔ لیکن جہاد کے لئے جو غیر معمولی مصارف ہوتے ہیں۔ ان کو وہ محض اپنے مال سے کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اس کام میں زکوٰۃ سے اس کی مدد کرنی چاہیئے ؞

۸۔ ابن السّبیل

یعنی مسافر۔ اگرچہ مسافر کے پاس اس کے وطن میں کتنا ہی مال ہو۔ لیکن حالتِ مسافرت میں اگر وہ محتاج ہے تو اُسے زکوٰۃ دینی چاہیئے۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ یہ آٹھ گروہ جو بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے کس شخص کو کس حال میں زکوٰۃ دینی چاہیئے اور کس حال میں نہ دینی چاہیئے۔ اس کی بھی تھوڑی سی تفصیل بیان کر دیتا ہوں ؞

۱۔ کوئی شخص اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔ اس میں فقہا کا اتفاق ہے۔ بعض فقہاء بھی فرماتے ہیں کہ ایسے قریبی عزیزوں کو زکوٰۃ نہیں دینی

چاہیئے۔ جن کا نفقہ تم پر واجب ہو یا جو تمہارے شرعی وارث ہوں۔ البتہ دُور کے عزیز زکوٰۃ کے حقدار ہیں بلکہ دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔ مگر امام اوزاعی فرماتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ نکال کر اپنے ہی عزیزوں کو نہ ڈھونڈتے پھرو ؂

۲۔ زکوٰۃ صرف مسلمان کا حق ہے۔ غیر مسلم کا حق نہیں ہے۔ حدیث میں زکوٰۃ کی تعریف یہ آئی ہے کہ تُؤخَذُ مِنْ اَغْنِیَاءِکُمْ وَتُرَدُّ اِلیٰ فُقَرَاءِکُمْ" یعنی وہ تمہارے مالداروں سے لی جائے گی اور تمہارے ہی فقیروں میں تقسیم کر دی جائے گی" البتہ غیر مسلم کو عام خیرات میں حصّہ دیا جا سکتا ہے

۳۔ امام ابو حنیفہؒ۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر بستی کی زکوٰۃ اِسی بستی کے غریبوں میں تقسیم ہونی چاہیئے۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں بھیجنا اچھا نہیں ہے۔ اِلّا یہ کہ وہاں کوئی حقدار نہ ہو یا دوسری جگہ کوئی ایسی مصیبت آگئی ہو کہ دُور و نزدیک کی بستیوں سے مدد پہنچنی ضروری ہو۔ جیسے سیلاب یا قحط وغیرہ۔ قریب قریب یہی رائے امام مالکؒ اور امام سفیان ثوریؒ کی بھی ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ بھیجنا ناجائز ہے ؂

۴۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ جس شخص کے پاس دو وقت کے کھانے کا سامان ہو۔ اُسے زکوٰۃ نہ لینی چاہیئے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس دس روپے اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کے پاس ساڑھے بارہ روپے موجود ہوں اُسے زکوٰۃ نہ لینی چاہیئے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور تمام حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس کے پاس ۵۰ روپے سے کم ہوں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ اس میں مکان اور گھر کا سامان اور گھوڑا اور خادم شامل نہیں ہیں۔ یعنی یہ سب سامان رکھتے ہوئے بھی جو شخص ۵۰ روپے سے کم مال رکھتا ہو وہ زکوٰۃ لینے کا حقدار ہے۔ اس معاملہ میں ایک چیز تو ہے قانون اور دوسری چیز ہے درجۂ فضیلت۔ اِن دونوں میں فرق ہے۔ درجۂ فضیلت تو یہ ہے کہ حضور نے فرمایا۔ جو شخص صبح و شام کی روٹی کا سامان رکھتا ہو۔ وہ اگر سوال کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اپنے حق میں آگ جمع کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اسکو پسند کرتا ہوں کہ ایک شخص لکڑیاں کاٹے اور اپنا پیٹ بھرے بہ نسبت اس کے کہ سوال کے لئے ہاتھ پھیلاتا پھرے

تیسری حدیث میں ہے کہ جس کے پاس کھانے کو ہو یا جو کمانے کی طاقت رکھتا ہو۔ اسکا یہ کام نہیں ہے کہ زکوٰۃ لے۔ لیکن یہ اولوالعزمی کی تعلیم ہے۔ رہا قانون تو اس میں ایک آخری حد بنانی ضروری ہے کہ کہاں تک آدمی زکوٰۃ لینے کا حقدار ہو سکتا ہے۔ سو وہ دوسری حدیثوں میں ملتا ہے مثلاً آپ نے فرمایا للسائل حق وان جاء علی الفرس یعنی سائل کا حق ہے۔ اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آیا ہو۔ ایک شخص نے حضور سے عرض کیا کہ میرے پاس دس روپے ہیں کیا میں مسکین ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے آکر حضور سے زکوٰۃ مانگی۔ آپ نے نظر اٹھا کر انہیں غور سے دیکھا۔ پھر فرمایا۔ اگر تم لینا چاہتے ہو۔ تو میں دیدوں گا۔ لیکن اس مال میں غنی اور کمانے کے قابل ہٹے کٹے لوگوں کا حصہ نہیں ہے۔ ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بقدر نصاب مال سے کم رکھتا ہو۔ وہ فقرا کی ذیل میں آجاتا ہے اور اسے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زکوٰۃ لینے کا حق دراصل اصلی حاجتمندوں ہی کو پہنچتا ہے ؞

زکوٰۃ کے ضروری احکام میں نے بیان کر دیئے ہیں۔ لیکن
ان سب کے ساتھ ایک اہم اور ضروری چیز اور بھی ہے جس
کی طرف میں خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مسلمان
آجکل اس کو بھول گئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام
کام نظامِ جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انفرادیت کو اسلام
پسند نہیں کرتا۔ آپ مسجد سے دور ہوں اور الگ نماز پڑھ
لیں تو ہو جائے گی۔ مگر شریعت تو یہی چاہتی ہے کہ جماعت کے
ساتھ نماز پڑھیں۔ اِسی طرح الگ الگ زکوٰۃ نکالنا اور
خرچ کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ زکوٰۃ کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہیئے
تاکہ وہاں سے ایک ضابطہ کے ساتھ خرچ ہو۔ اِسی چیز کی طرف
قرآن مجید کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے مثلاً فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ
صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ ان سے زکوٰۃ وصول
کریں۔ مسلمانوں سے یہ نہیں فرمایا کہ تم زکوٰۃ نکال کر الگ
الگ خرچ کر دو۔ اسی طرح عاملین زکوٰۃ کا حق مقرر کرنے سے
بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام
اسکو باقاعدہ وصول کرے اور باقاعدہ خرچ کرے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا امرت ان اخذ الصدقۃ من اغنیاء کم و اردھا فی فقرآء کم یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے زکوٰۃ وصول کروں اور تمہارے فقرا میں تقسیم کروں - اسی طریقہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا عمل بھی تھا - تمام زکوٰۃ حکومت اسلامی کے کارکن جمع کرتے تھے اور مرکز کی طرف سے اس کو تقسیم کیا جاتا تھا - آج اگر اسلامی حکومت نہیں ہے اور زکوٰۃ جمع کرنے باضابطہ تقسیم کرنے کا انتظام بھی نہیں ہے تو آپ علیحدہ علیحدہ اپنی زکوٰۃ نکالکر شرعی مصارف میں خرچ کرسکتے ہیں - مگر تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ زکوٰۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے لئے ایک اجتماعی نظام بنانے کی فکر کریں - کیونکہ اس کے بغیر زکوٰۃ کی فرضیت کے فوائد ادھورے رہ جاتے ہیں ؂

شیخ عنایت اللہ پبلشر نے فیروز پرنٹنگ ورکس ۳۶۵ سرکلر روڈ لاہور میں باہتمام عبدالحمید خان پرنٹر و منیجر کے چھپوا کر تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور سے شائع کیا

ناشران

تاج کمپنی لمیٹڈ - قرآن منزل ریلوے روڈ - لاہور

قیمت ۸/ طبع سوم

فہرست

مضمون	صفحہ
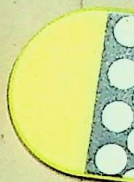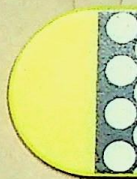
حج کی ابتدا

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کعبہ کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اس لئے اس کا نام حج رکھا گیا ہے۔ سب سے پہلے اس کی ابتدا جس طرح ہوئی۔ اس کا قصہ بڑا سبق آموز ہے۔

کون مسلمان عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہو؟ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی انکو اپنا پیشوا مانتی ہے۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تینوں انہی کی اولاد سے ہیں۔ انہی کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور پھیلا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ مدت گزری۔ جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اس وقت ساری دنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی انسان ایسا نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو اور اس کے آگے

بندگی اور اطاعت میں سر جھکاتا ہو۔ جس قوم میں انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ اگرچہ اس زمانہ میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی۔ لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ علوم و فنون اور صنعت میں خوب ترقی کر لینے کے باوجود ان لوگوں کو اتنی ذرا سی بات نہ سوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہو سکتا۔ ان کے ہاں ستاروں اور بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ نجوم۔ فال گیری۔ غیب گوئی۔ جادو ٹونے اور تعویذ گنڈے کا خوب چرچا تھا۔ جیسے آجکل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں۔ اسی طرح اُس زمانے میں بھی پجاریوں کا ایک طبقہ تھا۔ جو مندروں کی محافظت بھی کرتا۔ لوگوں کو پوجا بھی کراتا۔ شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتا اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ ان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اچھی اور بُری قسمت کا مالک سمجھتے تھے۔ انہی کے اشاروں پر چلتے تھے اور بے چون و چرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے۔ کیونکہ انکا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں ان پجاریوں کی پہنچ ہے۔ یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہو گی۔ ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ پجاریوں کے اس گروہ کے ساتھ بادشاہوں

کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنے میں بادشاہ پجاریوں کے مددگار رہتے اور پجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی اور دوسری طرف یہ پجاری لوگوں کے عقیدہ میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ ملک اور رعیت کا مالک ہے اس کی زبان قانون ہے اور اس کو رعایا کی جان و مال پہ ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہوں کے آگے پورے بندگی کے مراسم بجا لائے جاتے تھے تاکہ رعایا کے دل و دماغ پہ انکی خدائی کا خیال مسلط ہو جائے ؛

ایسے زمانہ میں اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور لطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں وہ پیدا ہوئے۔ وہ خود پجاریوں کا گھرانا تھا۔ ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور برہمن تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور تربیت ان کو مل سکتی تھی۔ جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ اسی قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں۔ وہی پیروں اور پیرزادوں کے سے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے۔ وہی مندر کی گدی ان کے لئے تیار رکھی تھی۔ جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا

بن سکتے تھے - وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے انکا خاندان مالا مال ہو رہا تھا - اُن کے لئے بھی حاضر تھے - اسی طرح لوگ ان کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لئے موجود تھے - اسی طرح دیوتاؤں سے رشتہ مِلا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنی کسان سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی پیری کے پھندے میں پھانس سکتے تھے - اس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا - نہ تو انکو حق کی روشنی ہی کہیں سے مِل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا ؛

مگر حضرت ابراہیمؑ کوئی معمولی آدمی نہ تھے - کسی اور ہی مٹی سے انکا خمیر بنا تھا - ہوش سنبھالتے ہی انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سورج، چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں اور یہ پتھر کے بت جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہمیں جیسے انسان ہیں - آخر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں ؟ جو بیچارے خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے - جن میں آپ

اپنی مدد کرنے کی بھی قدرت نہیں۔ جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں۔ ان کے پاس کیا دھرا ہے کہ انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے۔ اُن سے اپنی حاجتیں مانگے۔ انکی طاقت سے خوف کھائے اور انکی خدمتگاری و فرمانبرداری کرے؟ زمین و آسمان کی جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں۔ اُن میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو محتاج نہ ہو۔ اور جس پر کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا۔ نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں تو میں انکو رب کیوں مانوں اور کیوں انکے آگے بندگی و عبادت میں سر جھکاؤں؟ میرا رب تو وہی ہو سکتا ہے۔ جس نے سب کو پیدا کیا۔ جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں موت و زیست اور سب کا نفع و نقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے۔ اُن کو میں ہرگز نہ پوجوں گا اور اس فیصلہ پر پہنچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہدیا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ط در جن کو تم خدائی میں اللہ کا شریک

ٹھہراتے ہو۔ ان سے میرا کوئی واسطہ نہیں" اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

"میں نے تو سب سے منہ موڑ کر اس ذات کو عبادت و بندگی کے لئے خاص کر لیا ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں" ؂

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ باپ نے کہا کہ میں عاق کر دوں گا اور گھر سے نکال باہر کروں گا! اور قوم نے کہا کہ ہم میں سے تمہیں کوئی پناہ نہ دیگا۔ حکومت بھی ان کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا مگر وہ یکہ و تنہا انسان سب کے مقابلہ میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ باپ کو ادب سے جواب دے دیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہیں نہیں ملا۔ اِس لئے بجائے اس کے کہ میں تمہاری پیروی کروں۔ تمہیں میری پیروی کرنی چاہیئے۔ قوم کی دھمکیوں کے جواب میں اس کے بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ثابت کر دیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو۔ وہ خود کس قدر بے بس ہیں بادشاہ کے بھرے دربار میں جا کر صاف کہہ دیا کہ تو میرا رب نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی و موت

ہے اور جس کے قانون کی بندش میں سورج تک جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار سے فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے والا انسان جو خدائے واحد پر ایمان لا چکا تھا۔ اِس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لئے بھی تیّار ہو گیا اور جب اللہ نے اپنی قدرت سے اس کو آگ میں جلنے سے بچا لیا۔ تو وہ اپنے گھر بار، عزیز اقارب، قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر غریب الوطنی میں ملک ملک کی خاک چھاننے کے لئے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جس کے لئے گھر میں مہنت کی گدّی موجود تھی۔ جو اس گدّی پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیر بن سکتا تھا۔ اور جو اپنی اولاد کو بھی اس مہنتی کی گدی پر مزے لوٹنے کے لئے چھوڑ جا سکتا تھا۔ اس نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے جلاوطنی اور بے سروسامانی کی زندگی پسند کی۔ کیونکہ دنیا کو جھوٹے خداؤں کے جال میں پھانس کر خود مزے کرنا اسے گوارا نہ تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچّے خدا کی بندگی کی طرف لوگوں کو بلائے اور اس جرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے ؎

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیمؑ شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مسافرت

کی زندگی میں اُن پر کیا گذری ہوگی۔ مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہ نکلے تھے اور نہ باہر نکل کر بھی اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے۔ بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ اس خیال کے آدمی کو جب اس کے اپنے باپ نے اور اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اور کون برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے مہنت اور وہی خدائی کے مدّعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے۔ جو ان جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خدائی ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ بلکہ دوسروں سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور آقا نہیں ہے۔ سب کی آقائی و خداوندی کا تختہ اُلٹ دو۔ اور صرف اس کے بندے بن کر رہو؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہے کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہو گئے۔

آخیر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں صرف چار سال باقی تھے اور اولاد سے مایوسی ہو چکی تھی۔ اللہ نے اولاد دی لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر دامنگیر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہوا ہوں تو اب کم از کم اپنے بچوں ہی کو دنیا کمانے کے قابل بناؤں۔ اور انہیں کسی ایسے کام پر لگا جاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے نہیں اس بوڑھے مسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اس نے اپنی عمر کھپا دی تھی۔ کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اسی مشن کو پھیلاتا رہے۔ اسی غرض کے لئے وہ اللہ سے اولاد کا آرزومند تھا اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا۔ کہ اپنے بعد اپنے کام کو جاری رکھنے کے لئے انہیں تیار کرے۔ اس انسان کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ ابتدائے جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پا لیا تھا تو خدا نے اس سے کہا تھا کہ اَسْلِمْ (اسلام لے آ۔ اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے۔ میرا ہو کر رہ) اور اس نے جواب میں قول دے دیا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں نے اسلام قبول کیا۔ میں ربّ العالمین کا ہو گیا۔ میں نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا) اس قول و قرار کو اس سچے آدمی

نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھا دیا۔ اس نے رب العالمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا۔ دنیا کے اُن سارے فائدوں کو چھوڑا جو مہنت کی گدی سنبھالنے سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اپنے خاندان اور قوم اور وطن کو چھوڑا۔ اپنی جان کو آگ کے خطرہ میں ڈالا۔ جلا وطنی کی مصیبتیں سہیں۔ ملک ملک کی خاک چھانی۔ اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ میں صرف کر دیا۔ اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لئے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔ مگر ان آزمائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی۔ جس کے بغیر یہ فیصلہ نہ ہو سکتا تھا کہ یہ شخص دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبّت رکھتا ہے۔ اور وہ آزمائش یہ تھی کہ یہ اس بڑھاپے میں جبکہ پوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی ہے۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی رب العالمین کی خاطر قربان کر سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ یہ آزمائش بھی پوری کر ڈالی گئی اور جب اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ تب فیصلہ فرمایا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مُسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچ کر

دکھایا - اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے - اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ :-

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ (بقرہ - ۱۵)	اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اُترا گیا تو فرمایا کہ میں تجھ کو انسانوں کا امام (پیشوا) بناتا ہوں - اس نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیا - ان میں سے جو ظالم ہونگے انہیں میرا عہد نہیں پہنچتا ؛

اس طرح حضرت ابراہیمؑ کو دنیا کی پیشوائی سونپی گئی - اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے - اب آنحضرت کو اس تحریک کی اشاعت کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی - جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور آپ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے کام کریں - اس کام میں تین آدمی آپ کے لئے قوتِ بازو ثابت ہوئے - ایک آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام دوسرے آپکے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جنہوں نے یہ سنکر کہ رب العالمین ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے خود اپنی گردن خوشی خوشی چھری کے

نیچے رکھ دی تیسرے آپکے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام ٭
بھتیجے کو آپ نے سدوم کے علاقہ میں بٹھایا جس کو آج کل
شرق اردن (ٹرانس جورڈینیا) کہتے ہیں - یہاں اس وقت کی سب
سے زیادہ پاجی قوم رہتی تھی - اس لئے اس کی اصلاح بھی مدنظر
تھی اور ساتھ ہی دُور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھا
کیونکہ ایران، عراق اور مصر کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلے
اسی علاقہ سے گذرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ
جاری رکھا جا سکتا تھا ٭

چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰق کو کنعان کے علاقہ میں آباد
کیا جس کو آجکل فلسطین کہا جاتا ہے - یہ علاقہ شام اور مصر کے
درمیان واقع ہے اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے
ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جا سکتا ہے - یہیں سے حضرت
اسحٰق کے بیٹے حضرت یعقوب (جن کا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے
حضرت یوسف کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی ٭

بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کو حجاز میں مکہ کے مقام پر
رکھا اور ایک مدت تک خود ان کے ساتھ رہ کر عرب کے تمام
گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلائی - پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں

نے اسلامی تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس مرکز کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا تھا اور خود ہی اس کی تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی۔ یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی۔ جیسے مسجدیں عموماً ہُوا کرتی ہیں۔ بلکہ اول روز ہی سے اس کو دین اسلام کی عالمگیر تحریک کا مرکز تبلیغ واشاعت قرار دیا گیا تھا۔ اور اس کی غرض یہ رکھی گئی تھی کہ ایک خدا کو ماننے والے کھینچ کھینچ کر یہاں جمع ہُوا کریں اور مل کر خدا کی عبادت کریں اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ یہی اجتماع تھا جس کا نام "حج" رکھا گیا تھا۔ اس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہُوا۔ کن جذبات اور کن دعاؤں کے ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اُٹھائیں اور کیسے حج کی ابتدا ہوئی۔ قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:-

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر
لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا	کیا گیا۔ وہ وہی تھا جو مکّہ میں تعمیر
وَّھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۚ فِیۡہِ	ہُوا۔ برکت والا گھر اور سارے
اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ	جہان کے لئے مرکز ہدایت۔ اس میں اللہ

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًاؕ
(آل عمران، ۱۰)

کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقامِ ابراہیمؑ ہے اور جو یہاں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے ؞

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت ۷)

کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کیسا پُر امن حرم بنایا ہے۔ حالانکہ اس کے گرد و پیش لوگ اُچک لئے جاتے ہیں (یعنی جب کہ عرب میں ہر طرف لوٹ مار، قتل، غارتگری اور جنگ و جدل کا بازار گرم تھا۔ اس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا۔ حتیٰ کہ وحشی بدو تک اس کے حدود میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کرتے)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًاؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّىؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے مقامِ عبادت کو جائے نماز بنا لو اور ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والے اور ٹھہرنے والے اور رکوع اور سجدہ کرنے والے لوگوں

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا
وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط
(البقرة ۱۵)
وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ

کے لئے پاک صاف رکھو اور جبکہ ابراہیم
نے دعا کی کہ پروردگار اس شہر کو
پُر امن بنا دے اور یہاں کے باشندوں کو
پھلوں کا رزق بہم پہنچا جو ان میں سے اللہ اور
یوم آخرت پر ایمان لانے والا ہو۔
اور جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی
بنیادیں اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے
تھے کہ پروردگار ہماری اِس کوشش
کو قبول فرما۔ تو سب کچھ سنتا اور جانتا
ہے۔ پروردگار! اور تو ہم دونوں کو
اپنا مسلم (اطاعت گذار) بنا اور
ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا
جو تیری مسلم ہو اور ہمیں اپنی عبادت
کا طریقہ بتا اور ہم پر بخشش کی نظر رکھ
کہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے پروردگار!
اور تو ان لوگوں میں انہی کی قوم سے
ایک ایسا رسول بھیجیو جو انہیں تیری

اَلْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ع
(البقرہ - ۱۵)

آیات سنائے اور ان کو کتاب اور
دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق
درست کرے۔ یقیناً تو بڑی قدرت والا اور بڑا حکیم ہے ⁘

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ
هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ
وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝
رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا
مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ
مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّیْ
اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ
غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ
الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
یَشْكُرُوْنَ ۝

اور جبکہ ابراہیمؑ نے دعا کی کہ پروردگار!
اس شہر کو پرامن شہر بنا اور مجھے اور میرے
بچوں کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار!
ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے
سو جو کوئی میرے طریقہ کی پیروی کرے وہ
تو میرا ہے اور جو میرے طریقہ سے پھر جائے۔
تو یقیناً تو غفور اور رحیم ہے۔ پروردگار۔
میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو
تیرے اس عزت والے گھر کے پاس
اس بے آب و گیاہ وادی میں لا بسایا
ہے۔ تاکہ یہ نماز کا نظام قائم کریں۔
سو اے رب تو لوگوں کے دلوں میں
ایسا شوق ڈال کہ وہ ان کی طرف
کھنچ کر آئیں اور ان کو پھلوں سے

(ابراہیم-۶)

رزق پہنچا- امید ہے کہ یہ تیرے
شکرگذار بنیں گے-

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ
الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا
وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ
وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ
وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ
يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ
ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ
فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ لِّيَشْهَدُوْا
مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا
مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ
الْفَقِيْرَ ۟

(الحج-۴)

اور جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے اس گھر
کی جگہ مقرر کی۔ اس ہدایت کے ساتھ
کہ یہاں شرک نہ کرو اور میرے گھر
کو طواف کرنے والوں اور رکوع
اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک
صاف رکھو اور لوگوں میں حج کی عام
منادی کردو کہ تمہارے پاس آئیں-
خواہ پیدل آئیں یا ہر دور دراز
مقام سے دُبلی اونٹنیوں پر آئیں-
تاکہ یہاں آکر دیکھیں کہ ان کے لئے
کیسے کیسے دینی و دنیوی منافع ہیں
اور ان مقررہ دنوں میں ان جانوروں پر
جو اللہ نے ان کو دیئے ہوں - اللہ
کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اور
اس سے خود بھی کھائیں اور تنگدست

(اور محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔ (الحج - ۱۴

یہ ہے اس حج کی ابتدا کا قصہ۔ جسے اسلام کا پانچواں رکن قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ دنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو عالمگیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا تھا۔ مکہ اس کے مشن کا صدر مقام تھا اور کعبہ وہ مرکز تھا۔ جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی اور یہ حج کا طریقہ اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں۔ وہ خواہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ سب کے سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال جمع ہو کر اس مرکز کے گرد طواف کریں۔ گو یا ظاہر میں اپنی اس باطنی کیفیت کا نقشہ جما دیں کہ ان کی زندگی اس پہیئے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دھرے کے گرد ہی گھومتا ہے ؎
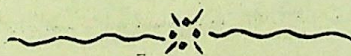
حج کی تاریخِ مابعد

پچھلے مضمون میں بتا چکا ہوں کہ حج کی ابتدا کس طرح اور کس غرض کے لئے ہوئی تھی۔ یہ بھی بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ کو اسلامی تحریک کا مرکز بنایا تھا اور یہاں اپنے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بٹھایا تھا۔ تا کہ آپ کے بعد وہ اِس تحریک کو جاری رکھیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ حضرت اسمٰعیل کے بعد ان کی اولاد کب تک اُس دین پر قائم رہی جس پر اُن کے باپ اُن کو چھوڑ گئے تھے۔ بہر حال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور اُن کے طریقے سب بھول بھال گئے اور رفتہ رفتہ اُن میں وہ سب گمراہیاں پیدا ہو گئیں۔ جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُسی کعبہ میں جسے ایک خدا کی پرستش کے لئے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا تھا۔ سینکڑوں بُت رکھ دیئے گئے اور غضب یہ ہے کہ خود حضرت

ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی بُت بنا ڈالا گیا - جن کی ساری
زندگی بتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی - ابراہیمؑ حنیف
کی اولاد نے لات، منات، ہُبل، نسر، یغوث، عُزّیٰ، اساف،
نائلہ اور خدا جانے کس کس نام کے بُت بنائے اور اُن کو پُوجا -
چاند، عطارد، زہرہ، زحل اور معلوم نہیں کس کس ستارے
کو پُوجا - جن - بھُوت - پریت - فرشتوں اور اپنے مردہ بزرگوں
کی روحوں کو پُوجا اور ان کی جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب
گھر سے نکلتے اور اپنا خاندانی بُت انہیں پوجنے کو نہ ملتا تو راستہ
چلتے میں جو اچھا سا چکنا پتھر مل جاتا - اُسی کو پوج ڈالتے اور
پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک پنڈا سا بنا لیتے اور
بکری کا دودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پنڈا اُن کا خدا بن جاتا -
جس مہنت گری اور پنڈتائی کے خلاف اُن کے باپ حضرت
ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں لڑائی کی تھی - وہ خود انہی
کے گھر میں گھس آئی - کعبہ کو انہوں نے عرب کا ہر دوار یا بنارس
بنا لیا - خود وہاں کے مہنت بن کر بیٹھ گئے - حج کو "تیرتھ جاترا"
بنا کر اس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کے لئے بنا تھا - بُت پرستی
کی تبلیغ کرنے لگے اور پجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار

کر کے انہوں نے عرب کے دُور و نزدیک سے آنے والے جاتریوں
سے نذر اور چڑھاوے وصول کرنے شروع کر دیئے۔ اِس طرح وہ
سارا کام برباد ہو گیا جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام
کر گئے تھے اور جس مقصد کے لئے انہوں نے حج کا طریقہ
جاری کیا تھا۔ اس کی جگہ کچھ اَور ہی کام ہونے لگے ؀

اس جاہلیت کے زمانہ میں حج کی جو گت بنی۔ اس کا
اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک میلہ تھا جو سال کے
سال لگتا تھا۔ بڑے بڑے قبیلے اپنے جتھوں کے ساتھ یہاں
آتے اور اپنے اپنے پڑاؤ الگ ڈالتے۔ ہر قبیلہ کا شاعر یا
بھاٹ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزت،
طاقت اور سخاوت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے
ملاتا اور ہر ایک ڈینگیں مارنے میں دوسرے سے بڑھ جانے
کی کوشش کرتا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کی ہجو تک نوبت
پہنچ جاتی۔ پھر فیاضی کا میچ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی
جتانے کے لئے دیگیں چڑھاتے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھلانے
کے لئے اونٹ پر اونٹ کاٹتے چلے جاتے۔ اس فضول خرچی
سے اُن لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے

کے موقع پر اُن کا نام سارے عرب میں اُونچا ہو جائے اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اونٹ ذبح کئے اور فلاں صاحب نے اتنوں کو کھانا کھلایا - اِن مجلسوں میں راگ رنگ - شراب خواری - زنا اور ہر قسم کی فحش کاری دھڑلّے سے ہوتی تھی اور خدا کا خیال مشکل ہی سے کسی کو آتا تھا - کعبہ کے گرد طواف ہوتا تھا - مگر کس طرح ؟ عورت مرد سب ننگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اسی حالت میں خدا کے سامنے جائیں گے جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے - ابراہیم علیہ السّلام کی مسجد میں عبادت ہوتی تھی - مگر کیسی ؟ تالیاں پیٹی جاتیں، سیٹیاں بجائی جاتیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے - خدا کا نام پکارا جاتا - مگر کس شان سے ؟ کہتے تھے لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اِلَّا شَرِیْكًا ھُوَلَكَ تَمْلِكُہٗ وَمَا مَلَكَ (یعنی میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں - تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہونے کی وجہ سے تیرا شریک ہے تو اس کا بھی مالک ہے - اور اس کی ملکیت کا بھی مالک ہے) خدا کے نام پر قربانیاں بھی کرتے تھے - مگر کس بدتمیزی کے ساتھ ؟ قربانی کا خون کعبہ کی دیواروں سے لتھیڑا جاتا اور

گوشت دروازے پر ڈالا جاتا۔ اِس خیال سے کہ نعوذ باللہ یہ
خون اور گوشت خدا کو مطلوب ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حج
کے چار مہینوں کو حرام ٹھہرایا تھا اور ہدایت کی تھی۔ کہ اِن
مہینوں میں کسی قسم کی جنگ و جدل نہ ہو۔ یہ لوگ اس
حرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے۔ مگر جب لڑنے کو جی
چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام مہینہ کو حلال کر
لیتے اور دوسرے سال اس کا بدلہ کر دیتے تھے ؛

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے۔ اُنہوں نے
بھی جہالت کی وجہ سے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لئے تھے۔ کچھ
لوگ بغیر زادِ راہ لئے حج کو نکل کھڑے ہوتے اور مانگتے کھاتے چلے
جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نیکی کا کام تھا۔ کہتے تھے۔ ہم
متوکّل ہیں۔ خدا کے گھر کی طرف جا رہے ہیں تو دنیا کا سامان
کیوں لیں ؟ عموماً حج کے سفر میں تجارت کرنے یا کمائی کے لئے
محنت مشقت کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ بہت لوگ حج
میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی داخلِ عبادت سمجھتے
تھے۔ بعض لوگ حج کو نکلتے تو بات چیت کرنا ترک کر دیتے۔
اس کا نام حجِ مُصمت یعنی گونگا حج تھا۔ اس قسم کی اور غلط

رسمیں بے شمار تھیں - جن کا حال بیان کر کے میں آپ کا وقت
ضائع کرنا نہیں چاہتا ؛

یہ حالت کم و بیش دو ہزار برس تک رہی - اِس طویل
مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا - نہ کسی نبی کی خالص
تعلیم عرب تک پہنچی - آخر کار حضرت ابراہیمؑ کی اس دُعا کے
پُورے ہونے کا وقت آیا - جو انہوں نے کعبہ کی دیواریں اُٹھاتے
وقت اللہ سے مانگی تھی - یعنی پروردگار! ان کے درمیان ایک
پیغمبر خود انہی کی قوم میں سے بھیجیو جو انہیں تیری آیات
سُنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق
درست کرے " چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ہی کی اولاد سے پھر ایک
انسانِ کامل اُٹھا - جس کا نامِ پاک محمد ابنِ عبداللہ تھا صلی اللہ
علیہ وسلّم جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے پنڈتوں اور مہنتوں
کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی - اِسی طرح حضرت محمد صلّی اللہ علیہ
وسلّم نے بھی اس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ
کے تیرتھ کا مہنت بنا ہُوا تھا - جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے
اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان کی مہنتی پر ضرب لگائی - اِسی طرح
آنحضرتؐ نے بھی اس پر صرف ضرب ہی نہیں لگائی - بلکہ ہمیشہ

کے لئے اس کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے تمام باطل عقیدوں اور تمام جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کے لئے جد وجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی۔ بالکل وہی کام آنحضرتؐ نے بھی کیا اور پھر اسی اصلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ لے کر آئے تھے ۲۱ سال کی مدت میں جب یہ سارا کام آپ مکمل کر چلے تو اللہ کے حکم سے آپ نے پھر اسی کعبہ کو تمام دُنیا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کے لئے اس مرکز کی طرف آؤ:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (آل عمران - ۱۰)	اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لئے آئے۔ پھر جو کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے) تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے ∴

اس طرح حج کا از سرِ نو آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیت کی وہ ساری رسمیں بھی یک قلم مٹا دی گئیں۔ جو پچھلے دو ہزار

برس میں رواج پا گئی تھیں ۔

میلے ٹھیلے اور تماشے بند کئے گئے اور حکم دیا گیا۔ کہ جو طریقہ عبادت کا بتایا جا رہا ہے ۔ اسی طریقہ سے اللہ کی عبادت کرو :-

وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ	اللہ کو یاد کرو اس طرح جیسی تمہیں
وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ	اللہ نے ہدایت کی ہے ۔ ورنہ اس
الضَّالِّينَ (بقرہ - ۲۵)	سے پہلے تو تم گمراہ لوگ تھے ۔
فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ	حج میں نہ شہوانی افعال کئے جائیں ۔
وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ	نہ فسق و فجور ہو ۔ نہ لڑائی جھگڑے
(بقرہ - ۲۵)	ہوں ۔

شاعری کے دنگل ۔ باپ دادا کے کارناموں پر فخر اور بھٹئی اور ہجوگوئی کے ہیچ سب بند کر دیئے گئے :-

وَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ	پھر جب اپنے مناسکِ حج ادا ۔
فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ	چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا
آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ط	ذکر کیا کرتے تھے ۔ اب اللہ کو یاد کرو
(بقرہ - ۲۵)	بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ۔

فیاضی کے مقابلے جو محض دکھاوے اور ناموری کے لئے ہوتے

تھے - ان سب کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہی حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جائیں تاکہ خوشحال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے :-

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ج إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (اعراف - ۳)

کھاؤ پیو - مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا -

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج - ۵)

ان جانوروں کو خالص اللہ کے لئے اسی کے نام پر قربان کرو - پھر جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹھہر جائیں (یعنی جب جان پوری طرح نکل جکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور قانع کو بھی کھلاؤ اور حاجتمند سائل کو بھی -

قربانی کے خون کو کعبہ کی دیواروں سے تھیپڑنا اور گوشت لاکر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا -

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا

اللہ کو ان جانوروں کے گوشت

دِمَآؤُهَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُهُ — اور خون نہیں پہنچتے - بلکہ تمہاری
التَّقْوٰی مِنْکُمْ ط (الحج - ۵) — پرہیزگاری و خدا ترسی پہنچتی ہے -

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی - اور فرمایا گیا -

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (اعراف - ۴) — اے نبی ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا جو اس نے اپنے بندوں کے لیئے نکالی تھی - (یعنی لباس) ؟

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (اعراف - ۳) — اے نبی کہو کہ اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا -

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف - ۳) — اے آدمی زادو ! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہنے رہا کرو -

حج کے مہینوں کا الٹ پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو لڑائی کے لئے حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ؛ -

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ — نسی تو کفر میں اور زیادتی ہے (یعنی کفر کے ساتھ ڈھٹائی کا اضافہ ہے)

كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَّ — کافر لوگ اس طریقہ سے اور گمراہی
يُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا — میں پڑتے ہیں۔ ایک سال ایک
عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا — مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط (التوبہ - ۵) — سال اس کے بدلہ میں کوئی دوسرا

مہینہ حرام کر دیتے ہیں تاکہ جتنے مہینے اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں۔ ان کی تعداد پوری کر دی جائے مگر اس بہانے سے دراصل اس چیز کو حلال کر لیا جائے جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔

زادِ راہ لئے بغیر حج کے لئے نکلنے کو ممنوع ٹھہرایا گیا اور ارشاد ہوا کہ :-

تَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ — زادِ راہ ضرور لو۔ کیونکہ (دنیا میں
التَّقْوٰى — زادِ راہ نہ لینا زادِ آخرت نہیں ہے)
(البقرۃ - ۲۵) — بہترین زادِ راہ تو تقویٰ ہے۔

سفرِ حج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا۔ اور روزی کمانے کو ناجائز خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی تردید کی گئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ — کوئی مضائقہ نہیں اگر تم کاروبار کے
تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ — ذریعے سے اپنے رب کا فضل تلاش
(البقرہ - ۲۵) — کرتے جاؤ۔

گو نگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا اور ایسی ہی جاہلیت کی دوسری تمام رسموں کو مٹا کر حج کو تقویٰ، خدا ترسی، پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمل نمونہ بنا دیا گیا۔ حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے گھروں سے چلو تو اپنے آپ کو تمام دنیوی آلائشوں سے پاک کر لو۔ شہوات کو چھوڑ دو۔ بیویوں کے ساتھ بھی اس زمانہ میں تعلقِ زن و شو نہ رکھو۔ گالی گلوچ اور تمام بیہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔ کعبہ کی طرف آنے والے جتنے راستے ہیں۔ اُن سب پر بیسیوں میل دُور سے ایک ایک حد مقرر کر دی گئی کہ اس حد سے آگے بڑھنے سے پہلے سب لوگ اپنے لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں تاکہ سب امیر و غریب یکساں ہو جائیں اور سب کے سب اللہ کے دربار میں فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں احرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہانا تو درکنار جانور تک کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو۔ بہیمیت دُور ہو جائے اور طبیعتوں پر روحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لئے حرام کئے گئے کہ اس مدّت میں کوئی لڑائی نہ ہو۔ کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے اور زائرینِ حرم

کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو اُن کے لئے کوئی میلہ ٹھیلہ، کھیل تماشہ، ناچ رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے۔ نمازیں ہیں عبادتیں ہیں۔ قربانیاں ہیں۔ کعبہ کا طواف ہے اگر کوئی پکارہے۔ تو یہ ہے:-

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ

تیری طلب پر حاضر ہوں۔ میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں یقیناً تیرے ہی لئے حمد ہے۔ سب نعمت تیری ہی ہے۔ ساری پادشاہی تیری ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں:-

ایسے ہی پاک صاف، بے لوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ۔

جس نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق و فجور سے پرہیز کیا۔ وہ اس طرح پلٹتا ہے جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے:-

اب قبل اس کے کہ حج کے فائدے بیان کئے جائیں۔ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ فرض کیسا فرض ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران - ۱۰)

اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی شرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن دو حدیثوں سے ہوتی ہے:-

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔

جو شخص زادِ راہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے۔

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ

جس کو نہ تو کسی صریح حاجت نے

حَاجَۃٌ ظَاھِرَۃٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَابِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَھُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا۔

حج سے روکا ہو۔ نہ کسی ظالم سلطان نے۔ نہ کسی روکنے والے مرض نے۔ اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آ جائے۔ تو اسے اختیار ہے۔ خواہ یہودی بنکر مرے یا نصرانی بن کر۔

اور یہی کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی۔ جب کہا کہ "جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اُن پر جزیہ لگا دوں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسولؐ و خلیفہ رسولؐ کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا فرض نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادا کیجئے اور نہ چاہے تو ٹال دیجئے۔ بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ ہر اس مسلمان کو جو کعبہ تک جانے آنے کا خرچ رکھتا ہو۔ اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو۔ عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو اور خواہ اس کے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے

رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے پر سال پر سال یونہی گذارتے چلے جاتے ہیں۔ ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیئے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض اُن کے ذمہ ہے۔ دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں۔ کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گذر جاتے ہیں۔ جہاں سے مکّہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے اور پھر بھی حج کا ارادہ تک انکے دِل سے نہیں گذرتا تو وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ اُن کے دِل میں اگر مسلمانوں کا درد اُٹھتا ہو تو اُٹھا کرے۔ اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہر حال اُن کے دِل میں نہیں ہے۔

حج کے فائدے

قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حج کی عام منادی کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ "تاکہ لوگ آکر دیکھیں کہ اس حج میں اُن کے لئے کیسے کیسے فائدے ہیں"۔ یعنی یہ سفر کر کے اور اس جگہ جمع ہو کر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں گے کہ یہ انہیں کے نفع کے لئے ہے اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں۔ انکا اندازہ کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جبکہ آدمی یہ کام کر کے خود دیکھ لے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق روایت ہے کہ جب تک انہوں نے حج نہ کیا تھا۔ انہیں اس معاملہ میں تردّد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کونسی عبادت ہے مگر جب انہوں نے خود حج کر کے اُن بیحد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں تو بے تامل پکار اُٹھے کہ حج سب سے افضل ہے :-

اب میں مختصر الفاظ میں اس کے فائدے بیان کروں گا -

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسم کے سفروں سے واقف ہیں -
ایک وہ سفر جو روٹی کمانے کے لئے کیا جاتا ہے - دوسرا وہ جو
سیر و تفریح کے لئے کیا جاتا ہے - اِن دونوں قسم کے سفروں میں اپنی
غرض اور اپنی خواہش آدمی کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے - گھر چھوڑتا
ہے تو اپنی غرض کے لئے - بال بچوں اور عزیزوں سے جدا ہوتا ہے تو
اپنی خاطر - مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطلب
کے لئے لہٰذا اس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے مگر یہ سفر جس کا
نام حج ہے اسکا معاملہ سب سفروں سے بالکل مختلف ہے - یہ سفر
اپنی کسی غرض کے لئے یا اپنے نفس کی کسی خواہش کے لئے نہیں بلکہ
صرف اللہ کیلئے ہے اور اس فرض کو ادا کرنے کے لئے ہے - جو اللہ
نے مقرر کیا ہے - اس سفر پر کوئی شخص اسوقت تک آمادہ ہو ہی نہیں
سکتا - جب تک کہ اس کے دِل میں اللہ کی محبّت نہ ہو - اس کا
خوف نہ ہو اور اس کے فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو - پس جو
شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدّت کے لئے علیحدگی، اپنے عزیزوں
سے جدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ اور سفر
کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے - اس کا نکلنا خود اس بات

کی دلیل ہے کہ اس کے اندر خوفِ خدا اور محبّتِ خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی اور اس میں یہ طاقت موجود ہے کہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے۔ تکلیفیں اُٹھا سکتا ہے۔ اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی راہ میں قربان کر سکتا ہے ؎

پھر جب وہ ایسے پاک ارادہ سے سفر کے لئے تیار ہوتا ہے، تو اس کی طبیعت کا حال کچھ اَور ہی ہوتا ہے جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھڑک اُٹھا ہو اور جس کی لَو اُدھر لگ گئی ہو۔ اس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ لوگوں سے اپنا کہا سنا بخشواتا ہے۔ کسی کا حق اس پر آتا ہو تو اُسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے۔ تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لادے ہوئے نہ جائے۔ بُرائی سے اس کے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کے لئے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا وہ خدا کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی اتنا اس کے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو اس سے اذیّت نہ پہنچے۔ اور جس کی جتنی

خدمت یا مدد ہو سکے کرے۔ بد کلامی یا بیہودگی یا بے حیائی
یا بد دیانتی کرنے سے خود اس کی اپنی طبیعت اندر سے کتی
ہے۔ کیونکہ وہ خدا کے راستے میں جا رہا ہے۔ حرم الٰہی کا مسافر
ہو اور پھر بدکاریاں کرتا ہوا جائے۔ ایسی شرم کی بات کسی
سے کیسے ہو؟ اس کا تو یہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے۔ اس
عبادت کی حالت میں ظلم اور فسق کا کیا کام؟ پس دوسرے
تمام سفروں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس
کو پاک کرتا رہتا ہے اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا اصلاحی
کورس ہے جس سے لازماً ہر مسلمان کو گذرنا ہوتا ہے جو حج
کے لئے جائے ÷

سفر کا ایک حصّہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حد ایسی آتی
ہے۔ جس سے کوئی مسلمان جو مکّہ جانا چاہتا ہو۔ احرام باندھے
بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ احرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس
جس میں ایک تہ بند۔ ایک چادر اور جوتی کے سوا کچھ نہیں
ہوتا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو کچھ تم تھے سو تھے
مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں جانا ہے تو فقیر بن کر چلو ظاہر
میں بھی فقیر بنو اور دل کے بھی فقیر بننے کی کوشش کرو۔ رنگین

کپڑے اور آرائش کے لباس اُتارو۔ سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس بہن لو مو زے نہ پہنو۔ سر کھلا رکھو۔ خوشبو نہ لگاؤ۔ بال نہ بناؤ۔ ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرو۔ عورت مرد کا تعلق بند کردو۔ بلکہ ایسی حرکات وسکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس تعلق کا شوق یا اس کی یاد دلانے والی ہوں۔ شکار نہ کرو بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے سے بھی اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کروگے۔ تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑیگا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر بنے گا۔ کبر وغرور نکلے گا۔ مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی دنیا اور اس کی لذتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں تمہاری روح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہوں گی اور خدا پرستی کی کیفیت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی ؂

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں۔ جن کو وہ ہر نماز کے بعد اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت اور ہر پستی کی طرف اترتے وقت اور ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر صبح نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے پکارتا ہے وہ یہ ہیں۔

لَبَّيْكَ ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ۔ اِنَّ

اَلْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ - لَا شَرِيْكَ لَكَ -

یہ دراصل حج کی اس ندائے عام کا جواب ہے جو حکمِ الٰہی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔ ساڑھے چار ہزار برس ہوئے۔ جب اللہ کے اس مُناد نے پکارا تھا۔ کہ "اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ۔ زمین کے ہر گوشے سے آؤ۔ خواہ پیدل آؤ۔ خواہ سواریوں پر آؤ۔" جواب میں آجتک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہتا ہے۔ "میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں۔ حمد تیرے لئے ہے۔ نعمت تیری ہے۔ ملک تیرا ہے۔ کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں" اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خداپرستی کی اس تحریک کیساتھ جڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ سے ہٹ جاتا ہے۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ ادھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پکار رہے ہیں اور ادھر یہ جواب دے رہا ہے جواب دیا جاتا ہے۔ اور بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتا ہے۔ شوق کی کیفیت اور زیادہ طاری ہوتی جاتی ہے۔ ہر چڑھاؤ اور ہر اُتار پر اسکے کانوں

میں اللہ کی مُنادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے - ہر قافلہ اُسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اُسکا پیغام سُن کر پکارتا ہے "میں حاضر میں حاضر" ہر نئی صبح اس کے لئے گویا پیغام دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کی صدا لگانے لگتا ہے - غرض یہ بار بار کی صدا احرام کے اس فقیرانہ لباس، سفر کی اس حالت اور منزل بہ منزل کعبہ سے قریب تر ہوتے جانے کی اس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہے کہ حاجی عشقِ الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس اک یادِ دوست کے سوا "وہ آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا"

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہی سیدھا اس آستانے کی طرف رخ کرتا ہے - جس کی طرف بلایا گیا تھا - آستانِ دوست کو چومتا ہے - پھر اپنے عقیدے اپنے ایمان، اپنے دین و مذہب کے اس مرکز کے گرد چکر لگاتا ہے اور ہر چکر آستانہ بوسی سے شروع اور آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا جاتا ہے[۱] - اس کے بعد مقامِ ابراہیم پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے - پھر وہاں سے

[۱] حاشیہ صفحہ ۹۶

نکل کر کوہِ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پکار اُٹھتا ہے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ۔

"کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے۔ ہماری اطاعت صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو"

پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے گویا اپنی حالت سے اس کا ثبوت دے رہا ہے کہ یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اس کی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سعی کرتا رہے گا۔

حاشیہ صفحہ ۴۵۔ حجرِ اسود کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام نے آستانہ بوسی کے لئے اس جگہ کو معین کر لیا تھا۔ ورنہ بجائے خود اس پتھر میں کوئی بات نہیں کہ چومنے کے لئے کسی کی کچھ خصوصیت ہو۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اسکو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے۔ اگر رسول اللہؐ نے تجھے نہ چوما ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا:۔

اس سعی کے دوران میں کبھی اس کی زبان سے نکلتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اسْتَعْمِلْنِيْ بِسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَتَوَفَّنِيْ عَلٰى مِلَّتِهٖ وَاَعِذْنِيْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ۔

"خدایا مجھ سے کام لے۔ اسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے۔ اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا راستہ ہے اور زندگی میں مجھے بچا اُن فتنوں سے جو راہِ راست سے بھٹکانے والے ہیں"

اور کبھی کہتا ہے:۔

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ

پروردگار! معاف کر اور رحم کر۔ میرے قصوروں کو تو جانتا ہے۔ اُن سے درگذر فرما۔ تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کرم بھی سب سے بڑھ کر ؞

اس کے بعد وہ گویا اللہ کا سپاہی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اسکو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ ایک دن منیٰ میں پڑاؤ ہے دوسرے دن عرفات میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایات سنی جا رہی ہیں رات کو مزدلفہ میں جا کر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے۔ دن نکلتا ہے تو

منیٰ کی طرف کوچ ہوتا ہے اور وہاں اس ستون پر کنکریوں سے چاندماری
کی جاتی ہے۔ جہاں تک اصحاب فیل کی فوجیں کعبہ کو ڈھانے کے لئے
پہنچ گئی تھیں۔ ہر کنکری مارنے کیساتھ اللہ کا سپاہی کہتا جاتا ہے
اللہ اکبر رغماً للشیطان وحزبہ اور اللھم تصدیقاً
بکتابک واتباعاً لسنۃ نبیک کنکریوں کی اس چاندماری کا
مطلب یہ ہے کہ خدایا جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول نیچا کرنے
اُٹھے گا۔ بس اس کے مقابلہ میں تیرا بول بالا کرنے کے لئے یوں لڑونگا۔
پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہِ خدا میں خون بہانے کی نیت
اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔ پھر وہاں سے کعبہ کا رُخ کیا جاتا
ہے جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرکے ہیڈکوارٹر کی طرف سرخرو
واپس آرہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھل
جاتا ہے جو کچھ حرام کیا تھا وہ پھر حلال ہو جاتا ہے اور اب حاجی
کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے اس معمولی زندگی کی
طرف پلٹنے کے بعد حاجی منیٰ میں جاکر پھر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے
دن پتھر کے ان تین ستونوں پر باری باری کنکریوں سے پھر چاند
ماری کرتا ہے۔ جن کو جمرات کہتے ہیں اور جو در اصل اس ہاتھی والی
فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیدائش کے سال عین حج کے موقع پر اللہ کے گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا۔ تیسرے دِن پھر ان ستونوں پر سنگباری کرنے کے بعد حاجی مکہ پلٹتا ہے اور سات دفعہ اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے یہ طوافِ وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہو جانے کے ہیں ؛

یہ ساری تفصیل جو آپ نے سنی۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اس کی تیاری سے لیکر اپنے گھر واپس آنے تک دو تین مہینے کی مدت میں کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل اور دماغ پر پڑتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی ہے مال کی قربانی

لے عام طور پر مشہور ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو پیش آیا تھا یعنی حضرت سمٰعیل کی قربانی دینے وقت شیطان نے آپ کو بہکایا تھا اور اس کو آپ نے کنکریاں ماری تھیں یا جب حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیہ میں مینڈھا آپ کو قربانی کے لئے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا۔ اور اسکو آپ نے کنکریاں ماری تھیں لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی صلّی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے ؛

ہے - آرام و آسائش کی قربانی ہے - بہت سے دنیوی تعلقات
کی قربانی ہے - بہت سی نفسانی خواہشوں اور لذّتوں کی قربانی
ہے - اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے - کوئی ذاتی غرض اس میں شامل
نہیں - پھر اس سفر میں پرہیزگاری و تقویٰ کے ساتھ مسلسل
خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق و عشق کی جو کیفیت آدمی پر گذرتی
ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دِل پر چھوڑ جاتی ہے - جس کا اثر برسوں
دِل پر قائم رہتا ہے - پھر حرم کی سرزمین پر پہنچ کر قدم قدم پر انسان
ان لوگوں کے آثار دیکھتا ہے - جنہوں نے اللہ کی بندگی و
اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا - دنیا بھر سے لڑے مصیبتیں
اٹھائیں - جلاوطن ہوئے - ظلم پر ظلم سہے - مگر بالآخر اللہ کا کلمہ
بلند کر کے چھوڑا - اور ہر اس باطل قوت کا سر نیچا کر کے ہی دم لیا
جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرانا چاہتی تھی - ان
آیاتِ بینات اور ان آثارِ متبرکہ کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی
عزم و ہمّت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے شاید
کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا - پھر طواف کعبہ سے اس کو
مرکزِ دین کے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے اور مناسکِ حج میں
دوڑ دھوپ ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی جو مشق اسے

کرائی جاتی ہے۔ اِسے اگر آپ نماز اور روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لئے ہر اس مسلمان پر جو کعبہ تک جانے آنے کی قدرت رکھتا ہو حج لازم کر دیا گیا ہے تا کہ جہاں تک ممکن ہو۔ ہر زمانہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود رہیں جو اِس پوری ٹریننگ سے گذر چکے ہوں ؁

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر رہیں گے۔ جب تک یہ بات آپ کے پیش نظر نہ ہو کہ ایک ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج کرتے ہیں۔ پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ اس سے تو آپ کے سامنے صرف اتنی بات آئی ہے کہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر ہوتا ہے اب میں آئندہ مضمون میں آپکو بتاؤں گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے حج کا ایک وقت مقرر کر کے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجے بڑھا دیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہی ہے کہ یہ بیک کرشمہ

دو کا نہیں۔ بلکہ ہزار گنا نکال لے جاتا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنے ہی میں کچھ کم فائدے نہ تھے۔ مگر اس کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر اور امامت کا قاعدہ مقرر کر کے اور جمعہ و عیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اس کے فائدوں کو بیحد و حساب بڑھا دیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ مگر سب مسلمانوں کے لئے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کر کے اس کے فائدے اتنے بڑھا دیئے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ اگ[illegible] ہے میں بھی بہت سی [illegible]بیاں تھیں۔ مگر اس کے لئے بیت المال کا نظام مقرر کر کے اس کی منفعت اتنی بڑھا دی کہ آپ اس کا اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے۔ جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو اور آپ آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کر کے ایک انتظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت ہوتی ہے۔ یہی معاملہ حج کا بھی ہے کہ اکیلا اکیلا آدمی بھی حج کرے۔ تب بھی اس کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہو سکتا ہے مگر تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک ہی وقت میں مل کر حج کرنے کا قاعدہ مقرر کر کے تو اس کے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی ؎

حج کا عالمگیر اجتماع

آپ جانتے ہیں کہ ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں۔ ہر بستی میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں اور ہر سال ان میں سے بہت لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجئے کہ دنیا کے کونے کونے میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اٹھتی ہے۔ کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک رہتی ہے تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک مختلف جگہوں میں مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں اور ادھر محرم کے آخر سے صفر، ربیع الاول بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھ سات مہینہ کی مدت تک گویا

مسلسل تمام مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں وہ تو دینی کیفیت میں سرشار ہوتے ہی ہیں۔ مگر جو نہیں جاتے۔ انکو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے انکے گذرنے اور پھر واپسی پر انکا استقبال کرنے اور ان سے حج کے حالات سننے کی وجہ سے تھوڑا یا بہت اس کیفیت کا کچھ نہ کچھ حصّہ مل جاتا ہے ؁

جب ایک ایک حاجی حج کی نیّت کرتا ہے اور اس نیت کے ساتھ ہی اس پہ خوف خدا اور پرہیزگاری اور توبہ استغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہوتا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا شخص نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی طرف لو لگ جانے کی وجہ سے اس کا دِل پاک ہو رہا ہے تو اندازہ کیجئے کہ ایک ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا اور اگر ہر سال دنیا کے مختلف حصّوں میں ایک لاکھ آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لئے تیار ہوتے ہوں۔ تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی

ہو گی - پھر حاجیوں کے قافلے جہاں سے گذرتے - وہاں ان کو دیکھ کر، ان کو مل کر، ان کی لبیک لبیک کی آواز سن کر کتنوں کے دل گرما جاتے ہوں گے - کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہو گی اور کتنوں کی سوئی ہوئی روح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہو گی پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لئے ہوئے پلٹتے ہونگے اور لوگ اُن سے ملاقات کرتے ہوں گے - تو اُن کی زبانِ حال اور زبانِ قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سن کر کتنے بے شمار دینی حلقوں میں جذبات تازہ ہو جاتے ہوں گے ؎

پس اگر میں کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ جس طرح رمضانؐ مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے - اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے - اس طریقہ سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ انشاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالمگیر تحریک مٹ نہیں سکتی - دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی

بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے۔ مگر یہ کعبہ کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے۔ جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے۔ جب تک وہ حرکت کرتا رہے۔ آدمی مر نہیں سکتا۔ چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلنے کی طاقت نہ رکھتا ہوں۔ بالکل اسی طرح اسلامی دنیا کا یہ دل بھی ہر سال کی دور دراز رگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلانے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے۔ خواہ بیماریوں سے کتنا ہی زار و نزار ہو۔

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجئے کہ ادھر مشرق سے، ادھر جنوب سے، ادھر مغرب سے، ادھر شمال سے ان گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں۔ رنگ مختلف ہیں زبانیں مختلف ہیں مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد تک پہنچتے ہی اپنے اپنے قومی لباس اتار دیتے ہیں اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا

سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہوتے لگتا ہے کہ سلطانِ عالم اور شاہِ زمین و آسمان کی یہ فوج جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آرہی ہے۔ ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے ایک ہی کی اطاعت و بندگی کا نشان اس پر لگا ہوا ہے۔ ایک ہی کی وفاداری کے رشتے میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں اور ایک ہی دارالسلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے۔ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔ بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے۔ دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں اور سب کے سب نمازیں مل کر ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں۔ سب کا ایک یونیفارم سب کا ایک امام۔ سب کی ایک ہی حرکت، سب کی ایک ہی زبان میں نماز، سب ایک اللہ اکبر کے اشارے پر اٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدہ کرتے ہیں اور

سب اِسی ایک قرآن عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے یک زبان ہو کر لبیک لبیک کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں۔ جب قافلوں کے ایک دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں۔ جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کعبے پہنچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا، پھر سب کا ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سُننا۔ پھر سب کا مزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا۔ پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا۔ پھر سب کا متفق ہو کر جمرۂ عقبہ پر کنکریوں کی چاند ماری کرنا۔ پھر سب کا قربانیاں کرنا۔ پھر

سب کا ایک ساتھ کعبہ کی طرف پلٹ کر طواف کرنا۔ پھر سب کا ایک ہی مرکز کے گرداگرد نماز پڑھنا۔ یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے۔ جس کی نظیر دُنیا میں ناپید ہے ؛

پھر دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع اور وہ بھی ایسی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ ایسی ہم آہنگی کے ساتھ، ایسے پاک جذبات، پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ، حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں۔ مگر کس طرح ؟ میدانِ جنگ میں، گلے کاٹنے کے لئے۔ یا صلح کانفرنسوں میں، ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لئے یا مجلس اقوام میں تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے، فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا۔ نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا۔ قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا۔ خیالات اعمال اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا،

بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا - کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے ؟ دنیا میں امن قائم کرنے ، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبّت - دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لئے اِس سے بہتر نسخہ کِس نے تجویز کیا ہے ؟

اسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا - اس سے بڑھ کر یہاں اَور بہت کچھ ہے ؛

اس نے لازم کیا ہے کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لئے مقرّر کئے گئے ہیں - اِن میں کوشش کی جائے کہ کعبہ کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے - یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے اور اگر دنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھ میں ہوں تو کم از کم ایک سال کا تہائی حصّہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنگ اور غارت گری سے خالی رہ سکتا ہے ؛

اس نے دنیا کو ایک حَرَم دیا ہے جو قیامت تک کیلئے امن کا شہر ہے جسمیں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں - جس کی زمین کا کانٹا تک

نہیں توڑا جا سکتا۔ جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اُسے ہاتھ تک نہ لگاؤ ؎

اس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے۔ جسمیں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے۔ جس میں غلّہ کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک کر مہنگا کرنا "الحاد" کی حد تک پہنچ جاتا ہے جس میں ظلم کرنے والے کو اللہ نے دھمکی دی ہے نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ "ہم اسے دردناک سزا دیں گے"

اس نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ سَوَآءً نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ یعنی وہاں تمام اُن انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں۔ جو خدا کی پادشاہی اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رہنمائی تسلیم کر کے اسلام کی برادری میں داخل ہو جائیں۔ خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا یا چین کا یا ہندوستان کا۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو مکّہ کی زمین پر اس کے وہی حقوق ہیں، جو خود مکّہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقہ کی حیثیت گویا مسجد کی سی حیثیت ہے کہ جو شخص مسجد میں جا کر کسی جگہ اپنا ڈیرا جما دے۔ وہ جگہ اسی کی ہے۔ کوئی اسکو وہاں سے اُٹھا نہیں سکتا نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا

ہے۔ مگر وہ اس جگہ خواہ تمام عمر بیٹھا رہا ہو۔ اسے یہ کہنے کا حق نہیں
ہے کہ یہ جگہ میری ملک ہے نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے نہ کرایہ
وصول کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ شخص اس جگہ سے اُٹھ جائے
تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرہ جمانے کا ویسا ہی حق ہے۔ جیسا اس
کو تھا۔ بالکل یہی حال پورے مکہ کے حرم کا ہے ؎
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مکۃ مُناخٌ لمن
سبق۔ یعنی " جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آکر اتر جائے۔ وہ جگہ
اسی کی ہے" وہاں کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دے دیا تھا کہ اپنے
مکانات کے گرد صحنوں پر دروازے نہ لگاؤ۔ تاکہ جو چاہے۔
تمہارے صحن میں آکر ٹھہر سکے۔ بعض فقہائے تو یہاں تک کہا۔ کہ
شہر مکہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت
میں منتقل ہو سکتے ہیں ؎

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں۔
یہ ہے وہ حج جس کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اسے کر کے دیکھو
اس میں تمہارے لئے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت
نہیں کہ اس کے سارے منافع گنا سکوں۔ تاہم اس کے

فائدوں کا ذرا سا خاکہ جو میں نے پیش کیا ہے۔ اِسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے؟

مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دِل کی باتیں بھی سُن لو! تم نسلی مسلمانوں کا حال اس بچّے کا سا ہے جو ہیرے کی کان میں پیدا ہوا ہو۔ ایسا بچّہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھیلتا ہے تو ہیرے اس کی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمہاری بھی ہے کہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے۔ جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں اور تکلیفیں اُٹھا رہی ہے اور جن کی تلاش میں حیران و سرگردان ہے۔ وہ نعمتیں تم کو مفت میں، بغیر کسی تلاش و جستجو کے۔ صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ کلمۂ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسئلوں کو سلجھا کر ایک صاف سیدھا راستہ بنا دیتا ہے۔ بچپن سے تمہارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزے کے وہ کیمیا سے زیادہ قیمتی نسخے جو آدمی کو جانور سے انسان بناتے ہیں اور انسانوں کو ایک دوسرے کا بھائی، ہمدرد اور دوست بنانے کے لئے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہو سکے

ہیں۔ تم کو آنکھ کھولتے ہی خود بخود باپ دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے مثل ترکیب جس سے محض دِلوں ہی کی ناپاکی دور نہیں ہوتی۔ بلکہ دنیا کی مالیات کا نظام بھی درست ہو جاتا ہے جس سے محروم ہو کر تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دُنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگے ہیں۔ تمہیں وہ اس طرح مِل گئی۔ جیسے کسی حکیم حاذق کے بچّے کو بغیر محنت کے وہ نسخے مِل جاتے ہیں جنہیں دوسرے لوگ ڈھونڈھتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا وہ عظیم الشان طریقہ بھی جس کا آج دنیا میں کوئی جواب نہیں ہے جس سے زیادہ طاقتور ذریعہ کسی تحریک کو چار دانگ عالم میں پھیلانے اور ابد الآباد تک زندہ رکھنے کے لئے آجتک دریافت نہیں ہو سکا ہے جس کے سوا آج دنیا میں کوئی عالمگیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر خدائے واحد کے نام پر ایک مرکز پہ جمع کر دے۔ اور بیشمار نسلوں اور قوموں کو ایک خداپرست، نیک نیت، خیرخواہ برادری میں پیوست کر کے رکھ دے۔ ہاں ایسا بے نظیر طریقہ بھی، تمہیں بغیر جستجو کے بنا بنایا اور صدہا برس سے چلتا ہوا مِل گیا۔ مگر تم نے اِن نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی۔ کیونکہ آنکھ

کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں ہاتھ آگئیں۔ اب تم ان سے بالکل اسیطرح کھیل رہے ہو۔ جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچّہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انہیں کنکر سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جس بُری طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو ضائع کر رہے ہو۔ اسکا نظارہ دیکھ کر دِل جل اُٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوت برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جواہرات کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کر سکے؟ تم نے یہ شعر تو سنا ہی ہوگا کہ

خرِ عیسےٰ اگر بہ مکّہ رود   چوں بیاید ہنوز خر باشد

یعنی گدھا، خواہ عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو۔ مکّہ کی زیارت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اگر وہ وہاں ہو آئے۔ تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہے گا ؛

نماز روزہ ہو یا حج۔ یہ سب چیزیں سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی تربیت کے لئے ہیں۔ جانوروں کو سدھارنے کے لئے نہیں ہیں۔ جو لوگ نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھیں نہ ان کے مدعا سے کچھ غرض رکھیں نہ اُس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کریں جو ان عبادتوں میں بھرا ہوا ہے۔ بلکہ جن

کے دماغ میں ان عبادتوں کے مقصد و مطلب کا سرے سے
کوئی تصور ہی نہ ہو۔ وہ اگر ان اشکال کی نقل اس طرح اتار دیا
کریں کہ جیسے اگلوں کو کرتے دیکھا۔ ویسا ہی خود بھی کر دیا۔ تو اس
سے آخر کس نتیجہ کی توقع کی جا سکتی ہے؟ بدقسمتی سے عموماً آجکل
کے مسلمان اسی طریقہ سے ان افعال کو ادا کر رہے ہیں۔ ہر عبادت
کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے۔ ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں
مگر وہ شکل روح سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر
سال ہزارہا زائرین مرکز اسلام کی طرف جاتے ہیں اور حج سے
مشرف ہو کر پلٹتے ہیں مگر نہ جاتے وقت ہی ان پر وہ اصلی کیفیت
طاری ہوتی ہے جو ایک مسافر حرم میں ہونی چاہیئے۔ نہ وہاں سے
واپس آکر ہی ان میں کوئی اثر حج کا پایا جاتا ہے اور نہ اس سفر
کے دوران میں وہ ان آبادیوں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر
اپنے اخلاق کا کوئی اچھا نقش بٹھاتے ہیں۔ جن سے ان کا گذر
ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوتے
ہیں۔ جو اپنی گندگی۔ بے تمیزی اور اخلاقی پستی کی نمائش کر کے
اسلام کی عزت کو بٹہ لگاتے ہیں۔ ان کی زندگی دیکھ کر بجائے
اس کے کہ دین کی بزرگی کا سکہ غیروں پر جمے۔ خود اپنوں کی

نگاہوں میں بھی وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اس حج کا فائدہ تو ہمیں سمجھاؤ۔ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اس کی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اس کے فائدوں کو علانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ ملک ملک اور شہر شہر سے گذرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں۔ جہاں جہاں ٹھہریں اور جہاں جہاں سے گذریں۔ وہاں اپنی تحریک کا نہ صرف زباں سے پرچار کریں بلکہ اپنے احرام کے یونیفارم سے اور اپنی احرام بند زندگی سے اُس کا پورا پورا مظاہرہ بھی کر دیں اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال بسال چلتا رہے۔ بھلا غور تو کیجئے۔ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اس کے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم اگر یہ کام صحیح طریقہ پر ہوتا تو اندھے تک اس کے فائدے دیکھتے۔ بہروں کے کانوں میں بھی اس کے فائدے پہنچ جاتے۔ ہر سال کا حج ہزاروں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی

بزرگی کا سکہ بٹھا دیتا۔ مگر برا ہو جہالت کا۔ جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر کتنی بیش قیمت چیز کس بری طرح ضائع ہو رہی ہے ؛

حج کے پورے فائدے حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ مرکز اسلام میں کوئی ایسا ہاتھ ہوتا۔ جو اس عالمگیر طاقت سے کام لیتا۔ کوئی ایسا دل ہوتا جو ہر سال تمام دنیا کے جسم میں صالح خون دوڑاتا ہے۔ کوئی ایسا دماغ ہوتا جو ان ہزاروں لاکھوں خداداد قاصدوں کے واسطے سے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا اور کچھ نہیں تو اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا ایک مکمل نمونہ موجود ہوتا اور ہر سال دنیا کے مسلمان وہاں سے صحیح دینداری کا تازہ سبق لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ مدتہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ نالائق حکمران اپنے دین کے مرکز میں رہنے والوں کو ترقی دینے کے بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہوں نے اہل عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کے چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا۔ آج اسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے

جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے نہ اسلامی اخلاق ہیں نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دُور دُور سے بڑی گہری عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دُنیا پرستی، بد اخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کی بجائے اور اُلٹا کھو آتے ہیں۔ وہی پُرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلّط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آ کر ختم کیا تھا۔ اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرم کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لئے جائداد بن گیا ہے اور اس گھر سے عقیدت رکھنے والوں کو وہ آسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ آسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں۔ ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلّالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکّہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے آسامیوں کو گھیر کر لائے

قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سُنا سُنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے نہ اس لئے کہ انہیں خدا کا عائد کیا ہُوا فرض یاد دلایا جائے بلکہ صرف اس لئے کہ ان احکام کو سن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے۔ گویا اللہ اور اس کے رسولؐ نے یہ سارا کاروبار انہی مہنتوں اور ان کے دلّالوں کی پرورش کے لئے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلّم، مُطوِّف، وکیلِ مطوّف، کلید بردارِ کعبہ اور خود حکومتِ حجاز سب اس تجارت میں حصہ دار ہیں۔ حج کے سارے مناسک معاوضہ لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ تک فیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اس دین کے نام نہاد خدمتگذاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے۔ جس نے مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو۔ جہاں عبادت گاہوں کو ذریعۂ آمدنی بنا لیا گیا ہو۔ جہاں احکام

Page ۸۱ पिमका ६३आ६

الٰہی کو اس غرض کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجا لانے کے لئے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر ان کی جیبوں سے روپیہ گھسیٹا جائے۔ جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لئے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو۔ ایسی جگہ عبادت کی روح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی، اخلاقی و روحانی فائدے حاصل ہوں گے۔ جب یہ سارا کام ایک طرف سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو؟

اس ذکر سے میرا مقصد کسی کو الزام دینا نہیں ہے۔ بلکہ صرف لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ حج جیسی عظیم الشان طاقت کو آج کن چیزوں نے قریب قریب بالکل بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ غلط فہمی کسی کے دل میں نہ رہنی چاہیئے کہ اسلام میں اور اس کے جاری کئے ہوئے طریقوں میں کوئی کوتاہی ہے۔ نہیں۔ کوتاہی دراصل اُن لوگوں میں ہے جو اسلام کی صحیح پیروی نہیں کرتے۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ جو طریقے تم کو انسانیت
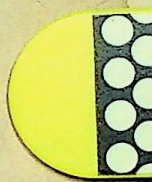
فہرست
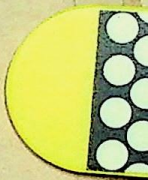
جہاد کا مقصد

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر بحث کرتے ہوئے اپنے مضامین میں میں نے بار بار اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ عبادات جنہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور اسلام کا رکن قرار دیا ہے۔ دوسرے مذہبوں کی عبادات کی طرح محض پوجا پاٹ اور نذر نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ اُن کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے گا۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کے لئے آپ کو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کے لئے آپ کی تربیت کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ چونکہ میں اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو کافی تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر چکا ہوں اس لئے اب یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مقصد کیا ہے۔ جس کے لئے

یہ ساری تیاری ہے ؎

مختصر الفاظ میں تو صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ مقصد انسان پر سے غیر اللہ کی حکومت مٹا کر صرف اللہ کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام جہاد ہے اور نماز، روزہ، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لئے ہیں لیکن چونکہ مسلمان مدتہائے دراز سے اس مقصد کو اور اس کام کو بھول چکے ہیں اور ساری عبادتیں اُن کے لئے محض تصوف بن کر رہ گئی ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس ذرا سے فقرے میں جو مطلب میں نے ادا کیا ہے۔ اُسے آپ ایک معمّے سے زیادہ نہ سمجھے ہوں گے۔ اچھا تو آئیے۔ اب میں آپ کے سامنے اس مقصد کی تشریح کروں ؎

دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں۔ اُن سب کی جڑ در اصل حکومت کی خرابی ہے۔ طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے۔ انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہذا جو خرابی

لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تو حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پہ آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلے سے ہو رہا ہے اور علانیہ کوٹھوں پہ یہ کاروبار جاری ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اُن کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلے سے چل نہیں سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سود خواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مالدار لوگ غریبوں کا خون چوسے چلے جا رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حکومت خود سود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے۔ اس کی عدالتیں سود خواروں کو ڈگریاں دیتی ہیں اور اسی کی حمایت ہی کے بل پہ یہ بڑے بڑے ساہوکارے اور بنک چل رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ کس لئے؟

محض اس لئے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں۔ جو آپ کو نظر آ رہے ہیں کسی دوسرے طرز کی تعلیم و تربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار بھی کر دیں تو وہ کھپیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضہ میں ہیں آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے حد و حساب خونریزی ہو رہی ہے۔ انسان کا علم اس کی تباہی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کئے جا رہے ہیں اور بیش قیمت جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جا رہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بدنفس تھے - وہ دنیا کی قوموں کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک ہیں - قوت ان کے ہاتھ میں ہے - اس لئے وہ دنیا کو جدھر چلا رہے ہیں اسی طرف دنیا چل رہی ہے۔ علم، دولت، محنت، جان، ہر چیز کا جو صرف انہوں نے تجویز

کیا ہے - اسی میں ہر چیز صرف ہو رہی ہے - آپ دیکھتے ہیں
کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے - کمزور کے لئے کہیں انصاف
نہیں - غریب کی زندگی دشوار ہے - عدالتیں بنئے کی دکان
بنی ہوئی ہیں - جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف
خریدا جا سکتا ہے - لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول
کیئے جاتے ہیں اور افسروں کی شاہانہ تنخواہوں پر - بڑی
بڑی عمارتوں پر ، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی ہی دوسری
فضول خرچیوں پر اڑا دیئے جاتے ہیں - ساہوکار - زمیندار
راجہ اور رئیس ، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار
عمائدین ، گدی نشین پیر اور مہنت - سینما کمپنیوں کے
مالک ، شراب کے تاجر - فحش کتابیں اور رسالے شائع
کرنے والے ، جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی
بہت سے لوگ خلق خدا کی جان ، مال ، عزت ، اخلاق
ہر چیز کو تباہ کر رہے ہیں - اور کوئی ان کو روکنے والا
نہیں - یہ سب کیوں ہو رہا ہے ؟ یہ اس لئے کہ حکومت
کی کل بگڑی ہوئی ہے - طاقت جن کے ہاتھوں میں ہے - وہ
خراب ہیں - وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ

بھی دیتے ہیں اور جو بھی ظلم ہوتا ہے۔ اِس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اُس کے ہونے کے خواہش مند یا کم از کم روادار ہیں ۞

اِن مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا۔ اخلاق کا بگڑنا۔ انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بُرے طور طریق کا رواج پانا۔ ظلم و ستم اور بد افعالیوں کا پھیلنا اور خلقِ خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہوں ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور جب خلقِ خدا کا رزق انہی کے تصرف میں ہوگا۔ تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے۔ بلکہ بگاڑ کی ہر صورت ان کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی۔ اور جب تک اختیارات اُن کے قبضہ میں رہیں گے۔ کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہوگئی۔ تو یہ سمجھنا آپ

کے لئے آسان ہے کہ خلقِ خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستہ سے بچاکر فلاح اور سعادت کے راستہ پر لانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو۔ وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کیا جائے۔ زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے۔ تو لوگ خود حرام کے راستہ کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کر لیں گے شراب، جوا، سود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم، اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ بلائیں دور کی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ خلقِ خدا کو لوٹتے اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں اُن کو آپ محض پند و نصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھو لیں۔ تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بجبر ان کی شرارتوں کا خاتمہ کر دیں۔ تو ان

ساری خرابیوں کا انسداد ہو سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگانِ خدا کی محنت، دولت، ذہانت و قابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو۔ اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو۔ اگر آپ چاہیں۔ کہ زمین میں فساد نہ ہو۔ انسان انسان کا خون نہ چوسے۔ نہ بہائے۔ دبے اور گرے ہوئے انسان اُٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزّت، امن، خوشحالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔ تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ البتہ حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ جس کو سمجھنے کے لئے کچھ بہت زیادہ غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لئے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اسے اُٹھنا چاہیئے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے، غلط

کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیئے ؛

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھئے آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بندگانِ خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں ۔ اُن کی جڑ حکومت کی خرابی ہے اور اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے ۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے ؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے اور اس میں کون سی بنیادی اصلاح کی جائے ۔ کہ وہ برائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ؛

اس کا جواب یہ ہے کہ جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ انسان پر خدا کی حکومت ہو ۔ . . . اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سن کر آپ تعجب نہ کریں ۔ اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپ کو ملیگا ۔ ذرا غور تو کیجئے ۔ یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں ۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی ؟ یہ انسان جو زمین پر بستے

ہیں۔ ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بے شمار اسبابِ زندگی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انہیں خدا نے مہیا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک خدا کا ہے۔ دولت خدا کی ہے اور رعیت بھی خدا کی ہے۔ پھر جب یہ معاملہ ہے تو آخر کوئی دوسرا اس کا حقدار کیسے ہو گیا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ خدا کی رعیت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ ملک کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا چلے۔ ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے۔ رعیت کسی کی ہو اور اس پر فرمانروائی کوئی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کر سکتی ہے؟ ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے۔ اس لئے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے۔ جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور

حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں اور کچھ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اول تو ان کے پاس اتنا علم ہی نہیں ہوتا۔ کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لئے صحیح قاعدے اور قانون بنا سکیں۔ اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وہ شتر بے مہار بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو اور جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اُوپر کوئی نہیں۔ جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو۔ وہ طاقت اور اختیارات پا کر شتر بے مہار نہ بنے گا تو اور کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں۔ جب لوگوں کی جانیں اور مال اس کی مٹھی میں ہوں۔ جب ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں۔ تو وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ حق مارنے۔ حرام

کھاتے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص خود بھی سیدھے رستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھا چلائے ہرگز ہرگز نہیں - ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے - ہزارہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے - آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں - کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جوابدہی سے غافل ہیں - وہ اختیارات پاکر کس قدر ظالم، خائن اور بدراہ ہو جاتے ہیں ۞

لہذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو - اس حکومت کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں - بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کرکے اس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخرکار اس امانت کا حساب اُس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے - حکومت کا قانون اس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے - اس قانون کو

بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہوں تاکہ وہ انسانوں کی جہالت اور خودغرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائے ؛

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے۔ جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کرلیں اور اس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ ایمان لے آئیں۔ ان سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اس کا قانون جاری کرنے کے لئے اُٹھیں۔ اس کی رعیت میں سے جو لوگ باغی ہوگئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں اُن کا زور توڑ دیں اور اللہ کی رعیت کو دوسروں کی رعیت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو برحق مان لیا۔ نہیں۔ اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض بھی تم پر عائد ہو جاتا ہے۔ کہ جہاں بھی تم ہو۔ جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو۔ وہاں خلق خدا کی اصلاح کے لئے اُٹھو۔ حکومت کے غلط اصول

کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو۔ ناخدا ترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو اور بندگان خدا کی سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق، آخرت کی ذمہ داری و جواب دہی اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حکومت کے معاملات انجام دو۔ اِسی کوشش اور اسی جد و جہد کا نام جہاد ہے۔

لیکن حکومت اور فرمانروائی جیسی کچھ بد بلا ہے۔ ہر شخص اس کو جانتا ہے۔ اس کے حاصل ہونے کا خیال کرتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اُٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشات نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلقِ خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ آجانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندۂ خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے۔ پھر بھلا فائدہ ہی کیا۔ اگر فرعون کو ہٹا کر تم خود فرعون بن گئے؟ لہٰذا اس شدید آزمائش کی طرف بلانے سے پہلے اسلام تم کو اس کے لئے تیار کرنا ضروری

سمجھتا ہے۔ تم کو حکومت کا دعویٰ لے کر اُٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا۔ جب تک تمہارے دِل سے خود غرضی اور نفسانیت نکل نہ جائے۔ جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے۔ کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی اغراض کے لئے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خلق اللہ کی اصلاح کے لئے ہو اور جب تک تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ ہو جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو تمہیں اس کا مستحق نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمہیں خلقِ خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے اور پھر تم خدا اور رسول کا نام لے کر وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کے لئے تم کو حکم دیا جائے۔ اسلام یہ ضروری سمجھتا ہے کہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو سہار سکو ۔

یہ نماز اور روزہ اور یہ زکوٰۃ اور حج دراصل اسی تیاری

اور تربیت کے لئے ہیں جس طرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی اپنی فوج۔ پولیس اور سول سروس کے لئے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں۔ پھر اُن سے کام لیتی ہیں اسی طرح اسلام بھی اُن تمام آدمیوں کو جو اس ملازمت میں بھرتی ہوں۔ پہلے خاص طریقہ سے تربیت دینا ہے۔ پھر اُن سے جہاد اور حکومت الٰہی کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کی سلطنتوں کو اپنے آدمیوں سے جو کام لینا ہوتا ہے۔ اس میں اخلاق اور نیک نفسی اور خدا ترسی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ انہیں صرف کارداں بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ خواہ وہ کیسے ہی زانی۔ شرابی۔ بے ایمان اور بدنفس ہوں۔ مگر اسلام کو جو کام اپنے آدمیوں سے لینا ہے۔ وہ چونکہ سارا کا سارا ہے ہی اخلاقی کام اس لئے وہ انہیں کارداں بنانے سے زیادہ اہم اس بات کو سمجھتا ہے کہ انہیں خدا ترس اور نیک نفس بنائے۔ وہ اُن میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جب وہ زمین میں خدا کی حکومت قائم کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھیں تو اپنے دعویٰ کو سچا کر کے دکھا سکیں۔ وہ لڑیں تو اس لئے نہ لڑیں کہ انہیں

خود اپنے واسطے مال و دولت و زمین درکار ہے۔ بلکہ ان کے عمل سے ثابت ہو جائے کہ ان کی لڑائی خالص خدا کی رضا کے لئے اور اس کے بندوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہے۔ وہ فتح پائیں تو متکبر اور سرکش نہ ہوں بلکہ اُن کے سر خدا کے آگے جھکے ہوئے ہوں وہ حاکم بنیں تو لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں بلکہ خود بھی خدا کے غلام بن کر رہیں اور دوسروں کو بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ رہنے دیں۔ وہ زمین کے خزانوں پر قابض ہوں تو اپنی یا اپنے خاندان والوں یا اپنی قوم کے لوگوں کی جیبیں نہ بھرنے لگیں بلکہ خدا کے رزق کو اس کے بندوں پر انصاف کے ساتھ تقسیم کریں اور ایک سچے امانت دار کی طرح یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ کوئی آنکھ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہی ہے۔ اور اُوپر کوئی ہے۔ جسے ہم کو ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔ اِس تربیت کے لئے ان عبادتوں کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہیں ہے اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے۔ تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں، اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو۔ لڑ کر خدا کے باغیوں

کو حکومت سے بے دخل کر دو - اور حکمرانی کے اختیارات اپنے
ہاتھ میں لے لو ۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولیس، عدالت، جیل،
تحصیلداری ٹیکس کلکٹری، اور تمام دوسرے سرکاری کام
ایسے اہلکاروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب
کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جواب دہی کا
خیال رکھنے والے ہوں اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے
اور ضابطے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں جس
میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے اور
جہاں بدی و بدکاری کی ہر صورت کا بروقت تدارک کر دیا
جائے اور نیکی و نیکوکاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے
اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کے لئے مستعد رہے
ایسی جگہ خلق خدا کی بہتری کا کیا حال ہوگا - پھر آپ ذرا غور
کریں - تو یہ بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آجائیگی
کہ ایسی حکومت جب کچھ مدت تک کام کر کے لوگوں کی بگڑی
ہوئی عادتوں کو درست کر دے گی - جب وہ حرام خوری
بدکاری، ظلم، بے حیائی اور بد اخلاقی کے سارے رستے بند

کر دے گی۔ جب وہ غلط قسم کی تعلیم و تربیت کا انسداد کر کے صحیح تعلیم و تربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کر دے گی اور جب اس کے ماتحت عدل و انصاف۔ امن و امان اور نیک اطواری و خوش اخلاقی کی پاک صاف فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا۔ تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخدا ترس لوگوں کی سرداری میں مدتہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہو گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہو جائیں گی۔ وہ دِل جن پر صدیوں تک بداخلاقیوں کے درمیان گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صاف ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اس وقت لوگوں کے لئے اس سیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ بھی مشکل نہ رہے گا کہ حقیقت میں اللہ ہی ان کا خدا ہے اور اس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں۔ اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر سچے تھے۔ جن کے ذریعہ سے ایسے صحیح قوانین ہم کو مِلے۔ آج جس بات کو

لوگوں کے دماغ میں اُتارنا سخت مشکل نظر آتا ہے۔ اس وقت وہ بات خود دماغوں میں اترنے لگے گی۔ آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جا سکتا۔ اس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھ میں آئے گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی ہی نہ تھی۔ جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑے ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے اور خدا کے بنائے ہوئے طریقوں پر اس دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے۔ ان کے لئے خدا کی توحید اور اس کے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح جیسے پھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کر لینے کے بعد پھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر و شرک پر اڑے رہنے کے لئے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہو گی اور مشکل سے ہزار میں دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے جن میں اتنی زیادہ ہٹ دھرمی موجود ہو ۞

اب مجھے اُمید ہے کہ تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ یہ نماز اور روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ کس غرض کے لئے ہیں۔ تم اب تک یہ سمجھتے رہے ہو اور مدّتوں سے تم کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ یہ عبادتیں محض پوجا پاٹ کی قسم کی چیزیں ہیں۔ تمہیں بتایا ہی نہیں گیا۔ کہ یہ ایک بڑی خدمت کی تیاری کے لئے ہیں۔ اسی وجہ سے تم بغیر کسی مقصد کے اِن رسموں کو ادا کرتے رہے اور اِس کام کے لئے کبھی تیار ہونے کا خیال تک تمہارے دلوں میں نہ آیا۔ جس کے لئے دراصل انہیں مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جس دِل میں جہاد کی نیت نہ ہو اور جس کے پیشِ نظر جہاد کا مقصد نہ ہو۔ اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔ اِن بے معنی عبادت گذاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرب نصیب ہوتا ہے۔ تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لوگے کہ انہوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا!

جہاد کی اہمیت

اس سلسلہ کے ابتدائی رسالوں میں "دین"۔ "شریعت" اور "عبادت" کی اصطلاحوں کا مفہوم تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ لہذا یہاں اُن کے معنی کی طرف ایک اشارہ کافی ہوگا :-

دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔
شریعت کو قانون کہتے ہیں
عبادت سے مراد بندگی ہے۔

جب آپ کسی کی اطاعت میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تو گویا آپ نے اس کا دین قبول کر لیا۔ پھر جب وہ آپ کا حاکم ہوا اور آپ اس کی رعایا بن گئے۔ تو اس کے احکام اور اس کے مقرر ہوئے ضابطے آپ کیلئے قانون

باشریعت ہوں گے . . . اور جب آپ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے جو کچھ وہ طلب کرے گا۔ حاضر کر دیں گے جس بات کا وہ حکم دے گا۔ اُسے بجا لائیں گے۔ جن کاموں سے وہ منع کریگا اُن سے رُک جائیں گے۔ جن حدود کے اندر رہ کر کام کرنا وہ آپ کے لیئے جائز ٹھہرائے گا۔ انہی کے حدود کے اندر آپ رہیں گے اور اپنے آپس کے تعلقات و معاملات اور مقدموں اور قضیوں میں اسی کی ہدایت پر چلیں گے اور اسی کے فیصلہ پر سر جھکائیں گے تو آپ کے اس رویہ کا نام بندگی یا عبادت ہوگا ؁

اِس تشریح سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین دراصل حکومت کا نام ہے۔ شریعت اس حکومت کا قانون ہے اور عبادت اس کے قانون اور ضابطہ کی پابندی ہے۔ جس کسی کو حاکم مان کر اس کی محکومی قبول کرتے ہیں۔ دراصل آپ اس کے دین میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا وہ حاکم اللہ ہے تو آپ دین اللہ میں داخل ہوئے۔ اگر وہ کوئی بادشاہ ہے۔ تو آپ دین بادشاہ میں داخل ہوئے۔ اگر وہ کوئی

خاص قوم ہے تو آپ اسی قوم کے دین میں داخل ہوئے اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپ کے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دینِ جمہور میں داخل ہوئے - غرض جس کی اطاعت کا قلاوہ بھی آپ کی گردن میں ہے - فی الواقع اس کے دین میں آپ ہیں اور جس کے قانون پر بھی آپ عمل کر رہے ہیں - دراصل اسی کی عبادت کر رہے ہیں ⁂

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو بغیر کسی وقت کے یہ سیدھی سی بات بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے دو دین کسی طرح نہیں ہو سکتے ہیں - کیونکہ مختلف حکمرانوں میں سے بہرحال ایک ہی کی اطاعت آپ کر سکتے ہیں - مختلف قانونوں میں سے بہرحال ایک ہی قانون آپ کی زندگی کا ضامن بن سکتا ہے اور مختلف معبودوں میں سے ایک ہی کی عبادت کرنا آپ کے لئے ممکن ہے - آپ کہیں گے کہ ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ عقیدے میں ہم ایک کو حاکم مانیں اور واقعہ میں اطاعت دوسرے کی کریں - اور بندگی دوسرے کی بجا لائیں - اپنے دل میں عقیدہ ایک قانون پر رکھیں اور واقعہ میں ہماری زندگی کے سارے معاملات دوسرے کے قانون کے مطابق چلتے رہیں

میں اس کے جواب میں عرض کروں گا۔ بے شک یہ ہو تو سکتا
ہے اور سکتا کیا معنی ہو ہی رہا ہے۔ مگر یہ ہے شرک۔ اور یہ
شرک سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ حقیقت میں
تو آپ اسی کے دین پر ہیں جس کی اطاعت واقعی آپ کر
رہے ہیں۔ پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہے کہ جس کی اطاعت
آپ نہیں کر رہے ہیں۔ اس کو اپنا حاکم اور اس کے دین
کو اپنا دین کہیں؟ اور اگر زبان سے آپ ایسا کہتے بھی
ہیں یا دل میں ایسا سمجھتے بھی ہیں تو اس کا فائدہ اور اثر کیا
ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں
بالکل ہی بے معنی ہے۔ جب کہ آپ کی زندگی کے تمام معاملات
اس کی شریعت کے دائرہ سے نکل گئے ہوں اور کسی دوسری
شریعت پر چل رہے ہوں۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کو معبود
مانتے ہیں اور آپ کا اپنے ان سروں کو جو گردنوں پر رکھے
ہوئے ہیں۔ سجدہ میں اس کے آگے زمین پر ٹیک دینا۔ بالکل
ایک مصنوعی فعل بن کر رہ جاتا ہے۔ جب کہ آپ واقع میں
بندگی دوسرے کی کر رہے ہیں۔ جس کے حکم کی آپ تعمیل
کرتے ہیں۔ جس کے منع کرنے سے آپ رکتے ہیں جس کی

قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر آپ کام کرتے ہیں۔ جس کے مقرر کئے ہوئے طریقوں پر آپ چلتے ہیں۔ جس کے ضابطہ کے مطابق آپ دوسروں کا مال لیتے اور اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں۔ جس کے فیصلوں کی طرف آپ اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں۔ جس کی شریعت پر آپ کے باہمی تعلقات کی تنظیم اور آپ کے درمیان حقوق کی تقسیم ہوتی ہے اور جس کی طلبی پر آپ اپنے دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں کی ساری قوتیں، اور اپنے کمائے ہوئے مال اور آخرکار اپنی جانیں تک پیش کر دیتے ہیں۔ پس اگر آپ کا عقیدہ کچھ ہو اور واقعہ اس کے خلاف ہو تو اصل چیز واقعہ ہی ہوگا عقیدے کے لئے اس صورت میں سرے سے ہی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ نہ ایسے عقیدے کا کوئی وزن ہی ہوگا۔ اگر واقعہ میں آپ دین بادشاہ پر ہوں تو اس میں دین اللہ کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اگر واقعہ میں دین جمہور پر ہوں یا دین انگریز یا دین جرمن یا دین ملک و وطن پر ہوں تو اس میں بھی دین اللہ کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی اور اگر فی الواقعہ آپ دین اللہ پر ہوں تو اسی طرح اس میں بھی کسی دوسرے دین کے لئے

کوئی جگہ نہیں ہو سکتی - بہرحال یہ خوب سمجھ لیجئے کہ شرک جہاں بھی ہوگا - جھوٹ ہی ہوگا ٭

یہ نکتہ بھی جب آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے - کہ دین خواہ کوئی سا بھی ہو - لامحالہ اپنی حکومت چاہتا ہے دین جمہوری ہو یا دین بادشاہی - دین اشتراکی ہو یا دین الٰہی یا کوئی اور دین - بہرحال ہر دین کو اپنے قیام کے لئے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے - حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے - جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپ کے دماغ میں ہو - مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو - اس دماغی نقشے کے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے - جبکہ آپ رہیں گے اس عمارت میں جو فی الواقع موجود ہوگی ؟ اسی کے دروازے میں آپ داخل ہونگے اور اسی کے دروازے سے نکلیں گے - اسی کی چھت اور اسی کی دیواروں کا سایہ آپ پر ہوگا - اسی کے نقشے پر آپ کو اپنی سکونت کا سارا انتظام کرنا ہوگا - پھر بھلا ایک نقشہ کی عمارت میں رہتے ہوئے آپ کا کسی دوسرے طرز یا دوسرے نقشے کی عمارت اپنے ذہن میں رکھنا یا اس کا محض معتقد ہو

جانا آخر معنی ہی کیا رکھتا ہے؟ وہ خیالی عمارت آپ کے ذہن میں ہوگی اور آپ خود اس واقعی عمارت کے اندر ہونگے جو زمین پر بنی ہوئی ہے - عمارت کا لفظ دماغ والی عمارت کے لئے تو کوئی بولتا نہیں ہے نہ ایسی عمارت میں کوئی رہ سکتا ہے - جس کی بنیادیں زمین میں ہوں اور جس کی چھت اور دیواریں زمین پر قائم ہوں - بالکل اسی مثال کے مطابق کسی دین کے حق ہونے کا محض اعتقاد کوئی معنی نہیں رکھتا - اور ایسا اعتقاد لاحاصل ہے جبکہ لوگ ایک دوسرے دین میں زندگی بسر کر رہے ہوں جس طرح خیالی نقشے کا نام عمارت نہیں ہے - اسی طرح خیالی دین کا نام بھی دین نہیں ہے اور خیالی عمارت کی طرح کوئی شخص خیالی دین میں بھی نہیں رہ سکتا - دین وہی ہے - جس کا اقتدار زمین میں قائم ہو جس کا قانون چلے اور جس کے ضابطہ پر زندگی کے معاملات کا انتظام ہو - لہذا ہر دین عین اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے اپنی حکومت کا تقاضا کرتا ہے اور دین ہوتا ہی اسی لئے ہے کہ جس اقتدار کو وہ تسلیم کرانا چاہتا ہے - وہی کی عبادت اور بندگی ہو اور اسی کی شریعت نافذ ہو -

مثال کے طور پر دیکھیے۔

دین جمہوری کا کیا مفہوم ہے؟ یہی نا کہ ایک ملک کے عام لوگ خود اپنے اقتدار کے مالک ہوں۔ اُن پر خود انہی کی بنائی ہوئی شریعت چلے اور ملک کے سب باشندے اپنے جمہور کے اقتدار کی اطاعت و بندگی کریں۔ بتائیے۔ یہ دین کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔ جب تک کہ ملک کا قبضہ واقعی جمہور ہی اقتدار کو حاصل نہ ہو جائے اور جمہوری شریعت نافذ نہ ہونے لگے؟ اگر جمہور کے بجائے کسی غیر قوم کا یا کسی بادشاہ کا اقتدار ملک میں قائم ہو اور اسی کی شریعت چلے تو دین جمہوری کہاں رہا؟ کوئی شخص دین جمہوری پر اعتقاد رکھتا ہو تو رکھا کرے۔ جب تک بادشاہ کا یا غیر قوم کا دین قائم ہے دین جمہوری کی پیروی تو وہ نہیں کر سکتا۔

دین پادشاہی کو لیجئے۔ یہ دین جب بادشاہ کو بھی حاکم اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ اسی لئے تو قرار دیتا ہے کہ اطاعت و عبادت اس کی ہو اور شریعت اس کی نافذ ہو۔ اگر یہی بات نہ ہوئی تو بادشاہ کو بادشاہ ماننے اور اسے حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے۔ دینِ جمہور چل رہا ہو یا کسی دوسری

قوم کی حکومت قائم ہوگئی تو دین بادشاہی رہا کب کہ کوئی اسکی پیروی کر سکے ۔

دُور نہ جائیے ۔ اسی دینِ انگریز کو دیکھ لیجئے ۔ جو اس وقت ہندوستان کا دین ہے ۔ یہ دین اسی وجہ سے تو چل رہا ہے کہ تعزیرات ہند اور ضابطۂ دیوانی انگریز کی طاقت سے نافذ ہے ۔ آپ کی زندگی کے سارے کاروبار انگریز کے مقرر کردہ طریقہ پر انجام پاتے ہیں اور آپ سب اسی کے حکم کے آگے سرِ اطاعت جھکا رہے ہیں ۔ جب تک یہ دین اس قوت کے ساتھ قائم ہے ۔ آپ خواہ کسی دین کے معتقد ہوں ۔ بہرحال اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ لیکن اگر تعزیرات ہند اور ضابطہ دیوانی چلنا بند ہو جائے اور انگریز کے حکم کی اطاعت و بندگی نہ ہو تو بتائیے کہ دینِ انگریز کا کیا مفہوم باقی رہ جاتا ہے ؟ ایسا ہی معاملہ دینِ اسلام کا بھی ہے ۔ اس دین کی بنا یہ ہے کہ زمین کا مالک اور انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اسی کی اطاعت و بندگی ہونی چاہیئے اور اسی کی شریعت پر انسانی زندگی کے سارے معاملات چلنے چاہئیں ۔ یہ اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا اصول جو اسلام پیش کرتا ہے ۔ یہ بھی اسی

غرض کے لئے ہے اور اس کے سوا کوئی دوسری غرض اس کی
نہیں ہے کہ زمین میں صرف اللہ کا حکم چلے - عدالت میں فیصلہ
اسی کی شریعت پر ہو - پولیس اسی کے احکام جاری کرے -
لین دین اسی کے ضابطہ کی پیروی میں - ٹیکس اسی کی مرضی
کے مطابق لگائے جائیں اور انہی مصارف میں صرف ہوں جو
اس نے مقرر کئے ہیں - سول سروس اور فوج اسی کے زیر
حکم ہو - تقویٰ اور خوف اسی سے کیا جائے - رعیت اسی کی
مطیع ہو اور فی الجملہ انسان اس کے سوا کسی کے بندے بن کر
نہ رہیں - ظاہر بات ہے کہ یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی -
جب تک کہ خالص الٰہی حکومت نہ ہو - کسی دوسرے دین کے
ساتھ یہ دین شرکت کہاں قبول کر سکتا ہے ؟ اور کونسا
دین ہے جو دوسرے دین کی شرکت قبول کرتا ہو - ہر دین
کی طرح یہ دین بھی یہی کہتا ہے کہ اقتدار خالصاً و مخلصاً
میرا ہونا چاہیئے اور ہر دوسرا دین میرے مقابلہ میں مغلوب
ہو جانا چاہیئے - ورنہ میری پیروی نہیں ہو سکتی - میں ہونگا
تو دین جمہوری نہ ہوگا - دین بادشاہی نہ ہوگا - دین اشتراکی
نہ ہوگا - کوئی بھی دوسرا دین نہ ہوگا اور اگر کوئی دوسرا

دین ہوگا تو میں نہ ہوں گا اور اس صورت میں محض مجھے حق ماننے کا کوئی نتیجہ نہیں - یہی بات ہے جس کو قرآن بار بار دہراتا ہے - مثلاً

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ (البینہ)

لوگوں کو اس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ سب طرف سے منہ موڑ کر اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کریں اور اسی کی عبادت کریں ؎

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ٥ (التوبہ)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے - خواہ شرک کرنے والوں کو ایسا کرنا کتنا ہی ناگوار ہو ؎

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ (الانفال - ۵)

اور اُن سے لڑو - یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا اللہ کے لئے ہو جائے ؎

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ

حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے - اس کا حکم ہے کہ خود اس

(یوسف - ۵) کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے -

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ٥ (الکہف - ۱۲)

تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو - اس کو چاہیئے - کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کی عبادت شریک نہ کرے ::

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ... وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء - ۹)

تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس ہدایت پر جو تیری طرف اور تجھ سے پہلے نبیوں کی طرف اتاری گئی تھی اور پھر ارادہ یہ کرتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں - حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا ... ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے - اسی لئے تو بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے ::

اُوپر میں عبادت اور دین اور شرک کی جو تشریح کر چکا ہوں اس کے بعد آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقّت نہ ہوگی کہ اِن آیات میں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اسلام میں جہاد کی اس قدر اہمیت کیوں ہے۔ دوسرے تمام دینوں کی طرح دین اللہ بھی محض اس بات پر مطمئن نہیں ہو سکتا کہ آپ بس اس کے حق ہونے کو مان لیں اور اپنے اس اعتقاد کی علامت کے طور پر محض رسمی پوجا پاٹ کر لیا کریں۔ کسی دوسرے دین کے ماتحت رہ کر آپ اس دین کی پیروی کر ہی نہیں سکتے۔ کسی دوسرے دین کی شرکت میں بھی اس کی پیروی ناممکن ہے لہٰذا اگر آپ واقعی اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں اور یا تو اسے قائم کر کے چھوڑیں یا اسی کوشش میں جان دے دیں۔ یہی کسوٹی ہے جس پر آپ کے ایمان و اعتقاد کی صداقت رکھی جا سکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچا ہوگا تو آپ کو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے آرام کی نیند نہ آ سکے گی۔ کجا کہ آپ اس

کی خدمت کریں اور اس خدمت کی روٹی مزے سے کھائیں اور آرام سے پاؤں پھیلا کر سوئیں۔ اِس دین کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گذرے گا۔ اِسطرح گذرے گا کہ بستر آپ کیلئے کانٹوں کا بستر ہوگا۔ کھانا زہر اور حنظل کا کھانا ہوگا۔ اور دینِ حق کو قائم کرنے کی کوشش کئے بغیر آپ کو کسی کل چین نہ آسکے گا۔ لیکن اگر آپ کو دین اللہ کے سوا کسی دوسرے دین کے اندر رہنے میں چین آتا ہو اور آپ اِس حالت پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں ہیں۔ خواہ آپ کتنی ہی دل لگا لگا کر نمازیں پڑھیں۔ کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں۔ کتنی ہی قرآن و حدیث کی شرح فرمائیں اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بگھاریں۔ یہ تو اُن لوگوں کا معاملہ ہے جو دوسرے دین پر راضی ہوں۔ رہے وہ منافقین جو دوسرے دین کی خدمتگاری کرتے ہوں یا کسی اور دین (مثلاً دینِ جمہور) کو لانے کے لئے جہاد کرتے ہوں تو ان کے متعلق میں کیا کہوں؟ موت کچھ دُور نہیں ہے۔ وہ وقت جب آئیگا۔ تو جو کچھ انہوں نے دنیا کی زندگی میں کی ہے۔ خدا خود ہی اُن کے سامنے رکھ دیگا۔ یہ لوگ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے

ہیں تو سخت حماقت میں مبتلا ہیں۔ عقل ہوتی تو ان کی سمجھ میں خود آ جاتا کہ ایک دین کو برحق ماننا اور اس کے خلاف دوسرے دین کے قیام میں حصّہ لینا یا دوسرے دین کو قائم کرنے کی کوشش کرنا بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آگ اور پانی جمع ہو سکتے ہیں۔ مگر ایمان باللہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً جمع نہیں ہو سکتا ؛

قرآن اس سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے۔ وہ سب کا سب تو اس جگہ کہاں نقل کیا جا سکتا ہے۔ مگر چند آیتیں آپ کو سُناتا ہوں :-

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ○

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہہ کر کہ "ہم ایمان لائے" چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا ؟ حالانکہ اُن سے پہلے بھی جس نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کو ہم نے آزمایا ہے۔ پس ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ ایمان کے دعوے میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ (العنکبوت - ۱)

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر - مگر جب اللہ کے رستے میں وہ ستایا گیا تو انسانوں کی سزا سے ایسا ڈرا جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیئے حالانکہ تیرے رب کی طرف سے فتح آجائے تو وہی آکر کہے کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھی تھے - کیا اللہ جانتا نہیں ہے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے - مگر وہ ضرور دیکھ کر رہے گا کہ مومن کون ہیں اور منافق کون -

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران - ۱۸)

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ مومنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب ہیں (کہ سچے اور جھوٹے مدعیانِ ایمان (خلط ملط) وہ باز نہ رہے گا - جب تک خبیث اور طیب کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کر دے ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا
وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ
يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً

(التوبۃ - ۲)

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی
چھوڑ دیئے جاؤ گے - حالانکہ ابھی
اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ تم میں
سے جہاد کنھوں نے کیا ہے اور
کون ہیں جنھوں نے اللہ اور رسول
اور مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں
سے اندرونی تعلق نہیں رکھا -

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا
قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا
مِنْهُمْ . . . اُولٰٓئِكَ
حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ
حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ
كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ
رُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ ٥

تو نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو
جو ساتھ دیتے ہیں اس گروہ
کا جس سے اللہ ناراض ہے؟ یہ
لوگ نہ تمہارے ہی ہیں نہ انہی کے
ہیں . . . یہ تو شیطانی پارٹی کے
لوگ ہیں اور خبردار رہو - کہ
شیطان کی پارٹی والے ہی نامراد
رہنے والے ہیں - یقیناً جو لوگ
اللہ اور رسول کا مقابلہ کرتے
ہیں ، یعنی دین حق کے قیام کے

کے خلاف کام کرتے) وہ شکست
کھانے والوں میں ہوں گے۔ اللہ
کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول
غالب ہو کر رہیں گے۔ یقیناً اللہ
طاقتور اور زبردست ہے ۔ (المجادلہ - ۳)

اِن آیات میں قرآن مجید نے ان لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو دینِ حق کو قائم کرنے کی مشکلات عذر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دینِ حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ کوئی نہ کوئی دینِ باطل قوت اور زور کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہوگی۔ رزق کے خزانے بھی اس کے قبضے میں ہوں گے اور زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلط ہوگا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے دین کو قائم کرنے کا معاملہ بہرحال پھولوں کی سیج تو نہیں ہو سکتا۔ آرام اور سہولت کے ساتھ میٹھے میٹھے قدم چل کر یہ کام نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دینِ باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں

یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دینِ حق بھی قائم ہو جائے۔ یہ تو
قطعاً محال ہے یہ کام تو جب بھی ہوگا۔ اِس طرح ہوگا
کہ آپ اِن تمام حقوق کو، اِن تمام فائدوں کو، اور اُن
تمام آسائشوں کو لات مارنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جو
دینِ باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں اور جو نقصان
بھی اُس مجاہدہ میں پہنچ سکتا ہو۔ اس کو ہمت کے ساتھ
انگیز کریں۔ جن لوگوں میں یہ کھکیڑ اُٹھانے کی ہمت ہو جہاد
فی سبیل اللہ انہی کا کام ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا
کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دینِ حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں
مگر آرام کے ساتھ۔ تو اُن کے لئے بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب
نہیں۔ انکا کام تو یہی ہے کہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی
خدمت کرتے رہیں اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اُٹھانے
والے آخرکار اپنی قربانیوں سے دینِ حق کو قائم کر دیں تو
وہ آکر کہیں اِنّا کُنّا معکُم یعنی ہم تو تمہارے دینی
بھائی اور تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں۔ لاؤ۔ اب
ہمارا حصہ دو ؞

جہاد فی سبیل اللہ

عموماً لفظ "جہاد" کو مذہبی جنگ کہہ کر غلط روشنی میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی جاتی رہی ہے کہ اب یہ لفظ "جوشِ جنون" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کو سنتے ہی آدمی کی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ مذہبی دیوانوں کا ایک گروہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ڈاڑھیاں چڑھائے۔ خونخوار آنکھوں کے ساتھ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا چلا آرہا ہے۔ جہاں کسی کافر کو پاتا ہے پکڑ لیتا ہے اور تلوار اس کی گردن پر رکھ کر کہتا ہے کہ بول لا الٰہ الا اللہ ورنہ ابھی سر تن سے جدا کر دیا جاتا ہے۔ ماہرین نے ہماری یہ تصویر بڑی قلمکاریوں کے ساتھ بنائی ہے اور اسکے نیچے موٹے

حرفوں میں لکھ دیا ہے کہ

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود کئی صدیوں سے انتہا درجہ کی غیر مقدس جنگ میں مشغول ہیں۔ اُنہی کی اپنی تصویر یہ ہے کہ دولت اور اقتدار کے بھوکے ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح ساری دنیا پر پل پڑے ہیں اور ہر طرف تجارت کی منڈیاں خام پیداوار کے ذخیرے، نو آبادیاں بسانے کے قابل زمینیں اور معدنیات کی کانیں ڈھونڈھتے پھرتے ہیں تاکہ اپنی حرص کی کبھی نہ بجھنے والی آگ کے لئے ایندھن فراہم کریں۔ ان کی جنگ خدا کی راہ میں نہیں بلکہ پیٹ کی راہ میں ہے۔ ہوس اور نفسِ امارہ کی راہ میں ہے۔ ان کے نزدیک کسی قوم پر حملہ کرنے کے لئے بس یہی کافی وجہِ جواز ہے کہ اس کی زمین میں کانیں ہیں یا اجناس کافی پیدا ہوتی ہیں یا ان کے کارخانوں کا مال وہاں اچھی طرح کھپایا جا سکتا ہے یا اپنی زائد آبادی کو وہاں آسانی کے ساتھ بسایا جا سکتا ہے یا اور کچھ نہیں تو اس قوم کا یہ گناہ بھی کوئی معمولی گناہ نہیں کہ وہ کسی ایسے ملک کے راستہ میں رہتی ہے جس پر

یہ پہلے قبضہ کر چکے یا اب قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ کیا وہ زمانۂ ماضی کا قصّہ ہے اور ان کے کارنامے حال کے واقعات ہیں جو شب و روز دنیا کی آنکھوں کے سامنے گذر رہے ہیں ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ غرض کرۂ زمین کا کونسا حصّہ ایسا بچا رہ گیا ہے جو ان کی غیر مقدس جنگ سے لالہ زار نہیں ہو چکا؟ مگر ان کی مہارت قابل داد ہے۔ انہوں نے ہماری تصویر اتنی بھیانک اور اتنی بڑی بنائی کہ خود ان کی تصویر اس کے پیچھے چھپ گئی اور ہماری سادہ لوحی بھی قابل داد ہے۔ جب ہم نے غیروں کی بنائی ہوئی اپنی یہ تصویر دیکھی تو ایسے دہشت زدہ ہوئے کہ ہمیں اس تصویر کے پیچھے جھانک کر خود مصوروں کی صورت دیکھنے کا ہوش ہی نہ آیا اور لگے معذرت کرنے کہ حضور! بھلا ہم جنگ و قتال کو کیا جانیں۔ ہم تو بھکشوؤں اور پادریوں کی طرح بڑے امن مبلغ لوگ ہیں۔ چند مذہبی عقائد کی تردید کرنا اور ان کی جگہ کچھ دوسرے عقاید لوگوں سے تسلیم کرا لینا۔ بس یہ ہمارا کام ہے۔ ہمیں تلوار سے کیا واسطہ؟ البتہ اتنا قصور کبھی کبھار ضرور ہوا ہے کہ جب کوئی ہمیں مارنے آیا تو ہم نے بھی جواب میں ہاتھ اُٹھا دیا۔ تو اب تو ہم اس

سے بھی توبہ کر چکے ہیں۔ حضور کی طمانیت کے لئے تلوار والے جہاد کو "سرکاری" طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے۔ اب تو جہاد فقط زبان اور قلم کی کوشش کا نام ہے۔ توپ اور بندوق چلانا سرکار کا کام ہے اور زبان اور قلم چلانا ہمارا کام ہے ؛

جہاد کے متعلق غلط فہمی کے اسباب

خیر یہ تو سیاسی چالوں کی بات ہے مگر خالص علمی حیثیت سے جب ہم اُن اسباب کا تجزیہ کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے "جہاد فی سبیل اللہ" کی حقیقت کو سمجھنا غیر مسلموں اور خود مسلمانوں کے لئے دشوار ہو گیا ہے تو ہمیں دو بڑی اور بنیادی غلط فہمیوں کا سراغ ملتا ہے ؛

پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام کو اُن معنوں میں محض ایک مذہب سمجھ لیا گیا ہے۔ جس میں لفظ مذہب عموماً بولا جاتا ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن معنوں میں محض ایک قوم سمجھ لیا گیا ہے۔ جن میں یہ لفظ عموماً مستعمل ہوتا ہے ؛

ان دو غلط فہمیوں نے صرف ایک جہاد ہی کے مسئلہ کو نہیں

بلکہ مجموعی حیثیت سے پورے اسلام کا نقشہ بدل ڈالا ہے اور
مسلمانوں کی پوزیشن کلی طور پر غلط کر کے رکھ دی ہے ؎

"مذہب" کے معنی عام اصطلاح کے اعتبار سے بجز
اس کے اور کیا ہیں کہ وہ چند عقائد اور چند عبادات اور
مراسم کا مجموعہ ہوتا ہے؟ اس معنی کے لحاظ سے مذہب کو
واقعی ایک پرائیویٹ معاملہ ہی ہونا چاہیئے۔ آپ کو اختیار
ہے کہ جو عقیدہ چاہیں رکھیں اور آپ کا ضمیر جس کی عبادت
کرنے پر راضی ہو۔ اس کو جس طرح چاہیں پکاریں۔ زیادہ
سے زیادہ اگر کوئی جوش اور سرگرمی آپ کے اندر اس مذہب
کے لیئے موجود ہے تو آپ دنیا بھر میں اپنے عقائد کی تبلیغ
کرتے پھریے اور دوسرے عقائد والوں سے مناظرے کیجئے۔
اس کے لیئے تلوار ہاتھ میں پکڑنے کا کون سا موقع ہے؟ کیا
آپ لوگوں کو مار مار کر اپنا ہم عقیدہ بنانا چاہتے ہیں؟ یہ سوال
لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے۔ جب کہ آپ اسلام کو عام اصطلاح
کی رو سے ایک مذہب قرار دے لیں اور یہ پوزیشن اگر
واقعی اسلام کی ہو تو جہاد کے [illegible] حقیقت میں کوئی وجہ جواز
ثابت نہیں کی جا سکتی ؎

اسی طرح "قوم" کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ وہ ایک ہم جنس گروہ اشخاص کا نام ہے جو چند بنیادی امور میں مشترک ہونے کی وجہ سے باہم مجتمع اور دوسرے گروہوں سے ممتاز ہو گیا ہو۔ اس معنی میں جو گروہ ایک قوم ہو وہ دو ہی وجوہ سے تلوار اُٹھاتا اور اُٹھا سکتا ہے یا تو اس کے جائز حقوق چھیننے کے لئے کوئی اس پر حملہ کرے یا وہ خود دوسروں کے جائز حقوق چھیننے کے لئے حملہ آور ہو۔ پہلی صورت میں تو خیر تلوار اُٹھانے کے لئے کچھ نہ کچھ اخلاقی جواز موجود بھی ہے (اگرچہ بعض دھرماتماؤں کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے) لیکن دوسری صورت کو تو بعض ڈکٹیٹروں کے سوا کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا۔ حتیٰ کہ فرانس اور برطانیہ جیسی وسیع سلطنتوں کے مدبرین بھی اس کو جائز کہنے کی جرأت نہیں رکھتے ؞

جہاد کی حقیقت

پس اگر اسلام ایک "مذہب" ہے اور مسلمان ایک "قوم" تو جہاد کی ساری معنویت جس کی بنا پر اُسے افضل العبادت کہا گیا ہے۔ سرے سے ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

اسلام کسی "مذہب" کا اور مسلمان کسی "قوم" کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل اسلام ایک انقلابی نظریہ و مسلک ہے جو تمام دنیا کے اجتماعی نظم کو بدل کر اپنے نظریہ و مسلک کے مطابق تعمیر کرنا چاہتا ہے اور مسلمان اس بین الاقوامی انقلابی جماعت کا نام ہے۔ جسے اسلام اپنے مطلوبہ انقلابی پروگرام کو عمل میں لانے کے لیئے منظم کرتا ہے اور جہاد اس انقلابی جد و جہد، اس انتہائی صرفِ طاقت کا نام ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے عمل میں لائی جائے۔

تمام انقلابی مسلکوں کی طرح اسلام بھی عام مروّج الفاظ کو چھوڑ کر اپنی ایک خاص اصطلاحی زبان اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے انقلابی تصوّرات عام تصوّرات سے ممتاز ہو سکیں۔ لفظ جہاد بھی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسلام نے حرب اور اسی نوعیت کے دوسرے عربی الفاظ جو جنگ کے مفہوم کو ادا کرتے ہیں قصداً ترک کر دیئے اور ان کی جگہ "جہاد" کا لفظ استعمال کیا جو انتہائی کوشش کا ہم معنی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ مبالغہ رکھتا ہے دوسرے الفاظ میں اسکا مفہوم یہ ہے "اپنی تمام طاقتیں کسی مقصد

کی تحصیل میں صرف کر دینا"

سوال یہ ہے کہ پرانے الفاظ کو چھوڑ کر یہ نیا لفظ کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ "جنگ" کا لفظ قوموں اور سلطنتوں کی اُن لڑائیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا اور آج تک استعمال ہو رہا ہے۔ جو اشخاص یا جماعتوں کی نفسانی اغراض کے لئے کی جاتی ہیں۔ ان لڑائیوں کے مقاصد محض ایسے شخصی یا اجتماعی مقاصد ہوتے ہیں۔ جن کے اندر کسی نظریہ اور کسی اصول کی حمایت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اسلام کی لڑائی چونکہ اس نوعیت کی نہیں ہے اس لئے وہ سرے سے اس لفظ ہی کو ترک کر دیتا ہے اس کے پیش نظر ایک قوم کا مفاد یا دوسری قوم کا نقصان نہیں ہے وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کہ زمین پر ایک سلطنت کا قبضہ رہے یا دوسری سلطنت کا۔ اس کو دلچسپی جس چیز سے ہے وہ محض انسانیت کی فلاح ہے۔ اس فلاح کے لئے وہ اپنا ایک خاص نظریہ اور ایک عملی مسلک رکھتا ہے۔ اس نظریہ اور مسلک کے [illegible]ف جہاں جس کی حکومت بھی ہے اسلام اسے مٹانا چاہتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کوئی

قوم ہو اور کوئی ملک ہو۔ اسکا مدعا اپنے نظریہ اور مسلک کی حکومت قائم کرنا ہے۔ بلا اس لحاظ کے کہ کون اس کا جھنڈا لے کر اُٹھتا ہے اور کس کی حکمرانی پر اس کی ضرب پڑتی ہے وہ زمین مانگتا ہے . . . زمین کا ایک حصہ نہیں بلکہ پورا کرہ زمین . . . اس لئے نہیں کہ ایک قوم یا بہت سی قوموں کے ہاتھ سے نکل کر اس کی حکومت کسی خاص قوم کے ہاتھ میں آجائے بلکہ صرف اس لئے کہ انسانیت کی فلاح کا جو نظریہ اور پروگرام اس کے پاس ہے اس سے تمام نوع انسانی متمتع ہو۔ اس غرض کے لئے وہ تمام اُن طاقتوں سے کام لینا چاہتا ہے جو انقلاب برپا کرنے کے لئے کارگر ہوسکتی ہیں اور ان سب طاقتوں کے استعمال کا ایک جامع نام "جہاد" رکھتا ہے۔ زبان وقلم کے زور سے لوگوں کے نقطۂ نظر کو بدلنا اور انکے اندر ذہنی انقلاب پیدا کرنا بھی جہاد ہے۔ تلوار کے زور سے پُرانے ظالمانہ نظامِ زندگی کو بدل دینا اور نیا عادلانہ نظام مرتب کرنا بھی جہاد ہے اور اس راہ میں مال کرنا اور جسم سے دوڑ دھوپ کرنا بھی جہاد ہے ؛

"فی سبیل اللہ" کی لازمی قید

لیکن اسلام کا جہاد نرا "جہاد" نہیں ہے بلکہ "جہاد فی سبیل اللہ" ہے اور "فی سبیل اللہ" کی قید اس کے ساتھ ایک لازمی قید ہے۔ یہ "فی سبیل اللہ" کا لفظ بھی اسلام کی اسی مخصوص اصطلاحی زبان سے تعلق رکھتا ہے جس کی طرف ابھی میں اشارہ کر چکا ہوں۔ اسکا لفظی ترجمہ ہے "راہِ خدا میں" اس ترجمہ سے لوگ غلط فہمی میں پڑ گئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ زبردستی لوگوں کو اسلام کے مذہبی عقائد کا پیرو بنانا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کے تنگ دماغوں میں "راہِ خدا" کا کوئی مفہوم اس کے سوا نہیں سما سکتا۔ مگر اسلام کی زبان میں اسکا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر وہ کام جو اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے کیا جائے اور جس کے کرنے والے کی نیت اس سے کوئی دنیوی فائدہ اُٹھانا نہ ہو۔ بلکہ محض خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہو اسلام ایسے کام کو "فی سبیل اللہ" قرار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ خیرات دیتے ہیں۔ اس نیت سے کہ اسی دنیا میں مادی یا اخلاقی طور پر اس کا کوئی فائدہ آپ کی طرف پلٹ کر

آئے تو یہ فی سبیل اللہ نہیں ہے اور اگر خیرات سے آپ کی نیت یہ ہے کہ ایک غریب انسان کی مدد کر کے آپ خدا کی خوشنودی حاصل کریں تو یہ فی سبیل اللہ ہے۔ پس یہ اصطلاح مخصوص ہے ایسے کاموں کے لئے جو کامل خلوص کے ساتھ۔ ہر قسم کی نفسانی اغراض سے پاک ہو کر اس نظریہ پر کئے جائیں کہ انسان کا دوسرے انسانوں کی فلاح کے لئے کام کرنا خدا کی خوشنودی کا موجب ہے اور انسان کی زندگی کا نصب العین مالک کائنات کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

"جہاد" کے لئے "فی سبیل اللہ" کی قید اسی غرض کے لئے لگائی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ جب نظام حکومت میں انقلاب برپا کرنے اور اسلامی نظریہ کے مطابق نیا نظام مرتب کرنے کے لئے جدوجہد کرنے اُٹھے تو اس قیام اور اس سربازی وجاں نثاری میں اس کی اپنی کوئی نفسانی غرض نہ ہونی چاہیئے۔ اس کا یہ مقصد ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ قیصر کو ہٹا کر خود قیصر بن جائے۔ اپنی ذات کے لئے مال و دولت یا شہرت و ناموری یا عزت و جاہ حاصل کرنے کا شائبہ تک اس کی جدوجہد کے مقاصد میں نہ ہونا چاہیئے۔ اس کی تمام

قربانیوں اور ساری محنتوں کا مدعا صرف یہ ہونا چاہیئے۔ کہ بندگانِ خدا کے درمیان ایک عادلانہ نظام زندگی قائم کیا جائے اور اس کے معاوضہ میں خدا کی خوشنودی کے سوا اور کچھ مطلوب نہ ہو۔ قرآن فرماتا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ (نساء - ۱۰)

"ایماندار لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں

"طاغوت" کا مصدر طغیان ہے۔ جس کے معنی حد سے گذر جانے کے ہیں۔ دریا جب اپنی حد سے گذر جاتا ہے۔ تو آپ کہتے ہیں کہ طغیانی آگئی ہے۔ اسی طرح جب آدمی اپنی جائز حد سے گذر کر اس غرض کے لئے اپنی طاقت استعمال کرتا ہے کہ انسانوں کا خدا بن جائے یا اپنے مناسب حصہ سے زیادہ فوائد حاصل کرے تو یہ طاغوت کی راہ میں لڑنا ہے اور اس کے مقابلہ میں راہ خدا کی جنگ وہ ہے جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ خدا کا قانونِ عدل دنیا میں قائم ہو۔ لڑنے والا خود بھی اس کی پابندی کرے اور دوسروں سے بھی اس

کی پابندی کرائے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے :-

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	آخرت میں عزت کا مقام ہم نے
نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا	اُن لوگوں کے لئے رکھا ہے جو
يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي	زمین میں اپنی بڑائی قائم کرنا اور
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا	فساد کرنا نہیں چاہتے - اور
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۞	عاقبت کی کامیابی ایسے ہی
(القصص - ۹)	پرہیزگاروں کے لئے ہے :-

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "راہِ خدا کی جنگ سے کیا مراد ہے" ایک شخص مال کے لئے جنگ کرتا ہے - دوسرا شخص بہادری کی شہرت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے - تیسرے شخص کو کسی سے عداوت ہوتی ہے - یا قومی حمیت کا جوش ہوتا ہے - اس لئے جنگ کرتا ہے! اِن میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے ؟" آنحضرت نے جواب دیا - "کسی کی بھی نہیں - فی سبیل اللہ تو صرف اس شخص کی جنگ ہے جو خدا کا بول بالا کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتا" ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص نے

جنگ کی اور اس کے دل میں اُونٹ باندھنے کی ایک رسّی حاصل کرنے کی بھی نیّت ہوئی تو اس کا اجر ضائع ہو گیا! اللہ صرف اس عمل کو قبول کرتا ہے جو محض اس کی خوشنودی کے لئے ہو اور کوئی شخصی یا اجتماعی غرض نہ ہو۔ پس جہاد کے لئے فی سبیل اللہ کی قید اسلامی نقطۂ نظر سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ مجرد جہاد تو دنیا میں سب ہی جاندار کرتے ہیں۔ ہر ایک اپنے مقصد کی تحصیل کے لئے اپنا پورا زور صرف کرتا ہے۔ لیکن "مسلمان" جس انقلابی جماعت کا نام ہے۔ اس کے انقلابی نظریات میں سے ایک اہم ترین بنیادی نظریہ یہ ہے کہ اپنی جان مال کھپاؤ۔ دنیا کی ساری سرکش طاقتوں سے لڑو۔ اپنے جسم و روح کی ساری طاقتیں خرچ کر دو۔ نہ اس لئے کہ دوسرے سرکشوں کو ہٹا کر تم ان کی جگہ لے لو بلکہ صرف اس لئے کہ دنیا سے سرکشی و طغیان ہٹ جائے اور خدا کا قانون دنیا میں نافذ ہو ؛

جہاد کے اس مفہوم اور فی سبیل اللہ کی معنویت کو مختصراً بیان کر دینے کے بعد میں اس دعوتِ انقلاب کی تھوڑی سی تشریح کرنا چاہتا ہوں جو اسلام لے کر آیا ہے۔ تاکہ

آسانی کے ساتھ یہ سمجھا جا سکے۔ کہ اس دعوت کے لئے جہاد کی حاجت کیا ہے اور اس کی غایت کیا ہے ؞

اسلام کی دعوتِ انقلاب

اسلام کی دعوتِ انقلاب کا خلاصہ یہ ہے :-

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ (البقرہ - ۳)

"اے انسانو! صرف اپنے اس رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے"

اسلام مزدوروں یا زمینداروں یا کاشتکاروں یا کارخانہ داروں کو نہیں پکارتا۔ بلکہ تمام انسانوں کو پکارتا ہے اس کا خطاب انسان سے بہ حیثیت انسان ہے اور وہ صرف یہ کہتا ہے کہ اگر تم خدا کے سوا کسی کی بندگی، اطاعت، فرمانبرداری کرتے ہو تو اسے چھوڑ دو۔ اور اگر خود تمہارے اندر خدائی کا داعیہ ہے تو اسے بھی نکال دو کہ دوسروں سے اپنی بندگی کرانے اور دوسروں کا سر اپنے آگے جھکوانے کا حق بھی تم میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔ تم سب کو ایک خدا کی بندگی قبول کرنی چاہیئے۔ اور اس بندگی میں سب کو ایک سطح

پر آجانا چاہیئے ؛

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ۔ (آل عمران - ۷)

آؤ ہم اور تم ایک ایسی بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے - وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں - اور نہ خداوندی میں کسی کو خدا کا شریک بھی نہ ٹھہرائیں اور ہم سے کوئی کسی کو خدا کے بجائے امر و نہی کا مالک بھی نہ بنائے ؛

یہ عالمگیر اور کلی انقلاب کی دعوت تھی - اس نے پکار کر کہا کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ حکومت سوائے خدا کے کسی اور کی نہیں ہے "کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ بذاتِ خود انسانوں کا حکمران بن جائے اور اپنے اختیار سے جس چیز کا چاہے حکم دے اور جس چیز سے چاہے روک دے کسی انسان کو بالذات امر و نہی کا مالک سمجھنا در اصل خدائی میں اُسے شریک کرنا ہے اور یہی بنائے فساد ہے - اللہ نے انسان کو جس صحیح فطرت پر پیدا کیا ہے اور زندگی بسر کرنے کا جو سیدھا راستہ بتایا ہے - اس سے انسان کے ہٹنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ لوگ خدا کو بھول جائیں -

اور نتیجۃً خود اپنی حقیقت کو بھی فراموش کر دیں۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہوتا ہے کہ ایک طرف بعض اشخاص یا خاندان یا طبقے خدائی کا کھلا یا چھپا داعیہ لے کر اُٹھتے ہیں اور اپنی طاقت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر لوگوں کو اپنا بندہ بنا لیتے ہیں اور دوسری طرف اسی خدا فراموشی و خود فراموشی کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کا ایک حصہ اِن طاقتوروں کی خداوندی مان لیتا ہے اور اُن کے اس حق کو تسلیم کر لیتا ہے کہ یہ حکم کریں اور وہ اس کے آگے سر جھکا دیں۔ یہی دنیا میں ظلم، فساد اور ناجائز انتفاع کی بنیاد ہے اور اسلام پہلی ضرب اسی پر لگاتا ہے۔ وہ ہانکے پکار کے کہتا ہے :-

لَا تُطِيعُوٓا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ الَّذِينَ هُمْ يُفْسِدُونَ وَلَا يُصْلِحُونَ ۝ (الشعراء - ۸)

اُن لوگوں کا حکم ہرگز نہ مانو۔ جو اپنی حد جائز سے گزر گئے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

لَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا

اس شخص کی اطاعت ہرگز نہ کرو۔ [illegible]س کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات

(الکہف - ۴) نفس کا بندہ بن گیا ہے - اور جس کی حکومت افراط و تفریط پر مبنی ہے :-

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (ھود - ۲)

خدا کی لعنت ہو - اُن ظالموں پر جو خدا کے بنائے ہوئے زندگی کے سیدھے راستے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں -

وہ لوگوں سے پوچھتا ہے کہ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ " یہ بہت سے چھوٹے بڑے خدا جن کی بندگی میں تم پھنسے جا رہے ہو - ان کی بندگی قبول ہے یا اس ایک خدا کی جو سب سے زبردست ہے ؟ اگر اس خدائے واحد کی بندگی قبول نہ کرو گے تو ان چھوٹے اور جھوٹے آقاؤں کی آقائی سے تمہیں نجات نہ مل سکے گی - یہ کسی نہ کسی طور سے تم پر تسلط پائیں گے اور فساد برپا کر کے رہیں گے

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَّ

یہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اس کے نظام حیات کو تہ و بالا کر ڈالتے ہیں اور اس کے

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں

(والصّٰفّٰت - ۳) اور ان کا یہی وطیرہ ہے -

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ اور جب ایسا انسان حکومت

لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ پا لیتا ہے تو زمین میں فساد پھیلاتا

الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ ہے - کھیتیوں کو خراب و نسلوں

لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ کو تباہ کرتا ہے اور اللہ فساد

(البقرہ - ۲۵) کو پسند نہیں کرتا ٭

یہاں پوری تفصیل کا موقع نہیں - مختصراً میں یہ بات آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی دعوتِ توحید و خدا پرستی محض اس معنی میں ایک مذہبی عقیدہ کی دعوت نہ تھی جس میں اور دوسرے مذہبی عقائد کی دعوت ہوا کرتی ہے بلکہ یہ حقیقتہً ایک اجتماعی انقلاب کی دعوت تھی - اس کی ضرب بلا واسطہ ان طبقوں پر پڑتی تھی - جنہوں نے مذہبی رنگ میں پروہت بن کر، یا سیاسی رنگ میں بادشاہ اور رئیس اور حکمران گروہ بن کر، یا معاشی رنگ میں مہاجن اور زمیندار اور اجارہ دار بن کر عامۃ الناس کو اپنا بندہ بنا لیا تھا - یہ کہیں علانیہ اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بنے ہوئے تھے - دنیا سے

اپنے پیدائشی یا طبقاتی حقوق کی بنا پر اطاعت وبندگی کا مطالبہ
کرتے تھے اور صاف کہتے تھے کہ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرِیْ
اور اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ اور مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً اور کسی
جگہ انہوں نے عامۃ الناس کی جہالت سے فائدہ اُٹھانے کے
لئے مصنوعی خدا بتوں اور ہیکلوں اور قبروں کی شکل میں بنا
رکھے تھے۔ جن کی آڑ پکڑ کر یہ اپنے خداوندی حقوق بندگانِ
خدا سے تسلیم کراتے تھے۔ پس کفر وشرک اور بت پرستی کے
خلاف اسلام کی دعوت اور خدائے واحد کی بندگی و عبودیت
کے لئے اسلام کی تبلیغ براہِ راست حکومت اور اس کو سہارا
دینے والے یا اس کے سہارے چلنے والے طبقوں کی اغراض
سے متصادم ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے جب کسی نبی نے یَاقَوْمِ
اُعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ کی صدا بلند کی
حکومتِ وقت فوراً اس کے مقابلہ میں آن کھڑی ہوئی اور
تمام ناجائز انتفاع کرنے والے طبقے اس کی مخالفت پر کمر
بستہ ہو گئے۔ کیونکہ یہ محض ایک مابعد الطبیعی قضیہ کا بیان
نہ تھا۔ بلکہ ایک اجتماعی [illegible] کا اعلان تھا اور اس میں
پہلی آواز سنتے ہی سیاسی شورش کی بو سونگھ لی جاتی تھی ؎

اسلامی دعوتِ انقلاب کی خصوصیّت

اس میں شک نہیں کہ انبیا علیہم السلام سب کے سب انقلابی لیڈر تھے اور سیدّنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے انقلابی لیڈر رہیں۔ لیکن جو چیز دُنیا کے عام انقلابیوں اور اُن خدا پرست انقلابی لیڈروں کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ دوسرے انقلابی لوگ خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں۔ عدل و توسط کے صحیح مقام کو نہیں پا سکتے۔ وہ یا تو خود مظلوم طبقوں میں سے اُٹھتے ہیں یا ان کی حمایت کا جذبہ لے کر اُٹھتے ہیں اور پھر سارے معاملات کو انھی طبقوں کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر غیر جانبدارانہ اور خالص انسانیت کی نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک طبقہ کی طرف سے غصّہ و نفرت کا اور دوسرے طبقہ کی طرف سے حمایت کا جذبہ لئے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ ظلم کا ایک ایسا علاج سوچتے ہیں جو نتیجۃً ایک جوابی ظلم ہوتا ہے۔ [illegible] کے لئے انتقام، حسد اور عداوت کے جذبات سے پاک ہو کر ایک معتدل اور متوازن

اجتماعی نظام تجویز کرنا ممکن نہیں ہوتا جس میں مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح ہو۔ بخلاف اس کے انبیا علیہم السلام خواہ کتنے ہی ستائے گئے ہوں اور کتنا ہی ان پر اور ان کے ساتھیوں پر ظلم کیا گیا ہو۔ ان کی انقلابی تحریک میں کبھی اُن کے شخصی جذبات کا اثر آنے نہیں پایا۔ وہ براہ راست خدا کی ہدایت کے ماتحت کام کرتے تھے اور چونکہ خدا انسانی جذبات سے منزہ ہے۔ کسی انسانی طبقہ سے اس کا مخصوص رشتہ نہیں۔ نہ کسی دوسرے انسانی طبقہ سے اس کو کوئی شکایت یا عداوت ہے۔ اس لئے خدا کی ہدایت کے تحت انبیا علیہم السلام تمام معاملات کو خالص انسانیت ہی کی نظر سے دیکھتے تھے وہ یہ دیکھتے تھے کہ تمام انسانوں کی مجموعی فلاح و بہبود اور خود اُن ظالم طبقوں کی بھی حقیقی فلاح و بہبود کس چیز میں ہے اور کس طرح ایک ایسا نظام اجتماعی بنایا جائے کہ ہر شخص اپنی جائز حدود میں رہ سکے۔ اپنے جائز حقوق سے متمتع ہو سکے اور افراد کے باہمی روابط نیز فرد اور جماعت کے باہمی تعلق میں کامل توازن اور سکون قائم ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی انقلابی تحریک کبھی طبقاتی نزاع میں

تبدیل نہ ہونے پائی - انہوں نے اجتماعی تعمیر نو اس طرز پہ نہیں کی کہ ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ پر مسلّط کر دیں - بلکہ اس کے لئے عدل کا ایسا طریقہ اختیار کیا جس میں تمام انسانوں کے لئے ترقی اور مادی و روحانی سعادت کے یکساں امکانات رکھے گئے تھے ؛

جہاد کی ضرورت اور اس کی غایت

اس مختصر مقالہ میں میرے لئے اس اجتماعی نظام کی تفصیلات پیش کرنا مشکل ہے - جو اسلام نے تجویز کیا ہے اگر کبھی موقع ملا تو میں اس کا ایک خاکہ پیش کروں گا - یہاں اپنے موضوع کی حد میں رہتے ہوئے جس بات کو مجھے واضح کرنا تھا - وہ صرف یہ تھی کہ اسلام محض ایک مذہبی عقیدہ اور چند عبادات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک جامع سسٹم ہے جو دنیا سے زندگی کے تمام ظالمانہ اور مفسدانہ نظامات کو مٹانا چاہتا ہے اور ان کی جگہ اپنا ایک اصلاحی پروگرام نافذ کرنا چاہتا ہے جس کو وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے سب سے بہتر سمجھتا ہے ؛

اس تخریب و تعمیر اور انقلاب و اصلاح کے لئے وہ کسی ایک قوم یا گروہ کو نہیں بلکہ تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے۔ وہ خود ان ظالم طبقوں، ان ناجائز انتفاع کرنے والے گروہوں، حتیٰ کہ پادشاہوں اور رئیسوں کو بھی پکارتا ہے کہ آؤ اِس جائز حد کے اندر رہنا قبول کرلو۔ جو تمہارے خالق نے تمہارے لئے مقرر کی ہے اگر تم عدل اور حق کے نظام کو قبول کرلوگے۔ تو تمہارے لئے امن اور سلامتی ہے یہاں کسی انسان سے دشمنی نہیں ہے بلکہ دشمنی جو کچھ بھی ہے ظلم سے ہے۔ فساد سے ہے۔ بداخلاقی سے ہے۔ اس بات سے ہے کہ کوئی شخص اپنی فطری حد سے تجاوز کرکے وہ کچھ حاصل کرنا چاہے جو فطرۃ اللہ کے لحاظ سے اس کا نہیں ہے یہ دعوت جو لوگ بھی قبول کرلیں۔ وہ خواہ کسی طبقہ، کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک کے ہوں۔ یکساں حقوق اور مساویانہ حیثیت سے اسلامی جماعت کے رکن بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ بین الاقوامی انقلابی پارٹی تیار ہوتی ہے۔ جسے قرآن "حزب اللہ" کے نام سے یاد کرتا ہے ؛

یہ پارٹی وجود میں آتے ہی اپنے مقصدِ وجود کی تحصیل

کے لئے جہاد شروع کر دیتی ہے۔ اس کے عین وجود ہی ہے کہ یہ غیر اسلامی نظام کی حکمرانی کو مٹانے کی کوشش کرے اور اس کے مقابلہ میں تمدن و اجتماع کے اس معتدل و متوازن ضابطہ کی حکومت قائم کرے۔ جسے قرآن ایک جامع لفظ کلمۃ اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ اگر یہ پارٹی نظامِ حکومت کو بدلنے اور اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے کی کوشش نہ کرے تو اس کے وجود میں آنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کسی اور مقصد کے لئے بنائی ہی نہیں گئی ہے اور اس جہاد کے سوا اس کی ہستی کا اور کوئی مصرف ہی نہیں۔ قرآن اس کی پیدائش کا ایک ہی مقصد بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ	تم وہ بہترین امت ہو۔ جسے
لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	نوعِ انسانی کے لئے نکالا گیا ہے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے
وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	روکتے ہو۔ اور خدا پر ایمان
(آل عمران - ۱۱	رکھتے ہو ؛

یہ مذہبی تبلیغ کرنے والے واعظین اور مبشرین کی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدائی فوجداروں کی جماعت ہے لِتَكُونُوا

شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ اور اس کا کام یہ ہے کہ دنیا سے ظلم، فتنہ فساد، طغیان اور ناجائز انتفاع کو بزور مٹا دے۔ اَرْبَابٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی خداوندی کو ختم کر دے۔ اور بدی کی جگہ نیکی قائم کرے۔ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ[۱]۔ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ[۲]... هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[۳]

---

[۱] اُن سے جنگ کرو یہانتک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اطاعت صرف خدا کے قانون کی ہو ٭

[۲] اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ ہوگا اور بڑا فساد برپا ہوگا

[۳] خدا ہی نے اپنے رسول کو دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ اور حق کی اطاعت کا صحیح ضابطہ دے کر بھیجا ہے تاکہ تمام اطاعتوں کو مٹا کر اس ایک اطاعت کو سب پر غالب کرے۔ خواہ وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوں جو خداوندی میں دوسروں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں ٭

لہٰذا اس پارٹی کے لئے حکومت پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ مفسدانہ نظام تمدن ایک فاسد نظام حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے اور ایک صالح نظام تمدن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ حکومت مفسدین سے مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آجائے ؀

دنیا کی اصلاح سے قطع نظر، اس کے لئے خود اپنے مسلک پر عامل ہونا بھی غیر ممکن ہے۔ اگر حکومت کا نظام کسی دوسرے مسلک پر قائم ہو۔ کوئی پارٹی جو کسی سسٹم کو برحق سمجھتی ہو۔ کسی دوسرے سسٹم کی حکومت میں اپنے مسلک کے مطابق زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ایک اشتراکی مسلک کا آدمی اگر جرمنی یا انگلستان میں رہ کر اشتراکیت کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہے تو کسی طرح اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سرمایہ داری اور نازیت کا ضابطۂ حیات حکومت کی طاقت سے بجبر اس پر مسلّط ہوگا اور وہ اس کی قہرمانی سے کسی طرح بچ نہ سکے گا۔ اسی طور پر ایک مسلمان بھی اگر کسی غیر اسلامی نظامِ حکومت میں رہ کر [illegible] اصول میں زندگی بسر کرنا چاہے تو اس کا کامیاب ہونا بھی محال ہے۔ جن قوانین کو وہ باطل

سمجھتا ہے۔ جن ٹیکسوں کو وہ حرام سمجھتا ہے۔ جن معاملات کو وہ ناجائز سمجھتا ہے۔ جس طرز زندگی کو وہ فاسد سمجھتا ہے۔ جس طریق تعلیم کو وہ مہلک سمجھتا ہے۔ وہ سب کے سب اس پر اس کے گھربار پر، اس کی اولاد پر اس طرح مسلّط ہو جائینگے کہ وہ کسی طرح ان کی گرفت سے بچ کر نہ نکل سکے گا۔ لہٰذا جو شخص یا گروہ کسی مسلک پر اعتقاد رکھتا ہو۔ وہ اپنے اعتقاد کے فطری اقتضا ہی سے اس امر پر مجبور ہوتا ہے کہ مسلک مخالف کی حکومت کو مٹانے اور خود اپنے مسلک کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے مسلک پر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ اس کوشش سے غفلت برتتا ہے تو اسکا صریح معنی یہ ہے کہ وہ درحقیقت اپنے اعتقاد ہی میں جھوٹا ہے:-

عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ٥ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

اے نبی! خدا تمہیں معاف کرے۔ تم نے ان لوگوں کو جہاد کی شرکت سے علیحدہ رہنے کی اجازت کیوں [illegible]۔ حالانکہ جہاد ہی وہ کسوٹی ہے۔ جس سے تم پر کھل سکتا ہے

اَلْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ ... اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبۃ - ۷)

کہ اپنے ایمان میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟ جو لوگ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہیں کر سکتے کہ انہیں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنے سے معذور رکھا جائے ... اور ایسی درخواست صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر"

ان الفاظ میں قرآن نے صاف اور صریح فتویٰ دے دیا ہے کہ اپنے اعتقاد میں کسی جماعت کے صادق ہونے کا واحد معیار یہی ہے کہ وہ جس مسلک پر اعتقاد رکھتی ہو۔ اس کو حکمران بنانے کے لئے جان و مال سے جہاد کرے۔ اگر تم مسلکِ مخالف کی حکومت کو گوارا کرتے ہو تو یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ تم اپنے اعتقاد میں جھوٹے ہو اور اس کا فطری نتیجہ یہی ہے اور یہی ہو سکتا ہے کہ آخر کار اسلام کے مسلک پر تمہارا نام نہاد عقیدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ ابتدا میں تم مسلکِ مخالف کی حکومت کو بکراہت گوارا کرو گے۔ پھر رفتہ رفتہ تمہارے دل

اس سے مانوس ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ کراہت رغبت سے بدل جائے گی اور آخر میں نوبت اس حد تک پہنچے گی۔ کہ مسلکِ مخالف کی حکومت قائم ہونے اور قائم رہنے میں تم خود مددگار بنوگے۔ اپنی جان و مال سے جہاد اس لئے کروگے۔ کہ مسلکِ اسلام کے بجائے مسلکِ غیر اسلام قائم ہو یا قائم رہے تمہاری اپنی طاقتیں مسلک اسلام کے قیام کی مزاحمت میں صرف ہونے لگیں گی اور یہاں پہنچ کر تم میں اور کافروں میں اسلام کے منافقانہ دعوے ایک بدترین جھوٹ، ایک پُر فریب نام کے سوا کوئی فرق نہ رہے گا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نتیجہ کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے:۔

والذی نفسی بیدہ لتامرن بالمعروف ولتنھن عن المنکر ولتاخذن ید المسیٔ ولتطرنہ علی الحق اطراءً ولیضربن اللہ قلوب بعضکم علی بعض اولیلعنکم کما لعنھم	اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یا تو تمہیں ایسا کرنا پڑے گا کہ نیکی کا حکم کرو۔ اور بدی سے روکو اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف بزور اسے موڑ دو یا پھر اللہ کے قانونِ فطرت کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ کہ

بدکاروں کے دلوں کا اثر تمہارے دلوں پر بھی پڑ جائے اور ان کی طرح
تم بھی ملعون ہو کر رہو ؛

عالمگیر انقلاب

اس بحث سے یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ اسلامی
جہاد کا مقصود غیر اسلامی نظام حکومت کو مٹا کر اسلامی حکومت
قائم کرنا ہے ۔ اسلام یہ انقلاب ایک ملک یا چند ملکوں میں
نہیں بلکہ تمام دنیا میں برپا کرنا چاہتا ہے ۔ اگرچہ ابتداءً
مسلم پارٹی کا فرض یہی ہے کہ جہاں جہاں وہ رہتے ہوں وہاں
کے نظامِ حکومت میں انقلاب پیدا کریں ۔ لیکن ان کی آخری
منزل مقصود ایک عالمگیر انقلاب کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ کوئی
انقلابی مسلک جو قومیت کے بجائے انسانیت کی فلاح کے اصول
لے کر اُٹھا ہو ۔ اپنے انقلابی مطمحِ نظر کو کبھی ایک ملک یا ایک قوم
کے دائرے میں محدود نہیں کر سکتا ۔ بلکہ وہ اپنی فطرت کے
عین اقتضاء ہی سے مجبور ہے کہ عالمگیر انقلاب کو اپنا مطمح نظر
بنائے حق جغرافی حدود [illegible] سے انکار کرتا ہے ۔ اس کا
مطالبہ یہ ہے کہ میں اگر کسی دریا یا پہاڑ کے اس پار حق ہوں

تو اس پار بھی حق ہی ہوں - نوعِ انسانی کے کسی حصّہ کو بھی مجھ سے محروم نہ رہنا چاہیئے - انسان جہاں بھی ظلم و ستم کا اور افراط و تفریط کا تختۂ مشق بنا ہوا ہے - وہاں اس کی مدد کے لئے پہنچنا میرا فرض ہے - اسی تخیل کو قرآن اِن الفاظ میں بیان فرماتا ہے :-

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (النساء - ۱۰)	تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں ان مردوں - عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے - جنہیں کمزور پا کر دبا لیا گیا ہے اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا ہمیں اس بستی سے نکال جس کے کارفرما ظالم ہیں -

علاوہ بریں قومی اور ملکی تقسیمات کے باوجود انسانی تعلقات و روابط کچھ ایسی عالمگیری اپنے اندر رکھتے ہیں کہ کوئی ایک مملکت بھی اپنے اصول و [illegible] کے مطابق پوری طرح عمل نہیں کر سکتی - جب تک کہ ہمسایہ [illegible] میں بھی وہی اصول و مسلک رائج نہ ہو جائے - لہٰذا مسلم پارٹی کے لئے اصلاحِ عمومی

اور تحفظِ خودی، دونوں کی خاطر یہ ناگزیر ہے کہ کسی ایک خطّہ
میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ جہاں
تک اس کی قوتیں ساتھ دیں۔ اس نظام کو تمام اطراف میں وسیع
کرنے کی کوشش کرے۔ وہ ایک طرف اپنے افکار و نظریات کو
دنیا میں پھیلائے گی اور تمام ممالک کے باشندوں کو دعوت
دے گی کہ اس مسلک کو قبول کریں۔ جس میں اُن کے لئے حقیقی
فلاح مضمر ہے۔ دوسری طرف اگر اس میں طاقت ہوگی تو وہ لڑکر
غیر اسلامی حکومتوں کو مٹا دے گی اور اُن کی جگہ اسلامی حکومت
قائم کرے گی۔

یہی پالیسی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب جہاں
مسلم پارٹی پیدا ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اسی کو اسلامی حکومت
کے زیرِ نگیں کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اطراف کے ممالک کو اپنے اصول و مسلک کی طرف دعوت دی
مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں، بلکہ
قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔
آنحضرتؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے

روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومت پر حملہ کیا اور حضرت
عمرؓ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچا دیا۔ مصر و
شام اور روم و ایران کے عوام اس کو اوّل اوّل عرب قوم کی امپیریلسٹ
پالیسی سمجھے۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ جس طرح پہلے ایک قوم دوسری
قوموں کو غلام بنانے کے لئے نکلا کرتی تھی۔ اسی طرح اب بھی ایک
قوم اسی غرض کے لئے نکلی ہے۔ اس غلط فہمی کی بنا پر یہ لوگ
قیصر و کسریٰ کے جھنڈے تلے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے۔
مگر جب ان پر مسلم پارٹی کے انقلابی مسلک کا حال کھلا۔ جب
انہیں معلوم ہوا کہ یہ جفاکارانہ قوم پرستی کے علمبردار نہیں ہیں۔
یہ قومی اغراض سے پاک ہو کر ایک عادلانہ نظام قائم کرنے آئے
ہیں اور ان کا مقصد ان ظالم طبقوں کی خداوندی کو ختم کرنا ہے
جو قیصریت و کسرائیت کی پناہ میں ہم کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ تو
ان کی اخلاقی ہمدردیاں مسلم پارٹی کی طرف جھک گئیں۔ وہ
قیصر و کسریٰ سے الگ ہوتے چلے گئے۔ اور اگر مارے باندھے
سے فوج میں بھرتی ہو کر لڑنے آئے بھی تو بے دلی سے لڑے۔
یہی سبب ہے۔ اُن حیرت انگیز فتوحات کا۔ جو ابتدائی دور
میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ اور یہی سبب ہے اس بات کا کہ

اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد جب اِن ممالک کے باشندوں نے اسلامی نظامِ اجتماعی تو عملاً کام کرتے ہوئے دیکھا تو وہ خود اس بین الاقوامی پارٹی میں شریک ہوتے چلے گئے اور خود اس مسلک کے علمبردار بن کر آگے بڑھے - تاکہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کو پھیلادیں ؛

جارحانہ اور مدافعانہ کی تقسیم غیر متعلق ہے

[illegible] یہ جو کچھ بیان کیا گیا - اس پر جب آپ غور کریں گے تو یہ بلیم بآسانی آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ جنگ کی جو تقسیم جارحانہ اور مدافعانہ کی اصطلاحوں میں کی گئی ہے - اس کا اطلاق سرے سے اسلامی جہاد پر ہوتا ہی نہیں - یہ تقسیم صرف قومی اور ملکی لڑائیوں پر منطبق ہو سکتی ہے - کیونکہ اصطلاحاً "حملہ" اور "مدافعت" کے الفاظ ایک ملک یا ایک قوم کی نسبت سے ہی بولے جاتے ہیں - مگر جب ایک بین الاقوامی پارٹی ایک جہانی نظریہ و مسلک کو لے کر اُٹھ کھڑی ہو اور تمام قوموں کو انسانی حیثیت سے اس مسلک کی [illegible] بلائے اور ہر قوم کے آدمیوں کو مساویانہ حیثیت سے اپنی پارٹی میں شریک کرے اور محض مسلک

مخالف کی حکومت کو مٹا کر اپنے مسلک کی حکومت قائم کرنے کی جد و جہد کرے تو ایسی حالت میں اصطلاحی حملہ آور اصطلاحی مدافعت کا قطعاً کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - بلکہ اگر اصطلاح سے قطع نظر کر لی جائے - تب بھی اسلامی جہاد پر جارحانہ اور مدافعانہ کی تقسیم منطبق نہیں ہوتی - اسلامی جہاد بیک وقت جارحانہ بھی ہے اور مدافعانہ بھی - جارحانہ اس لئے کہ وہ اپنے مسلک پر عامل ہونے کے لئے حکومت کی طاقت استعمال کرنے پر مجبور ہے - پارٹی ہونے کی حیثیت سے اس کا کوئی گھر نہیں کہ اس کی مدافعت کرے - اس کے پاس محض اپنے اصول اور تعلیم کر ہیں - جن کی وہ حمایت کرتی ہے - اسی طرح مخالف پارٹیوں کے گھر پر وہ حملہ نہیں کرتی - بلکہ اس کے اصولوں پر حملہ کرتی ہے اور اس حملہ کا مدّعا یہ نہیں ہے کہ اس سے زبردستی اس کے اصول چھڑائے جائیں - بلکہ مدعا صرف یہ ہے کہ اس کے اصولوں سے حکومت کی طاقت چھین لی جائے ؎

ذمیوں کی حیثیت

یہیں سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ اسلامی نظامِ
[illegible] میں ان لوگوں کی کیا حیثیت ہے جو کسی دوسرے عقیدہ و
[illegible] کے متبع ہوں۔ اسلام کا جہاد لوگوں کے عقیدہ و مسلک
[illegible] کے طریقِ عبادت و قوانینِ معاشرت سے تعرض نہیں کرتا
[illegible] کو پوری آزادی دیتا ہے کہ جس عقیدہ پر چاہیں۔ قائم
[illegible] مسلک پر چاہیں چلیں۔ البتہ وہ ان کے اس حق کو
تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے کہ ایسے کسی طریقہ حکومت کا نظام
[illegible] قوانین جو اسلام کی نگاہ میں فاسد ہے۔ نیز وہ ان کے اس
حملہ کو بھی نہیں مانتا۔ کہ وہ معاملات کے ان طریقوں کو اسلامی
[illegible] حکومت میں جاری رکھیں جو اسلام کے نزدیک اجتماعی
[illegible] کے لئے مہلک ہیں۔ مثلاً وہ حکومت کا نظام ہاتھ میں لیتے
[illegible] سودی کاروبار کی تمام صورتوں کو مسدود کرے گا۔ جوئے
[illegible] اجازت نہ دے گا۔ خرید و فروخت اور مالی لین دین
[illegible] تمام شکلوں کو [illegible] جو اسلام کے قانون میں حرام
[illegible]۔ قحبہ خانوں اور ف[illegible] کے اڈوں کو کلیتاً بند کر دیگا۔

غیر مسلم عورتوں کو ستر کے کم سے کم حدود کی پابندی پر م
اور تبرّج جاہلیت کے ساتھ پھرنے سے روک دے گا۔
احتساب قائم کرے گا اور تمام غیر اخلاقی عناصر کو اس
نکال دے گا۔ کسی گروہ کو مخلوط تعلیم کی اجازت نہ
اس قسم کے اور بہت سے امور ہیں۔ جن میں ایک
حکومت نہ صرف اجتماعی فلاح و بہبود کی خاطر۔ بلکہ خو
کی خاطر بھی ان تمدّنی معاملات کی اجازت نہ دے گا
مسلموں کے مسلک میں چاہے ناجائز نہ ہوا ۔۔۔ گر
میں موجب فساد و ہلاکت ہیں۔

اس باب میں اگر کوئی شخص اسلام پر نارواداری کا ا
کرے تو اُسے دیکھنا چاہیئے کہ دنیا کے کسی انقلابی و اصلاحی
نے دوسرے مسلک والوں کے ساتھ اتنی رواداری نہیں
جتنی اسلام برتتا ہے۔ دوسری جگہ تو آپ دیکھیں گے کہ
والوں کے لئے زندگی دو بھر کر دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ
نکل جانے پر مجبور رہوتے ہیں۔ لیکن اسلام غیر مسلک
امن کے ساتھ ہر قسم کی ترقی ۔۔۔ کا موقع دیتا ہے او
ساتھ ایسی فیاضی کا برتاؤ کرتا ہے جس کی مثال دنیا